مسلمانانِ عالم کی بے حسی اور زبوں حالی کا آئینہ
اور اہم گذارشات پر مشتمل

عہدِ حاضر اور مسلمان

سبب کچھ اور ہے، تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

سید سیف الدین اصدق چشتی

ناشر
الاصدق اکیڈمی، پیغام اسلام پبلکیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانانِ عالم کی بے حسی اور زبوں حالی کا آئینہ
اور اہم گذارشات پر مشتمل

عہدِ حاضر اور مسلمان

ہم نے سیکھا ہے اذانِ سحر سے یہ اصول
لوگ خوابیدہ ہی سہی ہم کو صدا دینی ہے

تصنیف

سید سیف الدین اصدق چشتی

ناشر

الاصدق اکیڈمی و تحریک پیغام اسلام پبلیکیشن

نام کتاب	عہد حاضر اور مسلمان
مؤلف	سید سیف الدین اصدق چشتی
طباعت اول	2025
تعداد	1100
معاونین	محمد احسان الحق اصدقی مصباحی، حسن رضا اصدقی مصباحی، محمد فصیح القمر غوثی مصباحی، محمد خواجہ اکرام مصباحی
کمپوزنگ و تزئین	محفوظ اصدف بھاگلپوری 8521878692
ناشر	الاصدق اکیڈمی و تحریک پیغام اسلام پبلیکیشن
صفحات	320
قیمت	250

ملنے کے پتے

خانقاہ بشیریہ اصدقیہ آستانہ چشتی چمن، پیر بیگھہ شریف، نالندہ (بہار)

مرکزی دفتر: تحریک پیغام اسلام، امام حسینی مسجد، ذاکر نگر، جمشید پور

مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، پکی تالاب، بہار شریف نالندہ

رابطہ نمبر 6207784971 / 9470117763

انتساب

اس خدائے وحدہ لاشریک کا بے پایاں شکر واحسان ہے، جس نے انسان اور مسلمان بنا کر شعور وآگہی کی دولت عطا فرمائی، اور اپنے ایک حقیر ترین بندے کو اس کی اوقات سے بڑھ کر نوازا، حق کہنے، بولنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی:

یہ سنگ بھی اسی کے ہیں، در بھی اسی کا ہے
جھکنے کو بے قرار، یہ سر بھی اسی کا ہے

فنکار ہم کہاں کے، کہاں کا کمال فن
یہ ہاتھ بھی اسی کے، ہنر بھی اسی کا ہے

اپنی پیاری امی جان کے نام

جس نے عسرت وتنگی میں ہمارے لیے وسعت وعشرت کا سامان کیا، جس کے ہاتھ اور لب ہمہ وقت محبتوں اور دعاؤں کے لیے کھلے رہے، جس کی نگاہیں ہمیشہ میرا رستہ تکتی رہیں، وہ ماں جس کی شاید زندگی میں قدر نہیں ہو پاتی مگر آج رواں رواں آواز دے رہا ہے کہ:

''ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے''

اس نالائق کو کسی لائق بنانے میں میری امی کی دعاؤں کا کلیدی رول ہے۔

اللھم اغفر لھا وارحمھا وعافھا واعف عنھا واکرم نزلھا ووسع مدخلھا
آمین بجاہ حبیبک سید المرسلین

العبد الراجی
سیف الدین اصدق غفرلہ
۳۰ محرم الحرام ۱۴۴۷ھ بروز جمعۃ المبارک

فہرستِ کتاب

فرمان باری تعالیٰ جل جلالہ

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۟

تم فرماؤ: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (الزمر: ۵۳)

فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

لَا تَضُرُّكَ الْفِتْنَةُ مَا عَرَفْتَ دِيْنَكَ، إِنَّمَا الْفِتْنَةُ إِذَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ الْحَقُّ وَالْبَاطِلُ*

''جب تک تمہیں دین کی معرفت حاصل ہے، دین کا علم رکھتے ہو، فتنہ تمہیں نقصان نہیں دے گا، فتنہ وہاں نقصان دیتا ہے، جہاں تم پر حق اور باطل مشتبہ ہو جائے''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۴۶۸)

دنیا کی حقیقت

از افادات: سلطان المحققین مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رضی اللہ عنہ

یہ کمینہ زمانہ یعنی دنیا تجھے کیا دے گی اس کا یہی طریقہ ہے جو دیتی ہے ایک ایک کر کے واپس لے لیتی ہے ''الدنیا ساحرۃ'' دنیا جادوگر ہے اس کی جادوگری کا یہ حال ہے کہ اس کی ساری نمائش وزیبائش خواب کی طرح ہے، اس کی خوراک اور اس کی پوشاک ایک خیال جیسی ہے، اس کی لذتیں شہوتیں احتلام کے مانند ہیں، ان سب کے باوجود ایک عالم اس کے پیچھے سرگرداں و پریشان ہے۔ سچ کہا ہے جس نے کہا ہے ؎

حال دنیا را پرسیدیم من از فرزانہ
گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانہ
باز گفتم حال آں کس گو کہ دل دروے بہ بست
گفت یا غولیست یا دیوست یا دیوانہ

عجب حال ہے اس دنیا کا یہاں شادی بے ماتم، خوشی بے غم، زندگی بے موت، صحت بغیر مرض، بقا بغیر فنا، مراد بغیر رنج و مصیبت، غذا بغیر بلا میں گرفتار ہوئے، ملنا محال ہے، اس کے باوجود ایک جہاں اس کی تلاش میں سرگرداں ہے، اور سینکڑوں فتنے اور بلاؤں میں مبتلا ہیں۔

(مکتوبات دوصدی، مکتوب نمبر: ۵۳)

فکر آخرت

از افادات: قطب عالم سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق الصادقی الچشتی علیہ الرحمۃ والرضوان

اس زمانے کے لوگ موت کے وقت کو بھول بیٹھے ہیں، اسی لیے غفلت کی گہرائی میں پڑے ہوئے ہیں۔ چاہیے کہ موت کو ہر وقت سامنے رکھیں اور خیال کریں کہ کل زندہ نہیں رہیں گے۔ آخرت کے واسطے کچھ کرلیا جائے تاکہ وہ وہاں کام آئے۔ جب اس طرح کروگے تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے توفیق مددگار ہو جائے اور نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف کھینچ لیے جاؤ۔

''علی حسین'' نام رکھتے ہو اور یہ نہیں جانتے ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کس طرح زندگی گزاری ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کس لیے شہید ہوئے؟ مسلمانان، مسلمانان، مسلمانان اور مسلمانی کی صرف رٹ ہے۔ مسلمان قبر میں ہیں اور مسلمانی کتاب کے ورقوں میں ہے۔ میں فرصت کا وقت کم رکھتا ہوں، کتنا لکھوں۔ اگر تیرے دل میں اسلام اور ایمان کا نور ہے تو اسے باقی رکھ اور اسی پر قائم رہ اور ان تمام نصیحتوں کو اپنے لیے غنیمت شمار کر اور اسی پر عمل کر، جہاں تک ہوسکے نگاہ کو بند رکھ اور اپنے کو رنجیدہ رکھ۔

(مکتوبات اصدقی، مکتوب نمبر: ۱۳)

دعائیہ کلمات

از: ـــــ ابی وشیخی رئیس التحریر حضرت علامہ سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی مدفیوضہ

زیر نظر کتاب کچھ لکھے جانے کی مستحق ضرور تھی مگر، وائے بر حال ما، گذشتہ دو سالوں سے صاحب فراش ہوں۔ اسفار بند ہیں، معمولات ترک ہیں، لکھنے پڑھنے کی صلاحیت تقریباً مسلوب ہوچکی ہے۔ یہ چند سطریں جو حیز تحریر میں لائی جارہی ہیں، کن مدو جزری کیفیت سے گزرنا پڑا ہے، ناقابل بیان ہے۔

کتاب سے متعلق اس سے زیادہ کیا لکھوں ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' حقائق ومعلومات، ثبوت وشواہد کی روشنی میں اگر پیش کیے جائیں تو ایسی روشن تحریریں پر چارک کی محتاج نہیں ہوتیں۔ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، پڑھیے عالمی منظر نامہ سامنے ہوگا۔

فرزند ارجمند مولانا الحافظ سید شاہ سیف الدین اصدق فیض چشتی سلمہ اللہ کی قرطاس وقلم سے گہری وابستگی ان کی تحریر میں یوماً فیوماً جلا پیدا کررہی ہے۔ آپ یہ تحریر پڑھیں گے تو آپ کو اسلام کی آبرو کی پامالی کا غم صاف دکھائی دے گا، اور زوال مسلم کی درد بھری داستان سن کر ضرور کلیجہ آب ہوجائے گا ؎

ہمیں چاہیے ایسے جاں باز انساں
رہِ حق میں جو اپنی ہستی مٹائیں

پیش لفظ

از: ــــ سید نور الدین اصدق چشتی مصباحی، ایڈیٹر سہ ماہی جام شہود، بہار شریف

زیر نظر کتاب ''عہد حاضر اور مسلمان'' برادر محترم و مکرم حضرت مولانا حافظ وقاری سید شاہ سیف الدین اصدق چشتی زیدہ مجدہ کی تصنیف لطیف ہے۔آپ جہاں صاحب طرز خطیب ہیں وہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زور قلم سے بھی خوب خوب نوازا ہے۔دل پر سوز، جذبہ دروں اور کچھ کرگزرنے کا حوصلہ اور عملی کوشش آپ کے اندر بتمام وکمال موجود ہے۔

تحریک پیغام اسلام، پیغام اسلام سنٹر، پیغام اسلام مدرسہ واسکول آپ کی عملی کوشش کا نمونہ ہے۔اس کتاب سے قبل متعدد کتابچے اور جام شہود بہار شریف کے علاوہ ملک بھر کے رسائل وجرائد میں چھپنے والے آپ کے مضامین آپ کی تحریری صلاحیت کی شاہد ہیں۔خداوند قدوس نے یہ صلاحیتیں آپ کے اندر وراثت میں ودیعت فرمائی ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

امت مسلمہ روز اول سے ہی مدو جزری کیفیت سے نبرد آزما رہی ہے۔لیکن ان کی قوت ایمانی، جہد مسلسل اور سعی پیہم نے ان کی ناؤ کو ہمیشہ ہی پار لگایا ہے۔اگر آپ عہد رسالت مآب سے لے کر ماضی قریب تک کی تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو بخوبی اس دعوے کی صداقت معلوم کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو کھانے، سونے، لذات و شہوات کے لیے ہی پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس کے ذمہ دعوت وتبلیغ کے کارہائے نمایاں کی انجام

دہی رکھی ہے یہی اس قوم کا ہمیشہ سے سرمایہ افتخار رہا ہے۔ارشادربی ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۱۰) تم بہترین امت ہو، لوگوں کو برائی سے بھلائی کی طرف بلاتے، نیکی کا حکم دیتے، اور برائیوں سے روکتے ہو۔

دعوت حق وصداقت ایک کارعظیم ہے اور داعی ومبلغ کا مرتبہ نہایت ہی بلند و بالا، لیکن اس کی راہ کبھی آسان نہیں رہی، اس راہ کے راہی کو صلیب ودار کا خطرہ ہر دم اور ہر آن لاحق رہتا ہے۔دشنام طرازی، ایذا رسانی، تو عام سی بات ہے۔ پر اسلام کے جیالوں نے اس کی پرواہ کبھی نہیں کی۔

ستیزہ کارہائے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

بندگان خدا کا تو تیور ہوتا ہے کہ مصیبت آتی ہے تو آئے، دنیاوی درد و دکھ ہمارے ہی لیے ہے اور ہم درد ومصیبت برداشت کرنے کے لیے ہی بنائے گئے ہیں راحت وآرام ہمارے حصہ میں جو آنی ہے وہ آخرت میں آنی ہے۔دنیا تو دارالمصیبت ہے جو ہونا ہے ہوگا۔ یہ تصور انسان کو مایوسی وقنوطیت کا شکار نہیں ہونے دیتا ہے بلکہ حالات سے برسرِ پیکار ہونے کا حوصلہ ملتا ہے۔اور جہد مسلسل کے نتیجے میں کامیابی وکامرانی قدم چومتی ہے۔اور داستان عروج وزوال بھی اسی عزم کے ساتھ مربوط ہے۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈُوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈُوبے اِدھر نکلے

عہد حاضر کے مسلمانوں کا عجب حال ہے، گویم مشکل وگرنگویم مشکل کی صورت حال دامن گیر ہے۔اگر کہوں تو کیا کیا کہوں اور رونا روؤں تو کس کی بات کا۔علم

وادب، تہذیب وتمدن، اخلاق ومروت، شعور وآگہی، اس قوم کی میراث تھی، جہاں بینی وجہاں بانی اس کی فطرت، کیا آج ہماری قوم اس سے بالکل خالی نہیں دکھائی دیتی ہے؟ اس پر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ ہمارے دلوں سے احساس زیاں بھی رخصت ہے۔ جس قوم کی حس مرجاتی ہے اس پر نہ تو تقریر اثر کرے ہے اور نہ ہی تحریر، پند ونصائح اس کی نظر میں کار بے فائدہ ہے۔ عوام تو عوام ہے ہمارے خواص پر بھی حسرت ویاس کا بادل چھایا ہوا ہے۔ کہنے والے نے کہا کہ یہ آخری پیڑھی ہے جو کتاب پڑھ رہی ہے۔ وہ دن دور نہیں کہ کتاب پڑھنے والے نہیں ملیں گے۔ یہ اپنی قوم کی طرف سے مایوسی نہیں تو پھر کیا ہے؟ اور بات بھی سچی ہے۔ اگر یہی روش قائم رہی تو بالکل نہیں ملیں گے۔ لیکن میرے بھائی جب کسی کو میعادی بخار (Typhoid) ہو جاتا ہے تو اس کے منہ کا مزہ خراب ہو جاتا ہے اور میٹھی چیز بھی کڑوی لگنے لگتی ہے۔ پر اس کو اس کے حال پر چھوڑا تو نہیں جاتا علاج کیا اور کرایا جاتا ہے۔

آج ہماری قوم کا بھی ذائقہ خراب ہوگیا ہے۔ اس کے اندر دین کی طلب ماند پڑ چکی ہے اور دینی کاز کا شغف ختم ہوتا جارہا ہے، توحید ورسالت کی شمع مدھم پڑ چکی ہے۔ ختم نہیں ہوئی، جب ختم نہیں ہوئی ہے، تو پر امید رہتے ہوئے شافی وکافی علاج کی ضرورت ہے، اس علاج میں خلوص، للّٰہیت، شفقت ومحبت اور داعیانہ روش کی ضرورت ہے الحمدللہ زیر نظر کتاب ان ادویات سے مملو ہے۔

ایک نظر مشمولات کتاب پر

گزشتہ تین چار سال سے اس کتاب کا ذکر ہوتا چلا آرہا تھا، غالبا مصروفیات کی وجہ کر امروز وفردا پر بات ٹلتی رہی۔ میرا ماننا ہے کہ ہر کام اپنے وقت پر ہی ہوتا ہے۔ اور اس

کتاب کے منظر عام پر آنے کا یہی صحیح وقت ہے ترتیب، نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کی غرض سے کتاب کو بغور دیکھنے کا موقع ملا جس کی وجہ کر اس کتاب ''عہد حاضر اور مسلمان'' سے متعلق چند خصائص اور باتیں نکل کر میرے سامنے آئیں جس کا ذکر آپ سے کرتا چلوں۔

(۱) یہ ایک اصلاحی اور خود احتسابی کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے۔ قارئین اسی نقطۂ نظر سے پڑھیں تو کتاب زیادہ نفع بخش ہوگی۔

(۲) مسلم سماج کے ان تلخ حقیقت پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے جو آج ہر شخص کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

(۳) فرد واحد یا کسی خاص طبقے کے بجائے اس میں قوم مسلم کے ہر طبقے کی عکاسی کی گئی ہے، اگر عوام کی غفلت ہے تو خواص کی بے حسی کا بھی ذکر ہے، اگر سرمایہ داران و دانشوران کی دنیا طلبی کے تذکرے ہیں، تو اہل خانقاہ و مشائخ کی مارکیٹنگ کا بھی ذکر ہے۔ نوجوانوں کی بے راہ روی پر اگر بات کی گئی ہے تو انہیں اس راہ پر ڈالنے والے بوڑھوں کو بھی آئینہ دکھایا گیا ہے۔

(۴) اس سے آپ بالکل یہ نہ سمجھیں کہ اس کتاب میں صرف تنقید ہی تنقید ہے بلکہ ایک مسلمان کو بحیثیت مسلمان بیدار کرنے کی کوشش اور ان کی ذمہ داریاں جگہ جگہ بطریق احسن بیان کیا گیا ہے۔ دین کیا ہے، مسلک و مشرب کا تعارف، توحید و شرک کا تعارف، اتحاد امت، تکفیر مسلم کی مذمت، مومن کی قدر و منزلت، محبت رسول اصل ایمان، تحفظ ناموس رسالت اور بغداد و اسپین کے زوال، اس کے اسباب و علل اور عہد حاضر میں ملک عزیز ہندوستان کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے وہ واقعی سہادینے والا ہے۔ الغرض خوابیدہ قوم کو جگانے کا مکمل انتظام ہے۔ مشمولات کتاب سے کتاب کی اہمیت و افادیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۶) نہایت ہی حکیمانہ رنگ وآہنگ میں صوفیہ، صالحین اور علمائے ربانیین کے کارنامے، تذکرے، اور ان کی تعلیمات کا تذکرہ درج کتاب کیا گیا ہے۔ بے شک ان کی ہی روش پر چل کر ایک بندہ مومن کامیاب اور پرسکون زندگی گزار سکتا ہے۔

(۷) کہیں کہیں، مؤلف موصوف تلخ بھی ہوئے ہیں اور کھری کھری بھی سنایا ہے، اس لیے کہ ''گر شفا بایدت داروئے تلخ نوش''، باوجود اس کے کسی کو نشانہ بنانا اور ٹارگٹ کرنا نہیں بلکہ اصلاح مقصود ہے:

ع نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

(۸) قرآن کریم، احادیث رسول کریم، احوال وآثار اصحاب رسول کریم سے اپنی باتوں کو خوب خوب مزین کیا ہے۔ انداز بیان کو داعیانہ رکھنے میں کامیاب رہے ہیں۔ ہاں چونکہ مؤلف خطیب بھی ہیں اس لیے جا بجا انداز خطیبانہ سے بھی آپ محظوظ ہوئے بنا نہ رہ پائیں گے۔

دیکھیں، مؤلف موصوف، مقصد زندگی سمجھاتے ہوئے نوجوانوں سے کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

''مسلمانوں کی جماعت اور عموماً نوجوان طبقہ قرآن مجید کو محض ایک رسمی اور مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ ان کو یہ سمجھنا ہوگا کہ قرآن وہ عظیم کتاب ہے جو عصر حاضر کے چیلنجوں کا نہ صرف مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے بلکہ تمام مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے۔ مگر افسوس! غیروں کے دھرم اور ان کی مذہبی کتابوں کی طرح مسلمانوں کا بھی اپنے دین وکتاب سے ان ہی کی طرح کا رویہ ہے۔ علامہ اقبالؔ نے تلخ مگر بہت سچی بات کہی ہے ؎

برہمن از بتانِ طاق خود آراستہ
تو قرآں از سر طاقے نہادی

(برہمن نے اپنے طاق کو بتوں سے سجایا ہے اور اے مسلمان تو نے قرآن کو طاق پر رکھ چھوڑا ہے)

ظاہر ہے کہ جب بندہ قرآن سے دور ہوگا تو خود بخود دینی تعلیمات اور اپنے مقصد حیات سے بھی غافل ہی رہے گا۔اپنی زندگی کا حقیقی مقصد نہ معلوم ہونا، انسان کو تباہی و بربادی کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔اسی مقصد زندگی کے حوالے سے ڈاکٹر ابراہیم ناجی نے اپنے کتاب ''Have you Discovered its Real Beauty'' میں ایک واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: میں نے ناروے کے ایک ہوٹل میں ''کرس'' نام کے ایک شخص سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انھوں نے حیران ہوکر جواب دیا کہ مجھ سے آج تک کسی نے بھی اس طرح کا سوال نہیں کیا اور اس کے بعد اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے اور زندگی کا کوئی مقصد بھی ہوتا ہے کیا؟۔عہد حاضر میں یہی حال مسلم نوجوانوں کا بھی ہے۔جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے تو ان کا بھی جواب ''کرس'' کی طرح ہی ہوتا ہے''۔

آپ کو کتاب میں جا بجا اس طرح کا داعیانہ انداز بیان مشاہدہ کرنے کو ملے گا جس سے جہاں قاری کے اندر جذبۂ خود احتسابی پیدا ہوتی نظر آئے گی تو دوسری طرف خود مؤلف کے جذبۂ دروں اور حالات پر ان کی گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔

دعا ہے خداوند قدوس اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کے مطالعے سے بہرہ ور فرمائے اور حضرت مؤلف کا زور قلم اور بھی زیادہ ہو ؎

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد!

مقدمہ

آج ساری دنیا کے ساتھ ساتھ وطن عزیز کی بساط سیاست پر مسلمانوں کو مات دینے کے لیے کس فنکارانہ انداز میں چالیں چلی جارہی ہیں، یہ بات کسی بھی باشعور انسان پر مخفی نہیں۔ اسرائیل کے یہودیوں سے گُر سیکھ کر ہندوستان کو اسپین، فلسطین اور میانمار بنانے کی ساری تیاریاں مکمل ہوچکی ہیں۔ تقریباً سو سالہ آر، ایس، ایس کے سارے قدیم ایجنڈے یکے بعد دیگرے زمین پر اترتے جارہے ہیں۔ کل تک جس بات کو ہم شیخ چلی کا ایک خواب سمجھتے تھے، آج اس نے زمینی سطح پر حقیقت کا روپ دھار لیا ہے۔ ہندوستانی تاریخ میں پہلی بار حکومت کے سبھی مرکزی عہدوں پر سنگھ کے پرچارک براجمان ہوچکے ہیں۔ برہمن ازم جو یہودیت کا دوسرا روپ ہے، بڑی عیاری کے ساتھ اپنی شاطرانہ چالیں چل رہا ہے۔ مسلمانوں کے خارجی معاملات کے ساتھ ساتھ مذہبی اور داخلی معاملات میں بھی مداخلت کا سلسلہ چل پڑا ہے۔

لو جہاد، گئو رکشا، آستھا اور دیش بھکتی وغیرہ کے ناموں پر حیوانیت کا ننگا ناچ ہو رہا ہے۔ اسلام، قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر مسلسل بھگوا دھاری غنڈے رکیک حملے کررہے ہیں، مگر کسی طرح کی قانونی کاروائی کے بجائے الٹا انھیں شہ دیا جارہا ہے۔ عدلیہ پر اعتماد تھا، لیکن وہاں بھی صورت حال یہ ہے کہ افضل گرو اور یعقوب میمن جیسے ملزمین کو تو فاسٹ ٹریک مقدمہ چلا کر پھانسی کے پھندے تک پہنچا دیا جاتا ہے اور سادھوی و پروہت جیسے مجرمین ہندو دہشت گردوں کو آزادی کا پروانہ ہی نہیں، بلکہ اعزازات سے نوازا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھگوا لباس پہن کر ہر غنڈہ موالی، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو چاہ رہا

ہے وہ بک رہا ہے اور کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو سزا تو کجا، حکومت وقت تک کی جانب سے ان پر نوازشات کی بارش ہو رہی ہے۔ بابری مسجد کے بعد سے کئی ناانصافی پر مبنی فیصلوں نے تو سپریم کورٹ کا سارا بھرم ہی ختم کر دیا ہے۔ اس دیش میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں اور دوہرے رویوں کی ایک ایسی لمبی فہرست ہے، جسے بتانے اور گنوانے کے لیے ایک دفتر درکار ہوگا۔ لیکن حالیہ چند سالوں میں ہونے والے مظالم نے اس شعر کو آج حقیقت کا آئینہ بنا کر ہماری نگاہوں کے سامنے رکھ دیا ہے ؂

وہی قاتل، وہی شاہد، وہی منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

حالیہ دنوں جس طرح ہندوؤں کے مذہبی جلوس نکل رہے ہیں، مسلم محلے اور مساجد کے سامنے کھڑے ہو کر گھنٹوں جے شری رام کے نعرے لگائے جاتے ہیں، مسلمانوں کو بھدی بھدی گالیاں دی جاتی ہیں، انھیں ردعمل کے لیے اکسایا جاتا ہے، مسلمانوں کا صبر دیکھ کر فسادیوں کے ضبط کا باندھ خود ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ مساجد پر چڑھ کر بھگوا جھنڈے لگاتے ہیں اور مسلمانوں پر حملے کرتے ہیں، جب مسلم جوان اپنی مسجد اور خود کے دفاع میں سامنے آتا ہے، جس کا حق ہندوستانی آئین (Indian Constitution) نے انھیں دیا ہے، تو پھر تماشائی بنی پولیس دہشت گردی کا وہ ننگا ناچ دکھاتی ہے کہ شیطانیت بھی شرمسار ہو جائے۔ اس کے بعد باری آتی ہے حکومت اور عدالت کی تو جب چیف جسٹس ڈی، وائی، چندر چوڑ جیسا معروف جج یہ بیان دے کہ فیصلے بھگوان سے مشورہ کر کے لکھے جا رہے ہیں، الہٰ آباد ہائی کورٹ کا جج شیکھر یادو وشو ہندو پریشد جیسی نفرتی تنظیم کے اسٹیج پر جا کر اپنے ذاتی مذہبی عقائد کا اظہار کر کے بھگوا لابی کو خوش کرنے کی کوشش کرے، کولکاتہ ہائی کورٹ کا جج ابھیجیت گنگو پادھیائے استعفیٰ دے کر بی جے پی کی ٹکٹ پر الیکشن لڑے یا سپریم کورٹ کا جج

اے، آر، دوبے یہ کہے کہ ''اگر میں تاناشاہ ہوتا تو پہلی جماعت سے گیتا پڑھوانے کی شرط عائد کر دیتا''، اور ۶/اگست ۲۰۲۵ء کی خبر یہ ہے کہ مہاراشٹر بی جے پی کی ترجمان آرتی اورن ساٹھے کو ممبئی ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا گیا ہے، تو پھر اس تناظر میں محترم وسیم بریلوی کا یہ شعر کیوں کر غلط ہو سکتا ہے کہ ۔

فیصلہ لکھا ہوا رکھا ہے پہلے سے خلاف
آپ کیا خاک عدالت میں صفائی دیں گے

اب تو صورت حال اس سے خطرناک ہے، کہ نہ کوئی نوٹس، نہ کوئی کیس، نہ کوئی عدالت اور نہ کوئی فیصلہ۔ مسلم نوجوانوں کی گرفتاریوں اور ظلم وتشدد کے بعد معاً ان کے گھروں پر بلڈوزر چلا دیے جا رہے ہیں اور انھیں اپنا سامان تک نکالنے کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے۔ آپ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ان مظلوموں کا کیا حال ہوگا، جن کے دیکھتے ہی دیکھتے آشیانے اجڑ گئے، سر چھپانے کی کوئی جگہ نہیں رہی، جو ساز وسامان تھا وہ سب لٹ پُٹ گیا، جو کمانے والے نوجوان تھے وہ جیلوں میں ڈال دیے گئے، جن کا کوئی پُرسان حال تک نہیں۔

یہ ایسے ظلم کی شروعات ہے جو اس بات کا واضح اعلان ہے کہ یہ دیش غیر اعلانیہ ہندو راشٹر بن چکا ہے۔ اسلامی تاریخ وتمدن، تہذیب وتعمیرات اور مسلم اسما و آثار تیزی کے ساتھ مٹائے اور ختم کیے جا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کے بعد ان کے آبا واجداد کے وقف کردہ جائیداد واملاک پر بھی حکومت وقت کی اب ناپاک نظر ہے۔ وہ ایک نیا قانون بنا کر تمام جائیداد جس کو مسلمانوں کے صاحبانِ ثروت بزرگوں نے اللہ کی رضا، دین اسلام کی تقویت اور مسلمانوں کے فلاح وبہبود کے لیے وقف کیا تھا مکمل اپنے اختیار میں لے لینا چاہتی ہے۔ تاکہ وہ جب چاہیں کسی بھی مسجد، مدرسہ، اسکول، درگاہ، قبرستان، اور مسلم معاشرے کی تعمیر وترقی کے لیے کام کرنے

والے اداروں پر اپنا قبضہ جما لیں۔

۱۵؍اگست ۲۰۲۵ء کو لال قلعہ پر یوم آزادی کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے بھارت کے وزیر اعظم نریندر مودی نے اپنے بیان میں دو ایسی باتیں کی ہیں جو مسلمانوں کے لیے بہت اہم ہیں اور انہیں اس ملک میں اپنے مستقبل کے سلسلے میں غور وفکر اور دعوتِ عمل پر ابھارتی ہیں:

۱۔نریندر مودی نے یوم آزادی کی اس خاص تقریب میں آر ایس ایس کی چیخ چیخ کر تعریف کی اور اس تنظیم کو ملک کا فخر قرار دے دیا۔آر ایس ایس کے لیے ملک کی اس سب سے بڑی تقریب سے یہ پذیرائی آئندہ اس ملک میں آر ایس ایس کے اثر ونفوذ کا واضح اعلان ہے۔

۲۔نریندر مودی نے اسی موقع پر لال قلعہ سے ملک میں غیر قانونی آبادی کے مسئلے پر ایک بار پھر اشتعال انگیزی کرتے ہوئے ''گھس پیٹھیوں'' والا پروپیگنڈہ اب لال قلعہ سے ملک میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔عام طور پر اس ملک میں ہندوتوادی کن لوگوں کو ''گھس پیٹھیا'' قرار دے کر نشانہ بناتے ہیں اور ان کے گھروں پر بلڈوزر چلاتے ہیں اس کی الگ سے وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

راشٹریہ سویم سیوک سنگھ (آر ایس ایس) وہ تنظیم ہے جس کے ہیڈ کواٹر پر پچاس سال تک ترنگا نہیں لہرایا،جس کے ایک رکن ناتھورام گوڈسے نے مہاتما گاندھی کا قتل کیا،جس کے بعد فروری ۱۹۴۸ء میں وزیر داخلہ ولبھ بھائی پٹیل نے اس پر پابندی لگادی۔جس تنظیم کا سینکڑوں ملک دشمن فسادات میں ہاتھ ہے۔جس تنظیم کا ملک کی آزادی میں کوئی رول نہیں بلکہ انگریزوں کے لیے مخبری اور جاسوسی کا کام کیا۔جس تنظیم نے کبھی بھارت کے آئین کو تسلیم نہیں کیا اور اب عملی طور پر اس کے خاتمے کی کوششوں میں لگی

ہے۔اس تنظیم کے ان گنت کالے کرتوت اور سیاہ کارنامے ہیں، جسے کئی محبین وطن اور ملک کے ذمہ دار اور اہم شخصیات نے اپنی اپنی کتابوں میں سینکڑوں صفحات پر اجاگر کیا ہے، اسے بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں۔لیکن لال قلعہ جیسے مقام سے اتنے بڑے موقعے پر ملک کے وزیر اعظم کا اس فاشسٹ ہندوتوادی تنظیم کی پذیرائی کرنا اور مسلمانوں کو کھلے عام نشانہ بنانا ایک المیہ ہے اور لمحۂ فکریہ ہے۔

یہ سب اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ آنے والے دنوں میں مسلمانوں کو اپنا وجود بچانا کس قدر سخت ہونے والا ہے۔اس نوشتۂ دیوار کے بعد بھی کیا مسلمانوں کو یہ بتانا پڑے گا کہ آنے والے دنوں میں اب یہاں آپ کو گالیاں سن کر، لاٹھیاں اور گولیاں کھا کر، بے گناہی کی سزا پاکر، اپنی خواتین کی عصمتیں لٹوا کر، اپنے مقدس مقامات، پاکیزہ شخصیات اور قابل قدر بزرگوں کی بے حرمتی پر بے ضمیر اور بے حس لاش بن کر غلاموں سے بدتر زندگی گزارنی ہوگی!!

آج نہ جانے کتنے قاتل، ڈاکو، زانی، کرپٹ اور سرتاپا گھناؤنے اور ناقابلِ معافی جرم میں ڈوبے ہوئے تو مسند اقتدار پر بیٹھے ہیں، مگر مسلم نام کے کسی ملزم کو اگر ضمانت ملتی ہے تو پورا ملک اس طرح سر پر اٹھالیا جاتا ہے کہ جیسے یہ سارے کے سارے گنگا نہائے اور دودھ کے دھلے ہوں۔ نئے نئے نعروں اور سلوگن کے ذریعہ مسلمانوں کو احساس کمتری کا شکار بنانے کی کوششیں شباب پر ہیں۔ کھلے عام کہا جارہا ہے کہ ہندوستان میں رہنا ہے تو جے شری رام کہنا ہوگا، وندے ماترم کا نعرہ لگانا ہوگا، سوریہ نمشکار کرنا ہوگا، اور بھی نہ جانے کیا کیا۔ وہ قوم جن کے پاس نہ کوئی دستور ہے، نہ نظام ہے اور نہ ہی کوئی قانون، وہ مسلمانوں کے سائنٹفک مذہبی قوانین پر پھبتیاں کس رہے ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ جن کے پُرکھوں کی زندگی انگریزوں کے تلوے چاٹنے میں گزری وہ مسلمانوں سے دیش بھکتی کی سند مانگتے ہیں۔نفرت

کے پجاریوں کو بڑے اعزاز کے ساتھ ٹی وی چینلز پر بیٹھایا جاتا ہے اور وہ اسلام پر نہایت گھٹیا تنقید اور ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کی ساری حدیں پار کر جاتے ہیں۔

افسوس تو اس وقت اور زیادہ ہوتا ہے جب کچھ مولوی اور مولوی نما لوگ ان بکے ہوئے چینلوں پر بیٹھ کر اینکرز اور اپنے مدمقابل کی گالیاں سنتے ہیں۔نہ جانے کتنی بار ان لوگوں سے اپیل کی گئی کہ آپ ان چینلوں پر جاکر اپنی تذلیل نہ کرائیں۔کتنی ہی درست، مدلل اور وزن دار بات بولنے کی صلاحیت رکھنے والا بندہ کیوں نہ ہو مگر وہ بول تو اسی وقت سکتا ہے جب کہ اینکر اسے بولنے دے۔ٹی وی اینکرز تو ایک خاص ایجنڈے کا اہم حصہ ہیں، جسے ہر ذی شعور شہری اب بخوبی سمجھنے لگا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جس نے ان چینلوں اور اس پر ہونے والے ڈیبیٹ سے دوری بنالی ہے۔ مگر یہ ڈیبیٹرز مافیا (Debaters Mafia) کڑک دار نوٹوں کی ہوس میں ہزار گالیاں بلکہ کبھی کبھی مار کھانے کے بعد بھی پھر اگلے دن کسی نہ کسی چینل پر نظر آ ہی جائیں گے۔ان کی کیفیت بقول مرزا اسداللہ خاں غالب کچھ یوں ہے ؎

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا

یہ مال وزر کے پجاری اگر ذاتی طور پر گالیاں کھاتے تو امت مسلمہ کو کوئی فرق نہیں پڑتا، مگر ان کے ذریعہ پوری قوم اور دین اسلام کی تذلیل وتضحیک کی جاتی ہے۔اس وجہ سے ایسے مولوی، مولوی نما اور مسلم چہروں سے بھی مسلمانوں کو سخت نفرت ہے اور ان کے اس مکروہ عمل کی بنا پر انھیں آر، ایس، ایس اور ہندوتوا وادی جماعتوں کا آلۂ کار سمجھا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں جماعت دیوبند کے ایک معروف اور ذمہ دار عالم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا یہ بیان ہماری آنکھوں سے پردہ ہٹانے والا ہے۔وہ لکھتے ہیں

ہمارے ایک بہت اچھے دوست ہیں، جو دارالعلوم دیو بند کے فاضل اور سنسکرت کے ماہر ہیں۔ ہندو مذہب پر اُن کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور اُس پر لکھتے بھی رہتے ہیں۔ ٹی وی اور میڈیا پر بھی وہ اسلام اور مسلمانوں کی اچھی نمائندگی کرتے ہیں۔ آر، ایس، ایس کے دفتر اور اُن کے کتب خانے میں اُن کا آنا جانا ہوتا ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ وہاں مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ہمارے دَسیوں علما آر، ایس، ایس کے لیے کام کررہے ہیں۔ اسلام کی کس بات کو اعتراض کی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے اور کس حدیث کے ذریعے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جاسکتا ہے، وہ اِس طرح کا مواد نکال کر دیتے ہیں، اور کچھ دوسرے لوگ اُس کا ترجمہ کرکے آر، ایس، ایس کے لیے فکری کام کرنے والوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ میں نے اُن لوگوں سے پوچھا: تمھیں یہ کام کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ تُم فلاں مدرسے کے فارغ ہوکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مواد جمع کر کے دیتے ہو؟ تو اُن حضرات نے برجستہ کہا کہ دیکھیے، یہ ہمارے ٹیم لیڈر ہیں، اِن کی تنخواہ ماہانہ دو لاکھ روپے ہے، میری ڈیڑھ لاکھ روپے، اور اِن کی ایک لاکھ روپے۔ آپ ہمیں اتنی تنخواہ دے دیں، ہم ابھی یہ کام چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے کہا بے ضمیری کی بھی انتہا ہوگئی۔ آپ سوچیے کہ ایک طرف اُن کی محنت کا یہ حال اور دوسری طرف ہماری بے غیرتی کا یہ نمونہ!!

آپ کو معلوم ہوگا کہ قادیانیت کا ایک پرچہ آتا ہے ''البدر''، اُس میں ہمارے بعض مدارس کے قارئین کے نام ہوتے ہیں، جن کا مضمون قادیانیت کی تعریف میں ہوتا ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ اُنھوں نے غلط نِسبت لگا رکھی ہے، یا لکھنے والے وہ قادیانی تھے جنھوں نے دھوکہ دے کر ہمارے اِداروں میں پڑھا، یا اللہ نہ کرے کہ پیسے کی لالَچ میں مُرتد ہوگئے، واللہ اعلم لیکن اِس سے اندازہ کیجیے کہ صورت حال کس قدر خراب ہے۔

(ماہنامہ راہِ اعتدال، عمر آباد، ماہِ اپریل ۲۰۱۹ء، ص: ۱۷)

اس تحریر کے بعد اب مزید یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے کہ یہ قوم مسلم چاہے اس میں علما ہوں یا جہلا، عام ہو یا خاص وہ مادیت پرستی اور حصول دنیا کی خاطر کس قدر بے حس، بے ضمیر اور ایمان فروش ہو چکے ہیں۔ اس میں کسی جماعت اور گروہ کی تخصیص نہیں ہے کسی نے بہت سچی بات کہی ہے کہ آج کے دور میں ایمان دار وہی ہے جسے بے ایمانی کا موقع نہیں ملا۔

اکتوبر ۲۰۲۴ء کے آسام دورے پر اسی طرح ایک مصباحی ازہری عالم کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ باضابطہ نہ یہ کہ خود مندروں میں جا کر مورتی پوجا کر رہا ہے بلکہ قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر ان سے بت پرستی کا سبق نکال رہا ہے اور عام مسلمانوں کو اس کی ترغیب دلانے میں مشغول ہے۔ سوشل میڈیا پر اس کی کلپ وائرل ہے اور ہزاروں لوگ اس کے گواہ ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک

ع چو کفر از کعبہ برخیزد، کجا ماند مسلمانی

(جب کعبہ سے ہی کفر پیدا ہونے لگے تو مسلمانی کہاں باقی رہے گی)

المیہ تو یہ ہے کہ سنگین صورت حال کے باوجود مسلمانوں کا ہر طبقہ اپنی اپنی دنیا میں مست ہے۔ ایک مٹھی بھر لوگ ہیں جنھوں نے اس تاریکی میں امید کی شمع جلا رکھی ہے۔ آنے والے صفحات میں مسلمانوں کے ہر طبقے کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جائے گا ؎

نہ سیاہی کے ہیں دشمن، نہ سفیدی کے ہیں دوست
ہم کو آئینہ دکھانا ہے دکھا دیتے ہیں

غبار راہ

سیف الدین اصدق غفرلہ

۲۱ر صفر المظفر ۱۴۴۷ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اسلام اور مسلمان

اللہ رب العزت کا بے پایہ کرم و احسان ہے کہ اس نے ہمیں انسان بنایا۔ کرم بالائے کرم کہ انسان بنا کر مسلمان بنایا اور دامن مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ کعبہ شریف اور گنبد خضرا دیکھ کر، مساجد کے مینار و منبر دیکھ کر، قرآن و حدیث اور علما و مشائخ کے چہرے دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ غیروں کے کلیسا و کنیسا دیکھ کر، منادر و آتش کدہ دیکھ کر، صنم خانہ و بت کدے دیکھ کر بھی میرا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ انسانی ہاتھوں سے تراشیدہ بتوں کے آگے ہاتھ جوڑے لوگوں اور سجدہ ریز پیشانیوں کو دیکھ میرا دل اللہ کے حضور جھک جاتا ہے کہ میرے مولا! یہ تیرا کتنا بڑا کرم ہے کہ میری یہ پیشانی اگر زمین پر لگتی ہے تو کسی خانۂ صنم میں نہیں لگتی بلکہ تیرے بیت حرم میں لگتی ہے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

مٹی سے اگا دیتا ہے وہ گھاس ہری سی
قطرے سے بنا دیتا ہے وہ تصویر پری سی
اللہ کا صد شکر کہ انسان بنایا
انسان بھی ایسا کہ مسلمان بنایا

اسلام کا لفظ ''س، ل، م، سَلَمَ'' سے نکلا ہے۔ اس کے لغوی معانی بچنے، محفوظ رہنے، مصالحت اور امن و سلامتی پانے اور فراہم کرنے کے ہیں۔ اسی مادہ کے باب اِفعال سے لفظ ''اسلام'' بنا ہے۔ لغت کی رو سے لفظ اسلام چار معانی پر دلالت کرتا ہے۔

(۱) ''اسلام'' کا پہلا مفہوم ماننا، تسلیم کرنا، جھکنا، خود سپردگی، سیرنڈر کرنا اور اختیار کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ''اور جب ان کے رب نے ان سے فرمایا: (میرے سامنے) گردن جھکا دو، تو عرض کرنے لگے: میں نے سارے جہانوں کے رب کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا (البقرہ: ۱۳۱)

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

(۲) اسلام کا لغوی معنی خود امن و سکون پانا، دوسرے افراد کو امن و سلامتی دینا اور کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ''اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیرو ہیں، سلامتی کی راہوں کی ہدایت فرماتا ہے۔'' (المائدہ: ۱۶)

(۳) ''اسلام'' میں تیسرا مفہوم صلح و آشتی کا پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ''اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔'' (البقرہ: ۲۰۸) یعنی ہر اعتبار سے اسلام کے نمائندہ بن جاؤ۔

(۴) اسی طرح ایک بلند و بالا درخت کو بھی عربی لغت میں ''السّلم'' کہا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا معانی کے لحاظ سے لغوی طور پر اسلام سے مراد امن پانا، سرِ تسلیم خم کرنا، صلح و آشتی اور عروج و بلندی کے ہیں۔

اسلام کی اس تعریف کی کسوٹی پر اگر کوئی کھرا نہیں اترتا تو وہ عرفی مسلمان تو ہو سکتا ہے مگر حقیقی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اسلام ایک عظیم نعمت ہے

اللہ عزوجل کی سب سے عظیم نعمت اور سب سے بڑا احسان ہم مسلمانوں پر یہ

ہے کہ اس نے ہمیں دین اسلام کی ہدایت دی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡإِسۡلَامِ (الانعام:۱۲۵) ''توجس شخص کو اللہ تعالیٰ راہ پر ڈالنا چاہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتا ہے''۔

دین اسلام کی ہدایت جیسی عظیم نعمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مجید میں فرمایا: يَمُنُّوۡنَ عَلَيۡكَ أَنۡ أَسۡلَمُوۡا قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَيَّ إِسۡلَامَكُمۡ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيۡكُمۡ أَنۡ هَدَاكُمۡ لِلۡإِيۡمَانِ إِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (الحجرات:۱۷) ''اپنے مسلمان ہونے کا آپ پر احسان جتاتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اپنے مسلمان ہونے کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ دراصل اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت کی اگر تم راست گو ہو''۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس نعمت عظیم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيۡكُمُ الۡإِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيۡ قُلُوۡبِكُمۡ وَكَرَّهَ إِلَيۡكُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوۡنَ (الحجرات:۷) ''لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب بنا دیا ہے اور تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر کو اور گناہ کو اور نافرمانی کو تمہاری نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، یہی لوگ راہ یافتہ ہیں''۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنۡكُمۡ مِّنۡ أَحَدٍ أَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ (النور:۲۱) ''اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ جسے پاک کرنا چاہے، کر دیتا ہے اور اللہ سب سننے والا سب جاننے والا ہے''۔

دین اسلام اس لحاظ سے بھی عظیم ہے کہ یہ اللہ کا پسندیدہ دین ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَضِيۡتُ لَكُمُ الۡإِسۡلَامَ دِيۡنًا (المائدہ:۳) ''اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا''۔

دین اسلام تمام انبیاورسل کا دین ہے،اور اللہ نے آخرت میں بندوں کی نجات اور کامیابی کا دارومدار اسی دین کی اتباع پر رکھا ہے اور اگر بندہ بروز قیامت کسی اور دین کے دامن کو تھام کر آئے گا تو اللہ اس کے اس دین کو قبول نہیں کرے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:وَمَنۡ يَبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ‌ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ (آل عمران:۸۵) ’’جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا‘‘۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ملحدین بغیر رب پر ایمان لائے جانوروں کی طرح زندگی گزارتے ہیں اور اسی دنیا کو انھوں نے سب کچھ سمجھ رکھا ہے،تصور آخرت اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے کے وہ منکر ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ (الانعام:۲۹) ’’اور یہ کہتے ہیں کہ صرف یہی دنیاوی زندگی ہماری زندگی ہے اور ہم زندہ نہ کیے جائیں گے‘‘۔

اسی طرح یہود و نصاریٰ بت پرستی میں مبتلا ہوگئے اور اللہ کی دی ہوئی نعمت (دین اسلام) میں اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق تبدیلی کرلی،اور کفر وشرک پر زندگی بسر کرنے لگے حتی کہ نبی آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کا محبوب ترین دین لے کر آئے تو ایمان نہ لائے بلکہ آپ کا اور آپ کی شریعت کا انکار کرکے خود کو مستحق عذاب الٰہی بنالیا۔اللہ تعالیٰ ان کے متعلق ارشاد فرماتا ہے :اَلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَتَمَتَّعُوۡنَ وَيَاۡكُلُوۡنَ كَمَا تَاۡكُلُ الۡاَنۡعَامُ وَالنَّارُ مَثۡوًى لَّهُمۡ (محمد:۲) ’’اور جو لوگ کافر ہوئے وہ (دنیا ہی کا) فائدہ اٹھارہے ہیں اور مثل چوپایوں کے کھارہے ہیں ان کا (اصل) ٹھکانا جہنم ہے‘‘۔

لیکن جنہیں اللہ نے اسلام کی نعمت سے نوازا اور انہوں نے اسلامی تعلیمات سے اپنی عبادات،اخلاقیات،معاملات کو آراستہ وپیراستہ کیا،وہ اپنے رب کی طرف سے ہدایت و

بصیرت پر ہیں، دنیا اور آخرت کی کامیابی ان کا مقدر ہے۔اس بات پر ہم جس قدر اللہ کا شکر ادا کریں وہ کم ہے کہ اس نے ہمیں مسلم خاندان میں پیدا کیا، مسلمان بنایا اور دین اسلام کی عظیم نعمت سے ہمیں نوازا۔اب سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ واقعی! کیا ہمارا کردار و عمل مسلمانوں والا ہے، اور اسلام کی شکل میں ملنے والے اس لازوال تحفۂ خداوندی کی قدر ہم کر پا رہے ہیں۔آیئے! اس کے لیے سب سے پہلے قرآن وحدیث کی روشنی میں مختصراً ہم ایک مسلمان کی صفات اور اس کے کردار و عمل کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر خود کا محاسبہ کرتے ہیں۔

مسلمان: قرآن وحدیث کی روشنی میں

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مسلمان کی علامت کا ذکر کچھ یوں فرمایا:
بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (البقرہ:۱۱۲) ’’کیوں نہیں! جس نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے، اور (آخرت میں) ان کو نہ خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے‘‘۔

یہ آیت کریمہ واضح کرتی ہے کہ سچا مسلمان وہ ہے جو خود کو اللہ کے حضور جھکا دے۔ اللہ کے حضور جھکانا یہ ہے کہ انسان کے وجود سے صادر ہونے والے ہر قول وفعل، خلق و عادت، رویہ وطریقہ، طرز عمل اور طرز گفتگو میں اللہ کا رنگ نظر آئے، یعنی انسان اخلاق الٰہیہ اور اخلاق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متصف ہو جائے۔

سورہ حم السجدہ میں ایک مسلمان کا سب سے اہم تعارف کراتے ہوئے قرآن بیان کرتا ہے: وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (حم السجدہ:۳۳) ’’اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے اور

نیکی کرے اور کہے کہ بیشک میں مسلمان ہوں''۔

اس آیت کریمہ میں کردار مسلم کا تعارف ''قول احسن اور عمل احسن'' سے کرایا گیا ہے۔ گویا جس ذات اور شخصیت میں قول احسن کی بہاریں ہیں اور جس وجود میں عمل احسن کے جلوے ہیں یقینا یہی وہ وجود ہے جو اپنا تعارف تحدیث نعمت کے طور پر ''اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ'' سے کراتا ہے۔ یعنی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وفادار اور فرماں بردار ہوں۔ میری شناخت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت گزاری ہے۔ میں مسلمان اس لیے ہوں کہ میں اللہ جل شانہ کا عبادت گزار ہوں اور میں مسلمان اس لیے ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اطاعت شعار ہوں۔

ایک مسلمان کی صفت یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے اللہ کریم کا نام لیا جائے تو ربِّ عظیم کے جلال وہیبت سے اس کا دل ڈر جاتا ہے اور جب اس کے سامنے قرآن کریم کی آیات پڑھی جائیں تو اس کا اپنے ربّ پر بھروسا اور ایمان مزید مضبوط ہوجاتا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ (الانفال:۲) ''ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں''۔

مسلمان اللہ کریم کی بارگاہ میں بہت توبہ واستغفار کرنے والا اور ہر نعمت وامتحان پر اللہ کریم کی حمد کرنے والا ہوتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے: اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ النَّاہُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ الۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (التوبہ:۱۱۲) یعنی (مسلمان) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے

والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور مسلمانوں کو (جنت کی) خوشخبری سنا دو۔

مسلمان اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے جب کسی جائز کام کا ارادہ وعزم کرتا ہے تو اللہ کریم پر توکل اور بھروسا کرتا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران:۱۵۹) ''اور جب تم کسی کام کا عزم کرلو تو اللہ پر توکل کرو، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے''۔

مسلمان کو جب اللہ کریم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سنایا جاتا ہے اور اللہ ورسول کے فیصلے وحکم کی طرف بُلایا جاتا ہے تو وہ فوراً مانتا اور سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَاؕ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (النور:۵۱) مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف انھیں بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کو یہی کہنا چاہیے کہ ہم نے سُنا اور حکم مانا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

مسلمان آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آواز بلند نہ کرنے والا اور نہایت ادب وتعظیم سے کام لینے والا اور اپنے اعمال وایمان کے ضائع ہوجانے سے خوف رکھنے والا ہوتا ہے۔ اللہ کریم کا فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات:۲) ''اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولو، جیسے کہ تم ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کرتے ہو، ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے گا''۔

نماز اللہ کی اہم ترین عبادت اور مسلمانوں کے لیے معراج ہے، قرانِ کریم میں

کثیر مقامات پر نماز کا حکم دیا گیا ہے، مسلمان وقت پر پابندی اور خشوع وخضوع (عاجزی) سے نماز پڑھنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ رب کریم ہے: الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون:۲) ''جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں''۔ایک اور مقام پر ارشاد ہوا: وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المعارج:۳۴) ''اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرنے والے ہیں''۔سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۶۳ر سے ۷۷ر تک پورے رکوع میں اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کے اوصاف اور ان کی بڑی نشانیوں کو بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ کچھ یہ ہے:

(۱) زمین پر آہستگی سے چلنا یعنی تواضع اور انکساری سے رہنا۔

(۲) جاہلوں کو جواب، جہالت سے نہیں، حلم، بردباری اور سلام سے دینا۔

(۳) شب بیداری کرنا یعنی رات کو عبادت الٰہی میں مصروف رہنا۔

(۴) خدا کے حضور میں دوزخ سے رہائی کی دعا مانگنا۔

(۵) اسراف سے بچنا اور میانہ روی اختیار کرنا۔

(۶) خدا کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرنا۔

(۷) کسی کو ناحق قتل نہ کرنا، زنا سے دور رہنا، غلط کام سرزد ہو جانے پر توبہ کر لینا۔

(۸) جھوٹی گواہی نہ دینا، بیہودہ مشاغل سے بچتے رہنا، خدا کی آیتوں کو سوچ سمجھ کر عقیدت مندانہ سننا۔

(۹) اپنے اور اپنی بیوی اور بچوں کے واسطے دین داری اور امانت داری کی دعا کرنا۔

یہ قرآن مجید سے ایک سرسری خاکہ پیش کیا گیا ہے، اگر اس کی قدرے تفصیل کی جائے تو صرف اس موضوع پر سینکڑوں صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔ یہ احکام وفرامین جہاں ہمیں خود احتسابی کی دعوت دیتے ہیں وہیں اس پر ہمارا ایمان بھی راسخ ہوتا ہے کہ بے شک! قرآن مجید ہمارے لیے ایک راہنما ہے، مینارۂ ہدایت ہے، اصول زندگی ہے، ضابطۂ

حیات ہے، دستور العمل ہے۔ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اگر ہمارے لیے نمونہ ہے تو قرآن مجید ہمارے لیے ایک نسخہ کیمیا ہے۔ علامہ اقبالؔ نے اسی لیے فرمایا ہے ؎

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمان جب تک قرآن اور اس کی تعلیمات سے وابستہ تھے، چہار دانگ عالم میں ان کی فتح ونصرت کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ اہل زمانہ ان کی عظمت کو سلام کرتے تھے۔ کامیابی وکامرانی ان کے قدم چومتی تھی اور تائید خداوندی ان کے شامل حال تھی۔ مگر جب مسلمانوں نے اللہ ورسول سے منھ موڑا، ان کے احکام وفرامین سے کنارہ کشی اختیار کی، صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا اور قرآن کو پسِ پشت ڈالا تو عرش سے فرش پر آ گئے، ہماری حکومت وعزت گئی، تخت وتاج گیا، معاشرہ تباہ وبرباد ہوا، قوم رسوا ہوئی، خاندان اجڑ گیا، زندگی سے چین وسکون چھن گیا۔ اللہ نے ظالم حکمرانوں کو بطور عذاب ہم پر مسلط کر دیا اور غلامی کا پٹہ ہمارے گلے میں ڈال دیا گیا۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر (م: ۱۸۶۲ء) نے اپنی زوالِ حکومت کے بعد، قید وبند کی صعوبتوں سے گذرتے ہوئے اپنے حال کا یوں مرثیہ پڑھا تھا ؎

کتنا ہے بد نصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

امت مسلمہ کے عروج وزوال کی اس تاریخ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے: اِنَّ اللہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَاماً وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ. ''اللہ اس کتاب کی وجہ سے کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے اور کچھ قوموں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے''۔

(صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۸۱۷)

ہمیں جو سزا مل رہی ہے وہ قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔حکیم الامت ،نباض قوم،شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حقیقت کا بڑے پُرشکوہ انداز میں نقشہ کھینچا ہے، کہتے ہیں۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

یعنی ’’اے امتِ مسلمہ تو جو ذلیل و رُسوا ہوئی ہے اور دنیا میں اس طرح پامال کی جا رہی ہے، یہ قرآن کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے‘‘۔یہاں جناب اقبالؔ نے ’’مہجوریٔ قرآن‘‘ کی یہ ترکیب اپنی شاعرانہ تخلیات سے نہیں بلکہ قرآن کریم کی سورۃ الفرقان سے لی ہے، جہاں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (آیت:۳۰) ’’اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فریاد کریں گے کہ اے رب! میری قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا تھا‘‘۔علمائے مفسرین اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ’’قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ضدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوند! میری قوم تیرے کلام کو نہیں سنتی، انھوں نے اس عظیم الشان کتاب کو بکواس قرار دیا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور و غوغا کرتے ہیں تاکہ کوئی شخص اسے سن اور سمجھ نہ سکے۔اس طرح ان بد بخت مشرکین نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں مخاطب گرچہ صرف کفار و مشرکین ہیں تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی صحیح

قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، اس کے حلال وحرام اور احکام وفرامین کو پس پشت ڈالنا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت داخل ہیں۔

خدارا غور کریں! محبوب خدا نے اگر کل ان کفار ومشرکین کے ساتھ ساتھ ''مہجوریٔ قرآن'' کی بنا پر اپنے رب کے حضور ہماری طرف بھی اشارہ فرمادیا تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟؟ اللہ اکبر! اس لیے اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے جسم وروح کا قبلہ درست کریں، قرآن کو حرز جاں بنائیں، اس کے احکام اپنی زندگی میں نافذ کریں اور اس سے ربط وتعلق استوار کریں۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہر ایک کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ آقا علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات وفرامین کی روشنی میں بھی خود کا جائزہ لیتا رہے کہ اس کی اپنی کیفیات اور صورت حال کیا ہے!!

ہم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ! آپ فرمائیں کہ ایک مسلمان کی صفات وعلامات کیا ہیں؟ حضور کی بارگاہ سے جو، جواب ملتا ہے اسے چشم دل سے پڑھیں، فرماتے ہیں: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ ''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔ (صحیح بخاری: ۶۴۸۴)

اس حدیث مبارکہ کا پہلا حصہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کی زبان دوسروں کو تکلیف و اذیت نہ دے۔ اس کی زبان پر کسی کی تحقیر نہ ہو، وہ زبان فحش سے پاک ہو، اس کی زبان سب وشتم سے دور ہو، گالی گلوج سے محفوظ ہو، طعن وتشنیع سے ماورا ہو۔ اس لیے کہ یہ زبان ہی لوگوں کے درمیان محبت اور یہی لوگوں کے درمیان نفرت پیدا کرتی ہے۔ یہ زبان

جوڑتی بھی ہے اور توڑتی بھی ہے۔ یہ زبان دوست بھی بناتی ہے اور دشمن بھی بناتی ہے۔ یہ زبان ہی چھری، کانٹے، چاقو اور تلوار سے بھی زیادہ گہرا زخم لگاتی ہے۔ اسی لیے کسی عربی شاعر نے زبان کی اس خاصیت کا اظہار یوں کیا ؎

جِراحاتُ السِّنانِ لَها التِئامٌ
وَلا يَلتَئِمُ ما جَرَحَ اللِّسانُ
جُرحُ السَّيفِ تَدمُلُهُ فَيَبرَأُ
وَجُرحُ الدَّهرِ ما جَرَحَ اللِّسانُ

(نیزے کے زخم بھر جاتے ہیں، مگر زبان کا دیا ہوا زخم کبھی نہیں بھرتا۔ تلوار کا زخم مندمل ہو جاتا ہے اور اچھا ہو جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم عمر بھر نہیں بھرتا۔)

آج ہماری معاشرتی زندگی، کاروباری زندگی، گھریلو زندگی، دفتری زندگی میں عدم سکون، پریشانی و اضطراب اور نا اتفاقی و بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہماری نوک دار زبان ہے جو چھری اور تلوار سے بھی زیادہ تیز ہے۔ جو ایسا کاٹتی ہے کہ کسی کو دوستی سے ہی کاٹ دیتی ہے، کسی کو رشتے ہی سے فارغ کر دیتی ہے، کسی کو دیرینہ تعلق سے محروم کر دیتی ہے، کسی کی لازوال وفاؤں کو ایک لمحے میں خاکستر کر دیتی ہے۔ یہ زبان بسانے پر آئے تو وفاؤں کے گلستان آباد کرتی ہے اور یہ زبان اجاڑنے پر آئے تو پھول کی طرح شاداب چہروں کو مرجھا اور جھلسا دیتی ہے۔ اس زبان کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ (صحیح بخاری: ۶۴۷۴) "جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان والی چیز (زبان) اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز (شرم گاہ) کی حفاظت کی ضمانت دے دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں"۔ اس زبان کے شر سے ہم نے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ کرنا ہے تب ہی ہماری مسلمانی مسلّم ہوگی۔

صرف ایک مسلمان دوسرے مسلمان ہی کا محافظ ہوتو یہ بھی ناکافی ہے، بلکہ ایک مومن و مسلم ہر ایک انسان کا محافظ ہو یہ ایک حقیقی مسلمان کی علامت اور اسلام کی تعلیم ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَالْمُؤمِنُ مَنْ اٰمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی اَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ ''مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اوران کے مال محفوظ ہوں''۔ (مسند احمد: ۲۳۹۶۸)

کردار مسلم کی دوسری علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ لوگ یعنی مسلم، غیر مسلم یعنی ساری انسانیت اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔ اس کے ہاتھ لوگوں کو شر نہ پہنچائیں، اس کے ہاتھوں سے فعل حرام سرزد نہ ہو، اس کا ہاتھ قتل و غارت میں ملوث نہ ہو، اس کا ہاتھ چوری وڈکیتی میں مصروف نہ ہو، اس کا ہاتھ کرپشن، بدعنوانی اور حرام خوری کا خوگر نہ ہو، اس کا ہاتھ دجل، فراڈ، دھوکہ دہی میں آلہ کار نہ ہو، اس کا ہاتھ ظلم وستم کرنے، وحشت و بربریت بپا کرنے میں شاغل نہ ہو، اس کا ہاتھ فتنہ وفساد، خونریزی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی میں ملوث نہ ہو۔ گویا جس کی زبان سلامتی والی ہے اور جس کے ہاتھ سلامتی والے ہیں وہی مسلمان ہے۔ وہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسندیدہ اور محبوب ہے۔

آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لاَ یَظْلِمُہُ وَلاَ یُسْلِمُہُ، وَمَنْ کَانَ فِي حَاجَةِ أَخِیهِ کَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً، فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (صحیح بخاری: ۲۴۴۲) یعنی ''ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، پس اس پر ظلم نہ کرے اور نہ ظلم ہونے دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کے عیب چھپائے گا''۔

ظلم بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، اس کی ہر صورت ظلم ہے، اور اسلام نے اس سے منع کیا ہے۔ مسلمان کا کردار سلامتی والا ہے اور ہر ظلم سے پاک ہے۔ اسی کردارِ مسلم کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندر اسلام کی یہ علامات پیدا کرے کہ وہ خود کو سراسر سلامتی والا، پرامن اور ہر ظلم سے پاک بنائے اور اس کی عملی تعبیر اپنے وجود سے ظاہر کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا طریقہ بھی خود بتا دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَنَاجَشُوا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ اِخْوَاناً ”ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو دھوکہ نہ دو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو اور تم میں سے کوئی شخص دوسرے کے سودے پر اپنا سودا نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ“۔ (صحیح مسلم:۶۵۴۱)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک اور مقام پر مسلمان کی تعریف یوں بیان فرمائی: لا يَخُونُهُ ولا يَكْذِبُهُ ولا يَخْذُلُهُ ”مسلمان دوسرے مسلمان سے نہ خیانت کرتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے“۔ (سنن ترمذی:۱۹۲۷)

آج ہمیں اپنی ذات میں اس مسلمان کو تلاش کرنا چاہیے جس کی علامات اور نشانیاں اللہ جل شانہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کی ہیں۔ یہی علامات اور صفات اگر ہمارے وجودوں میں پائی جائیں تبھی ہم حقیقی مسلمانی کے دعوے دار ہو سکتے ہیں حافظ شیرازی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

گر مسلمانی ہمیں ست کہ حافظ دارد

وائے در گر پس امروز بود فردائے

(اگر مسلمانی اسی کا نام ہے جس کا حافظ دعویدار ہے تو اس آج پر اگر کل ہوئی تو اس پر افسوس ہی کرنا پڑے گا)

مسلمان اور ''خوئے مسلمانی''

اسلام اپنے ماننے والوں کے اندر ایثار وقربانی اور صبر ورضا کے صفات دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ دنیا چوں کہ امتحان گاہ ہے اس لیے اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو ابتلا وآزمائش میں ڈال کر کھرے اور کھوٹے کی پہچان ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ۔ یعنی: کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ (صرف) ان کے (اتنا) کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟۔ (العنکبوت:۲)

اور ایک جگہ ارشاد ہوا: وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ۔ اور ہم ضرور تمہیں کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنادو۔ (البقرہ:۱۵۵)

اس لیے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے لے کر امام عالی مقام سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہ تک، ابتلا وآزمائش اور ایثار وقربانیوں کی تاریخ پڑھیے، بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔ علامہ اقبالؔ نے اسی لیے کہا ہے ؎

چوں می گوئم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

یہ بات یہودیوں کے باقیات سیئات میں سے ہے جو ہمارے یہاں در آئی ہے کہ زبانی کلامی کلمہ پڑھ لینے کے بعد وہ ایسے ''معصیت پروف'' مومن بن جاتے ہیں کہ

اب جو چاہیں کریں اور جتنا چاہیں کافرانہ طرزِ حیات اختیار کریں، ان کے ایمان میں کوئی قابلِ ذکر فرق نہیں پڑتا۔ حالاں کہ کلمہ پڑھنے اور اس کا اقرار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم رب کی نافرمانی نہیں کریں گے، لیکن یہودی ذہنیت نے اس کے معنی بالکل الٹے کر ڈالے ہیں، ان کے طرزِ عمل کے اعتبار سے کلمہ پڑھنے کے معنی یہ بن گئے ہیں کہ اب ہم الٹا سیدھا جو کچھ کریں سب ہضم ہوتا رہے گا۔ گویا کہ اب کلمہ گناہوں سے بچنے کے لئے ڈھال بننے کے بجائے گناہوں کو جذب اور ہضم کرنے کے لیے ایک چورن بنالیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی ہزارہا حماقتوں اور سیاہ کاریوں کے باوجود ان کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ۔ یعنی ”یہود اور نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں“۔ (المائدہ:۱۸)

افسوس! آج یہی یہودی و نصرانی فکر مسلمانوں میں داخل ہو چکی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان قرآن، حدیث اور اسلامی سیر و تاریخ کا مطالعہ کریں تا کہ انھیں معلوم ہو کہ ؎

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مکی زندگی خود کس قدر آزمائش و درد سے پُر، اذیت و تکلیف سے بھری اور استقامت و صبر کا نمونہ تھی، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو گذشتہ امتوں پر آنے والی ابتلاو مصائب کا ذکر فرما کر انھیں صبر و رضا کی بار بار تلقین فرمائی۔

بخاری شریف میں ہے: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ہم نے آپ سے عرض کیا: آپ ہمارے لیے مدد طلب کیوں نہیں فرماتے؟، آپ ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں سے ایک شخص کو زمین

میں دبا دیا جاتا پھر اس کے جسم پر آری رکھ کر اس کے جسم کو دو حصوں میں کاٹ دیا جاتا اور یہ ظلم اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا، اور اس کے جسم میں لوہے کی کنگھی چلا کر اس کے گوشت، اس کی رگوں اور اس کے پٹھوں کو چھیل دیا جاتا اور یہ ظلم بھی اسے اس کے دین سے منحرف نہیں کرتا تھا۔ اللہ اپنے اس دین کو مکمل فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوگا البتہ اس کو اپنی بکریوں کے متعلق بھیڑیے کا ڈر ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔ (صحیح البخاری: ۳۶۱۲)

آزمائش کے تعلق سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا: انبیا پر، پھر جو ان کے قریب ہوں، پھر جو ان کے قریب ہوں، سو ہر شخص اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، جو شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے اس پر سخت مصیبت آتی ہے اور جو شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے اس پر اپنے دین کے اعتبار سے مصیبت آتی ہے۔ بندہ مسلسل مصائب میں مبتلا ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخار میں تپ رہے تھے، آپ کے جسم اقدس پر ایک لحاف تھا، میں نے اپنا ہاتھ اُس لحاف پر رکھا تو میں نے بخار کی حدت و تپش سے لحاف کو گرم پایا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو تو بہت شدید بخار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم گروہِ انبیا کا یہی حال ہوتا ہے، ہم لوگوں پر مصیبت بھی دگنی آتی ہے اور ہمیں اجر بھی دگنا ملتا ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سب سے سخت آزمائش کن لوگوں کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیائے کرام کی، میں نے عرض کیا: پھر اس کے

بعد؟ فرمایا: نیک وصالح لوگوں کی، اُن میں سے بعض کو ایسے فقر میں مبتلا کر دیا جاتا ہے کہ اُن کے پاس ایک چوغہ کے علاوہ، جسے وہ اپنے جسم پر لپیٹتے ہیں، کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اُن میں بعض تو آزمائش پر اس طرح خوش ہوتے ہیں کہ جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص مال ودولت کے ملنے پر خوش ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۴)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جب اہلِ ابتلا کو ثواب دیا جارہا ہوگا تو اہلِ عافیت یہ تمنا کریں گے کہ ''لَوْ أَنَّ جُلُودَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيضِ'' کاش دنیا میں اُن کی کھالوں کو قینچیوں سے کاٹا جاتا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۰۲)

اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس دین اسلام کی خاطر ہر طرح کی آزمائش اور قربانیوں کے مرحلے سے گذرے مگر ایک لمحے کے لیے ان کے پائے استقلال میں لرزش نہیں آئی۔ ایمان ویقین میں پختگی پیدا کرنے کے لیے چند واقعات کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ، امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو دے دیتا تھا اور وہ انہیں مکے کے پہاڑوں میں گھماتے پھرتے تھے یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑ جاتا تھا۔ خود امیہ بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے سے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بھوکا پیاسا بیٹھائے رکھتا تھا، اور اس سے کہیں بڑھ کر یہ ظلم کرتا تھا کہ جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ پھر کہتا خدا کی قسم! تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مر جائے، یا محمد کے ساتھ کفر کرے۔ حضرت بلال اس حالت میں بھی فرماتے: احد احد، ایک الٰہ ہے، ایک الٰہ ہے۔ (میں لات ومنات اور عزیٰ وہبل کو نہیں مانتا، میں صرف ایک رب کو مانتا

ہوں جو عرش عظیم کا رب ہے)۔(الرحیق المختوم ص:۱۵۷)

(۲) حضرت سمیّہ بنت خبّاط رضی اللہ عنہا اور آپ کے شوہر حضرت یاسر رضی اللہ عنہ چونکہ ان سات لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا تو کفّارِ مکہ نے آپ اور آپ کے گھرانے پر ظلم وستم کی حد کردی۔ مثلاً وہ ان سب کو لوہے کی زِرہ پہنا کر تپتی ریت پر دھوپ میں کھڑا کر دیتے، لیکن ایسی صورتِ حال میں بھی آپ نے صبر واستقلال سے کام لیا، ناشکری کا کوئی بھی کلمہ ادا نہ کیا، ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس طرف سے گزر رہے تھے تو انھیں تپتے صحرا میں ایذائیں پاتا دیکھ کر ارشاد فرمایا: صَبْرًا اٰلَ یَاسِرٍ مَوْعِدُ کُمُ الْجَنَّۃ، یعنی اے آل یاسر! صبر کا دامن تھامے رہنا، تمہارے لیے جنّت کا وعدہ ہے۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جن کا خون راہ خدا میں سب سے پہلے بہایا گیا، بدبخت ابو جہل نے آپ کو بڑی بے دردی کے ساتھ آپ کے ناف کے نیچے ایسا نیزہ مارا کہ شہید ہوگئیں۔ آپ کے بیٹے حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہما سخت صدمے کی حالت میں آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مشرکین نے ظلم کی انتہا کردی ہے۔ حضور علیہ السلام نے انہیں صبر کی تلقین کی اور ان کے لیے ان الفاظ میں دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ لَا تُعَذِّبْ اَحَدًا مِنْ اٰلِ یَاسِرٍ بِالنَّارِ، یعنی: اے اللہ! آلِ یاسر کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔ جب جنگ بدر میں ابو جہل مارا گیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بلا کر مبارک باد دی اور ارشاد فرمایا: قَدْ قَتَلَ اللّٰہُ قَاتِلَ اُمِّكَ، یعنی: اللہ پاک نے تیری والدہ کے قاتل سے بدلہ لے لیا۔(طبقات ابن سعد،۸/۲۰۸)

ذرا غور کیجیے کہ جاہ وجلال والے عظیم سردارانِ قریش کے سامنے ایک بوڑھی اور نادار غلامانہ زندگی بسر کرنے والی خاتون حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا کیسے خم ٹھونک کر کھڑی

رہیں اور رؤسائے قریش کے ظلم و جبر کے سامنے ان کے قدم ذرا بھی نہ ڈگمگائے، بلکہ راہِ خُدا میں جان کا نذرانہ تک پیش کر دیا۔

(۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالی عنہ پر سختی کا سلسلہ جاری رہا، انہیں کبھی دھوپ میں تپایا جاتا تو کبھی ان کے سینے پر سرخ پتھر رکھ دیا جاتا اور کبھی پانی میں ڈبو یا جاتا۔ ان سے مشرکین کہتے تھے کہ جب تک تم محمد کو گالی نہ دو گے یا لات وعزیٰ کے بارے میں کلمہ نہ کہو گے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالی عنہ نے مجبوراً ان کی بات مان لی۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس روتے اور معذرت کرتے ہوئے حاضر ہوئے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل: ۱۰۶) ”جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا، (اس پر اللہ کا غضب اور عذاب عظیم ہے) لیکن جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اس پر کوئی گرفت نہیں)۔

پھر حضور علیہ السلام نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی اپنی زبان اقدس سے یہ سند عطا فرمائی کہ: لَقَدْ مُلِئَ عَمَّارٌ إِيمَانًا إِلَى مُشَاشِهِ (ابن ماجہ: ۱۴۶) یعنی: (عمار مشاشہ [ہڈی کا وہ نرم حصہ جسے چبایا جا سکتا ہے] تک ایمان سے بھرا ہوا ہے)

(۴) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ عربی النسل ہیں۔ دورِ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں بیچ دیے گئے تھے۔ نسباً تمیمی اور بنوخزاعہ کے غلام تھے۔ اسلام لانے والوں میں یہ چھٹے خوش نصیب انسان ہیں، اس لیے انھیں ”سادس الاسلام“ بھی کہا جاتا ہے۔ اس دور میں اسلام کا اظہار مکہ کے نظام میں ایسا سخت جرم تھا، جس کی سزا میں مال و دولت، ننگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی اور علی الاعلان اسلام کا اظہار کرنے والے چند افراد میں شامل ہوئے۔ آپ غلام تھے، جن کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لیے کفار نے آپ کو مشقِ

ستم بنالیا اور ان کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے۔ ننگی پیٹھ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور وہ اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے، جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی، لیکن اس سختی کے باوجود آپ کی زبان کلمۂ حق سے نہ پھرتی۔

رحمت عالم ﷺ اس کسمپرسی کی حالت میں حضرت خباب کی تالیفِ قلب فرماتے اور ہمت دلاتے، لیکن ان کا آقا اتنا سنگ دل تھا کہ وہ ان کے لیے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کرسکا اور اس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر اس سے ان کا سر داغ دیا۔ بالآخر حضرت خباب نے آپ سے کہا کہ: ’’میرے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائیں کہ وہ مجھے اس عذاب سے نجات دے‘‘۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے دعا فرمائی کہ: ’’خدایا! خباب کی مدد فرما‘‘۔ ان سب مشکلات کے باوجود حضرت خباب رضی اللہ عنہ دین حق پر ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے۔ (سیر الصحابہ، جلد دوم، ص: ۴۸۱)

(۵) حضرت زنیرہ رضی اللہ تعالی عنہا ایک بوڑھی خاتون ہیں، جو مکہ والوں کے گھروں میں برتن صاف کر کے گزارا کرتی تھیں، سرداران مکہ کو پتہ چلا یہ عورت مسلمان ہوگئی ہے، مکے کے اوباشوں کو بھیجا کہ اسے پکڑ کر لاؤ۔ لایا گیا، پوچھا: اے زنیرہ! تو نے بھی محمد (ﷺ) کا کلمہ پڑھ لیا ہے؟ ۔ کہا ہاں! میں نے بھی کلمہ پڑھ لیا ہے۔ پس ظالموں نے ان کی اتنی پٹائی کی کہ وہ بے ہوش ہوگئیں، پانی پلا کے ہوش میں لاتے پھر مارتے، آخر لوہے کی سلاخیں اس بڑھیا کی آنکھوں میں انتہائی گرم کر کے پھیری گئیں، آنکھیں پگھل گئیں۔ ابوجہل نے بولا: تو کہتی تھی ’’لات ومنات‘‘ کچھ نہیں کرسکتے، ہمارے لات ومنات نے تجھے اندھا کر دیا ہے۔ بوڑھی زنیرہ کے ایمان کے کیا کہنے، تڑپ کے اٹھ بیٹھی، اپنی بے نور نگاہوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور تڑپ کر کہا: اَلَا لَا تَضُرُّ اللَّاتُ

وَالْعُزّٰی، خبردار لات وعزیٰ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مَا اَذْهَبَ بَصَرِی إِلَّا اللّٰہ ''میری بینائی تو اللہ کے حکم سے گئی ہے''۔ (طبقات ابن سعد: ۸/ ۲۰۲۳)

اور جب انھوں نے یہ کلمات کہے ہیں اللہ نے ان کی آنکھیں ٹھیک کردیں۔ سبحان اللہ! ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان صحابہ وصحابیات کا ایمان کس قدر مضبوط تھا اور وہ کیسے پختہ مسلمان تھے۔

(۶) حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں اور قبیلۂ اوس سے ان کا تعلق ہے۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ ایک موقعے پر مشرکین مکہ نے انھیں گرفتار کرلیا، پہلے سخت قیدوبند میں رکھا اور پھر انھیں قتل کر کے جنگ بدر کی ہار کا بدلہ اور مسلمانوں کو سخت اذیت بھرا پیغام دینے کی نیت سے انھیں لے کر سوئے مقتل چلے۔ مولانا معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

حضرت خبیب کے قتل میں مشرکین نے بڑا اہتمام کیا، حرم سے باہر تنعیم میں ایک درخت پر سولی لٹکایا گیا، آدمی جمع کیے گئے، مرد، عورت، بوڑھے، امیر وغریب، وضیع وشریف، غرض ساری خلقت تماشائی تھی۔ جب حضرت خبیب کے گھر لوگ ان کو لینے کے لیے آئے تو فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ، دو رکعت نماز پڑھ لوں، زیادہ پڑھوں گا تو کہو گے موت سے گھبرا کر بہانہ ڈھونڈھ رہا ہے۔ نماز سے فارغ ہوکر مقتل کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں یہ دعا زبان پر تھی: اَللّٰهُمَّ احْصِهِمْ عَدَدًاوَّاقْتُلْهُمْ بَدَدًا وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ اَحَدًا، یعنی: اے میرے پروردگار! تو ان کو شمار کر، اور ان کو ایک ایک کر کے قتل کر، اور ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ پھر یہ شعر پڑھتے ہوئے سولی کے نیچے پہنچے:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلَى أَيِّ شِقٍّ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي

(اگر میں مسلمان رہ کر مارا جاؤں تو مجھے غم نہیں، کہ کس پہلو پر خدا کی راہ میں پچھاڑا جاتا ہوں)

وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ
يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

(جو کچھ ہو رہا ہے خدا کی محبت میں ہو رہا ہے، اگر وہ چاہے تو ان کٹے ہوئے ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا)

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جو دعا کی تھی، اس کا اثر ایک سال کے اندر ظاہر ہو گیا۔ جو لوگ ان کے قتل میں شریک تھے، نہایت بے کسی کی حالت میں مارے گئے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں امان نہ داد کہ شب را سحر کند

(سیر الصحابہ، حصہ اول، ص: ۳۰۸)

تاریخ طبری، سیرت ابن ہشام جلد دوم اور رحمۃ للعالمین جلد اول میں یہ بھی ہے کہ "سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی کے تختہ پر چڑھایا گیا، تو ایک سخت دل نے سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کے جگر کو چھیدا، اور پوچھا کہو اب تو تم بھی پسند کرتے ہو گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھنس جائے اور میں چھوٹ جاؤں، سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے جواب دیا، کہ خدا خوب جانتا ہے، کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا، کہ میری جان کے بدلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے"۔ پھر ان سے کہا گیا، کہ تم اسلام چھوڑ دو، تمہیں آزاد کر دیا جائے گا، سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ خدا کی قسم! اگر تمام دنیا کی سلطنت بھی میرے سامنے پیش کر دو، تب بھی اسلام نہیں چھوڑ سکتا، مشرکین نیزوں سے چھیدتے جاتے، اور اس قسم کے سوال و جواب کرتے جاتے، آخر عقبہ بن حارث اور مغیرہ عبدری نے گلے میں پھندا ڈالا، اور ہمیشہ کے لیے ان کو راحت کی نیند سلا دیا۔

یہ کیسا عجیب منظر تھا، اسلام کے ایک غریب الوطن فرزند پر کیسے ظلم و ستم ہو رہے

تھے، بطحائے کفر کا خونی و قاتل، توحید کے فرزند کو کس طرح ذبح کر رہا تھا، یہ سب کچھ تھا، لیکن مجسمہ اسلام اب بھی پیکر صبر و رضا بنا ہوا تھا، اور بغیر کسی اضطراب کے نہایت سکون کے ساتھ جان دے دی۔ قتل کرتے وقت مشرکین نے انہیں قبلہ رخ نہیں رکھا تھا، لیکن جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا وہ کسی دوسری طرف کیوں کر پھر سکتا تھا، مشرکین نے بار بار پھیرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ''جب حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سولی پر چڑھائے گئے تو انہوں نے بڑی حسرت کے ساتھ کہا کہ یا اللہ! میں یہاں کسی کو نہیں پاتا جس کے ذریعے میں آخری سلام تیرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا سکوں لہٰذا تو میرا سلام حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچا دے''۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیان ہے کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے اندر اپنے اصحاب کی مجلس میں رونق افروز تھے کہ بالکل ہی ناگہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے وعلیکم السلام فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس کے سلام کا جواب دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا دینی بھائی خبیب ابھی ابھی مکہ مکرمہ میں سولی پر چڑھا دیا گیا ہے اور اس نے سولی پر چڑھ کر میرے پاس اپنا سلام بھیجا ہے اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا ہے۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، جلد دوم، ص:۸۶۹)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا کہ مقام تنعیم میں حضرت خبیب کی لاش سولی پر لٹکی ہوئی ہے جو مسلمان ان کی لاش کو سولی سے اتار کر لائے گا میں اس کیلئے جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔ یہ خوشخبری سن کر حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہما تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر راتوں کو سفر کرتے اور دن میں چھپتے ہوئے مقام تنعیم میں گئے۔ چالیس کفار سولی کے پہرہ دار بن

کر سو رہے تھے ان دونوں حضرات نے لاش کو سولی سے اتارا، چالیس دن گزر جانے کے باوجود لاش بالکل تازہ تھی اور زخموں سے تازہ خون ٹپک رہا تھا۔ گھوڑے پر لاش کو رکھ کر مدینہ منورہ کا رخ کیا مگر ستر کافروں نے ان لوگوں کا پیچھا کیا جب ان دونوں حضرات نے دیکھا کہ اب ہم گرفتار ہو جائیں گے تو ان دونوں نے مقدس لاش کو زمین پر رکھ دیا۔ خدا کی شان دیکھئے کہ ایک دم زمین پھٹ گئی اور مقدس لاش کو زمین نگل گئی اور پھر زمین اسی طرح برابر ہو گئی کہ پھٹنے کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ''بلیغ الارض'' (یعنی جن کو زمین نگل گئی) ہے۔ پھر ان دونوں حضرات نے فرمایا: اے کفار مکہ ہم دو شیر ہیں جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھ لو ورنہ اپنا راستہ لو جب کفار مکہ نے دیکھ لیا کہ ان دونوں حضرات کے پاس لاش نہیں ہے تو وہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔ (مدارج النبوۃ، جلد: دوم، ص: ۱۴۱)

حضرت سعد بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمال میں سے تھے، ان کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی یک بارگی بے ہوش ہو جایا کرتے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے وجہ پوچھی، تو بولے مجھے نہ کوئی مرض ہے نہ کچھ شکایت ہے، جب سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھایا گیا، تو میں اس مجمع میں موجود تھا مجھے جس وقت خبیب رضی اللہ عنہ کی باتیں یاد آ جاتی ہیں، میں کانپ کر بیہوش ہو جاتا ہوں، مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ (رحمۃ للعالمین، جلد دوم، ص: ۱۴۱)

(۷) حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح بنو خزرج کے ایک نوجوان مالک بن نضر کے ساتھ ہوا جن سے حضرت انس رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ابھی مدینہ منورہ میں اسلام کی کرنیں پوری طرح منوّر بھی نہ ہوئی تھیں کہ اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے مشرف بہ اسلام ہو کر انصار کی پہلی مسلم خاتون کا اعزاز حاصل کر لیا۔ اُن کی شدید خواہش تھی کہ شوہر مالک بن نضر بھی

اسلام قبول کرلیں مگر وہ بار بار کے اصرار کے باوجود اپنا آبائی دین چھوڑنے کو تیار نہ ہوئے۔

ادھر حضرت انس نے بولنا شروع کیا تو اُمّ سلیم نے اُنہیں کلمۂ طیبہ سکھا دیا۔ معصوم انس کا اپنی توتلی زبان میں کلمۂ طیّبہ کا ورد باپ کو پسند نہ آیا۔ میاں بیوی میں اختلاف تو پہلے ہی تھا لیکن اب بیٹے کی اسلامی تربیت نے اختلاف کی خلیج مزید گہری کردی، لیکن آپ نے شوہر سے علاحدگی اختیار کرنا قبول کیا مگر دین کے حوالے سے ہر سمجھوتے کو ٹھکرا دیا۔

ادھر آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب مدینہ میں جلوہ گری ہوئی تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، حضور علیہ السلام کے پاس اپنے بیٹے انس کو لے کر پہنچیں اور کہا: یارسول اللہ ! میں ایک غریب اور بے سہارا عورت ہوں، میرے پاس کچھ نہیں کہ میں آپ کی خدمت میں پیش کرسکوں مگر میرا یہ لخت جگر انس ہے، جسے میں آپ کی خدمت میں غلام کی حیثیت سے پیش کرتی ہوں قبول کرلیا جائے۔ حضرت انس کی اس غلامی پر دنیا بھر کی تخت شاہی قربان۔ اسلامی تاریخ میں وہ ''خادم النبی'' کے لقب سے مشہور ہوئے، عظیم محدث صحابہ میں آپ کا شمار ہوا، دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) روایات آپ سے مروی ہیں، حضور علیہ السلام نے انھیں اپنی خاص عطا اور دعا سے نوازا۔ یہ سب ان کی عظیم ماں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی قربانیوں کا صلہ تھا۔

اللہ جل شانہ نے حضرت اُمّ سلیم کو صُورت و سیرت کے ساتھ بہت ساری صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ صبر و استقلال کے ساتھ مضبوط عزائم اور قوّتِ ارادی کی مالکہ تھیں۔ مدینے کے کئی معزّزین اُن سے نکاح کے خواہاں تھے لیکن اُن کا کہنا تھا کہ جب تک انس بچپن کے حدود پار کر کے فہم و شعور کی منازل طے نہیں کر لیتے مَیں نکاح نہیں کروں گی۔ چنانچہ جب انس سنِ شعور کو پہنچے تو اُن کے اپنے قبیلے بنو خزرج کے ایک نام ور شخص ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام بھیجا، اُمّ سلیم اُن کی نیک نامی سے تو واقف تھیں لیکن وہ بُت پرست تھے۔

ابوطلحہ کے بار بار اصرار پر ایک دن اُنھیں بُلا بھیجا جب وہ آ گئے تو بولیں ابوطلحہ! تم اچھی طرح واقف ہو کہ مَیں ایک اللہ کی عبادت کرتی ہوں جب کہ تم پتھر اور لکڑی کے بے جان بُتوں کو پوجتے ہو۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے ابوطلحہ سے کہا تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اُگی ہوئی لکڑی کا ہے جسے انسان نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں ایسا ہی ہے حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا بولیں پھر اِس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی تم بے جان پتھروں اور درختوں کی پوجا کرتے ہو جو بڑی شرم کی بات ہے۔ اِس گفتگو نے ابوطلحہ کے دل و دماغ میں ہلچل مچا دی اور شعور کے کسی گوشے میں دَبی حق وصداقت کی کرنوں نے باطن منوّر کر دیا۔ چند دن کے غور وخوض کے بعد ایک صبح اُنھوں نے اپنے گھر میں بنے بُت خانے کو توڑا اور مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ جب اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا کو اِس کی اطلاع ملی تو اُنہوں نے نہ صرف اُن سے نکاح کر لیا بلکہ اِس خوشی میں حق مَہر معاف کرتے ہوئے فرمایا ابوطلحہ کا قبولِ اسلام ہی میرا مَہر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تربیت نے اُن میں صبر وتحمل، قوت برداشت اور شجاعت و دلیری جیسی اعلیٰ صفات پیدا کر دی تھیں۔ حضور علیہ السلام سے انھیں بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، حضرت انس خود بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے میری والدہ چمڑے کا گدا بچھایا کرتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس گدے پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سو جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقدس پسینہ اور موے مبارک اکٹھا کرتیں اور اُنہیں ایک شیشی میں ڈال لیتیں اور پھر اُسے خوشبو میں ملا لیا کرتیں۔ (صحیح بخاری: ۵۹۲۵)

مستند روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا موئے مبارک کا پانی خیر وبرکت اور مریضوں کی شفا کے لیے تقسیم کیا کرتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پسینے کی خوشبو وہ مدینہ کی دلہن بننے والی عورتوں کو لگایا کرتی تھیں۔ حضور علیہ السلام بھی ام سلیم رضی

اللہ عنہا اور انصار کی چند خواتین کو غزوات میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے آپ زخمیوں کو پانی پلاتیں اور مرہم پٹی کرتیں۔ غزوہ حنین کے موقعے پر آپ اُمید سے تھیں جب مکّے کے لوگ میدانِ جنگ سے فرار ہونے لگے تو وہ ایک تیز دھار خنجر لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریب آگئیں۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا اِس خنجر کا کیا کروگی؟ تو بڑے جوش سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر کوئی کافر آپ کے قریب آیا تو اُس کا پیٹ چاک کر دوں گی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ جواب سُن کر تبسّم فرمایا۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۴، ص: ۲۰۴۔ اسد الغابۃ، ج:۱، ص: ۱۷۹)

تاریخ وسیر میں ان صحابہ وصحابیات کے ایسے ہزاروں واقعات بھرے ہوئے ہیں۔ گرچہ درجے، مراتب اور شہرت کے اعتبار سے یہ صف اول میں شامل نہیں، مگر عشق ومحبت، اطاعت وفرماں برداری اور ابتلا وآزمائش میں اللہ ورسول کے احکام وفرامین کے عملی تفسیر ہیں۔ اس سے صف اول والوں کے مقام ومرتبہ کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ان عظیم ہستیوں نے مالی قربانی، جسمانی قربانی، روحانی قربانی، جانی قربانی، خواہشات کی قربانی، غرضیکہ قربانیوں کی جتنی قسمیں ہوسکتی تھیں، انھوں نے ساری قربانیاں پیش کیں اور اُف نہ کیا۔ یہ وہ مسلمان تھے جو قیامت تک کے مسلمانوں کو ''خوئے مسلمانی'' سکھا گئے۔ غلامان مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان ہی تابناک پہلوؤں کو دیکھ کر جناب اقبالؔ اپنے رب کے حضور اس فریاد پر مجبور ہوئے۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرۂ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

عقیدۂ توحید انسان کو بلا کا جری، غضب کا حق گو اور انتہائی نڈر و بے باک بنا دیتا ہے۔ کیوں کہ ''لا الہ الا اللہ'' سے یہ عقیدہ مومن کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے کہ تمام طاقت وقوت رب قدیر ہی کے دست قدرت میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور اگر وہ نہ چاہے تو کسی کی چاہت کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ یہی وجہ تھی کہ اہل بیت وصحابہ کی مقدس جماعت اور ان کے نقوش قدم پر چلنے والوں کو کسی ظالم وجابر کا دبدبہ، شاہانِ وقت کی تمکنت، حاکمانِ زمانہ کی ہیبت اور طاغوتی طاقتوں کا خوف کلمۂ حق کہنے سے باز نہ رکھ سکا۔ انھوں نے ہر ڈر اور خوف کو دل سے نکال کر اسلام دشمنوں کے سامنے سجدہ ریزی سے انکار کر دیا۔ جناب اقبالؔ نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آپ مکہ کی وادی سے لے کر کربلا کی سرزمین تک دین حق کی سربلندی اور اسلام کی حفاظت وصیانت کے لیے دی جانے والی قربانیوں کا منظر دیکھیں اور ان حق پرستوں کی عظمت کو سلام کریں کہ جنھوں نے جان دینا تو گوارا کیا لیکن اظہارِ حق سے ایک لمحہ کے لیے بھی دست برداری اختیار نہیں کی۔ ان کی زبان دل کی رفیق رہی اور منافقت کو انھوں نے پاس پھٹکنے نہ دیا۔

اس عظیم اور مقدس جماعت کی زندگی کا محور توحید الٰہی تھا، ان کا قبلہ وکعبہ صرف نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی، اسلامی تعلیمات کی اشاعت ان کی زندگی کا مقصد تھا،

کردار ان کا اعلیٰ اور اخلاص ان کا جامہ تھا، اعلائے کلمۃ اللہ ان کا عمل تھا اور حق گوئی و بے باکی ان کی زندگی کا وطیرہ تھا۔ وہ ڈرتے تھے تو صرف خدائے وحدہ لاشریک سے، یہی وجہ تھی کہ کسی کے سامنے وہ کلمہ حق پیش کرنے سے نہ گھبرائے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

جعفر ابن ابی طالب شاہِ حبشہ کے دربار میں

حضرت سیّدنا جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی، حضور کے محبوب و دل دار، مولا علی شیر خدا کے سگے بھائی اور عمر میں ان سے دس سال بڑے ہیں۔ حضور ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشغول عبادت تھے، خاندان ہاشم کے سردار ابوطالب نے اپنے دو عزیزوں کو بارگاہ صمدیت میں سربسجود دیکھا تو دل پر خاص اثر ہوا، اپنے صاحبزادہ حضرت جعفر کی طرف دیکھ کر کہا، جعفر! تم بھی اپنے ابن عم یعنی چچا زاد بھائی کے پہلو میں کھڑے ہو جاؤ، حضرت جعفر نے بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز ادا کی، ان کو خدائے لایزال کی عبادت و پرستش میں ایسا مزہ ملا کہ وہ بہت جلد آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل ہو گئے، اس وقت تک ۳۱؍ یا ۳۲؍ آدمی اس سعادت سے مشرف ہوئے تھے۔

کفارِ مکہ کی جانب سے پہنچنے والی تکالیف اور مسلسل ظلم و تشدد کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِعلانِ نبوت کے پانچویں سال، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِجازت لے کر ۸۰؍ مردوں کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ لیکن قریش نے یہاں بھی چین لینے نہ دیا۔ نجاشی کے دربار میں مکہ سے گراں قدر تحائف کے ساتھ ایک وفد آیا اور اس نے درباری پادریوں کو تائید پر آمادہ کر کے نجاشی سے درخواست کی کہ "ہماری قوم کے چند ناسمجھ نوجوان

اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہوکر حضور کے دائرۂ حکومت میں چلے آئے ہیں، انھوں نے ایک ایسا نرالا مذہب ایجاد کیا ہے جس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا، ہم کو ان کے بزرگوں اور رشتہ داروں نے بھیجا ہے کہ حضور ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں، درباریوں نے بھی بلند آہنگی کے ساتھ اس مطالبہ کی تائید کی‘‘۔ نجاشی نے مسلمانوں سے بلا کر پوچھا کہ وہ کون سا نیا مذہب ہے جس کے لیے تم لوگوں نے اپنا خاندانی مذہب چھوڑ دیا؟ مسلمانوں نے نجاشی سے گفتگو کے لیے اپنی طرف سے حضرت جعفر طیار کو منتخب کیا، اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں جو تقریر کی ہے وہ ادب کا عظیم شاہکار، توحید و رسالت کا حسین پیغام اور اسلام کا نہایت خوب صورت تعارف ہے۔ فرماتے ہیں:

بادشاہ سلامت! ہماری قوم نہایت جاہل تھی، ہم بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو ستاتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھا جاتا تھا، غرض! ہم اسی بدبختی میں تھے کہ خدا نے ہماری ہی قوم میں سے ایک شخص کو ہمارے پاس رسول بنا کر بھیجا، ہم اس کی شرافت، راستی، دیانت داری اور پاکبازی سے اچھی طرح آگاہ تھے، اس نے ہم کو شرک و بت پرستی سے روک کر توحید کی دعوت دی، راست بازی، امانت داری، ہمسایہ اور رشتہ داروں سے محبت کا سبق سکھایا اور ہم سے کہا کہ ہم جھوٹ نہ بولیں، بے وجہ دنیا میں خونریزی نہ کریں، بدکاری اور فریب سے باز آئیں، یتیم کا مال نہ کھائیں، شریف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، بت پرستی چھوڑ دیں، ایک خدا پر ایمان لائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے اور اس کی تعلیم پر چلے ہم نے بتوں کو پوجنا چھوڑا، صرف ایک خدا کی پرستش کی، اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی، اس نے طرح طرح سے ظلم و تشدد کرکے ہم کو پھر بت پرستی اور جاہلیت کے برے کاموں میں مبتلا کرنا چاہا، یہاں تک کہ ہم

لوگ ان کے ظلم وستم سے تنگ آ کر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔

خود کو مسلمان کہنے والے اور اسلام کے دعوے داروں کو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔کیا دور جاہلیت میں جو باتیں روا تھیں اور جسے چھوڑ کر اس دور کے لوگوں نے اسلام قبول کیا، آج وہ ساری خرابیاں ہمارے معاشرے، سوسائٹی اور خود کی ذات میں موجود نہیں ہے؟ کسی نے سچ کہا ہے۔

ڈرو خدا سے ہوش کرو، کچھ مکروریا سے کام نہ لو

یا اسلام پہ چلنا سیکھو یا اسلام کا نام نہ لو

بہر حال! حضرت جعفر کی تقریر پر بادشاہ نجاشی نے کہا: تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہے، اس کو کہیں سے پڑھ کر سناؤ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی چند آیتیں تلاوت کیں تو نجاشی پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی، آنکھوں سے آنسو گرنے لگے، اہل دربار وجد میں آگئے۔تھوڑی دیر کے بعد جب اس کی حالت بہتر ہوئی تو اس نے کہا خدا کی قسم! یہ کلام اور توارت ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں اور قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر بولا واللہ! میں انھیں کبھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

سفرائے قریش جب ناکام ہو گئے تو پھر ایک نئے حربے کے ساتھ دوبارہ، دربار میں پہنچے اور عرض کیا: حضور! آپ کچھ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے متعلق ان لوگوں کا کیا خیال ہے؟ نجاشی نے جواب دینے کے لیے مسلمانوں کو بلایا، مسلمانوں کو سخت تردد اور پریشانی دامن گیر ہوئی کہ اب کیا جواب دیا جائے کیونکہ یہ تو بڑا حساس معاملہ ہے اور عیسائیوں کے عقیدہ سے وابستہ ہے۔مگر حضرت جعفر ابن ابی طالب نے نہایت مومنانہ شان کے ساتھ کہا: کچھ بھی ہو، خدا اور رسول نے ہمیں جو کچھ بتایا ہے، ہم اس سے ایک ذرہ برابر انحراف نہیں کریں گے۔غرض مسلمانوں کی جماعت دربار میں پہنچی تو

نجاشی نے پوچھا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے تم کیا عقیدہ رکھتے ہو؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور روح اللہ ہیں۔ نجاشی نے یہ سن کر زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور بھرے دربار میں کہا کہ "واللہ جو کچھ تم نے کہا ہے، عیسیٰ بن مریم اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں، یہ سن کر دربار کے پادری جو ابن اللہ کا عقیدہ رکھتے تھے، نہایت برہم ہوئے، نتھنوں سے خرخراہٹ کی آوازیں آنے لگیں، لیکن نجاشی نے کچھ پروانہ کی اور قریش کی سفارت ناکام واپس آئی۔ (مسند احمد: ۱/۲۰۱ تا ۲۰۳)

بعض روایتوں کے مطابق نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ہی ہاتھ پر اسلام بھی قبول کیا تھا۔

حبیب بن زید کی ایمانی غیرت اور مسیلمہ کذاب کی بے بسی

نبوت کا پہلا جھوٹا دعویدار مسیلمہ بن حبیب جو "مسیلمہ کذاب" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا کہ میرے ساتھ ایک معاہدہ کرلیں، جب تک آپ حیات ظاہری میں ہیں، آپ نبی ہیں، جب" آپ کا وصال ہوجائے تو میں نبی"۔ یا یہ معاہدہ کرلیں کہ" آدھے عرب کے آپ نبی، آدھے عرب کا میں نبی"، معاذ اللہ!۔ اس کے خط پر سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں لکھا: "میں تو اللہ کا رسول ہوں جب کہ تو کذاب ہے"یعنی جھوٹا ہے۔

پھر اپنے صحابہ سے مخاطب ہوکر حضور نے فرمایا: اس کذاب کے پاس اس خط کو کون لے کر جائے گا؟۔ اس سخت خط کو لے کر اس کے پاس جانا ایک خطرناک کام تھا، آگے پیچھے اس کے حواری تھے، جان کا خطرہ بھی ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا سر پر ٹوکرا رکھ کے مدینے کی گلیوں میں کھجوریں بیچنے والے ایک عام سے غریب صحابی کھڑے ہوگئے۔

جو گیارہ بارہ بچوں کے باپ اور جسمانی طور پر کمزور بھی تھے، جھٹ کہا: حضور کسی اور کی ڈیوٹی نہ لگائیے گا، میں جاؤں گا۔ اتفاقاً اس وقت ان کے منہ میں کھجور بھی تھا، جلد بازی کی وجہ سے ان کے منہ سے کھجور کے ٹکڑے مجلس میں بیٹھے صحابہ کے چہروں پر گرے، ایک صحابی کہنے لگے: اللہ کے بندے پہلے کھجور تو کھالے۔ بڑی جلدی ہے تجھے بولنے کی۔ مسکرا کر کہنے لگے: کھاتے کھاتے ڈیوٹی کسی اور کی لگ گئی تو کیا کروں گا، اس لیے مجھے جلدی ہے۔ (اللہ اکبر)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنا نیزہ دیا، گھوڑا دیا، دعا دی اور فرمایا: ذرا ڈٹ کے جانا اس کذاب کے پاس۔ وہ صحابی عقیدت سے نظریں جھکا کر کہنے لگے: یا رسول اللہ! آپ فکر نہ کریں۔ صحابہ کہتے ہیں: وہ پھر وہاں سے اس طرح نکلا جیسے کوئی جرنیل نکلتا ہے، اس کا انداز ہی بدل گیا، اس کے طور طریقے بدل گئے، وہ یوں نکلے جیسے کوئی بڑا دلیر آدمی جاتا ہے۔ وہ صحابی مسیلمہ کذاب کے پاس پہنچ گئے، وہاں ایک شخص جو بعد میں مسلمان ہوا وہ بتلاتا ہے: وہ صحابی جن کا نام "حبیب بن زید" تھا، جب وہاں دربار میں پہنچے تو اپنا نیزہ زور سے اس کے سامنے گاڑ دیا۔ مسیلمہ ٹھٹک کے کہتا ہے: کون ہو؟۔ آپ نے غراتے ہوئے فرمایا: تجھے چہرہ دیکھ کے پتہ نہیں چلا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہوں، ہمارے تو چہرے بتاتے ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے ہے، تجھے پتہ نہیں چلا میں کون ہوں!!۔ مسیلمہ کہنے لگا: کیسے آئے ہو؟ بے نیازی سے فرمایا: یہ تیرے خط کا جواب لے کے آیا ہوں۔ امرا اور بادشاہوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خط خود نہیں پڑھتے تھے، ساتھ ایک بندہ کھڑا ہوتا تھا وہ خط پڑھتا تھا تو مسیلمہ نے خط اس کو دیا کہ "پڑھو"۔ جب اس نے خط پڑھا تو اس میں یہ بھی لکھا تھا: "تو کذاب ہے"۔ یہ جملہ وہاں موجود سب نے سن لیا اکیلے میں ہوتا تو بات اور تھی۔ وہ آگ بگولہ ہو گیا، آنکھیں سرخ ہو گئیں، سامنے حضرت حبیب بن زید تنے کھڑے تھے، غصے سے تلوار لے کر اٹھا اور کہنے لگا: تیرے نبی نے مجھے "کذاب" کہا ہے، تیرا کیا خیال ہے؟ حبیب بن زید مسکرا کے

فرمانے لگے: خیال والی بات ہی کوئی نہیں، جسے میرا نبی کذاب کہے وہ ہوتا ہی کذاب ہے۔تو سات سمندروں کا پانی بھی بہا دے تو بھی تیرا جھوٹ نہیں دھل سکتا۔مسیلمہ غصے کی شدت سے کانپتے ہوئے کہنے لگا: تو پیچھے پلٹ کے دیکھ، سارے میرے سپاہی، میرے پہرے دار، تلواریں، نیزے، خنجر، تیر، سب تیرے پیچھے کھڑے میرے ماننے والے ہیں۔

حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میرے بارہ بچے ہیں ان میں سے کچھ ایسے ہے جو دودھ پیتے ہیں کچھ ایسے ہیں جنھوں نے ابھی چلنا نہیں سیکھا۔میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام لے کے نکلا تھا تو میں نے پلٹ کے بچے نہیں دیکھے، تو تیرے سپاہیوں کو کیسے دیکھ لوں، جو جی میں آتا ہے کر غلام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جان دینے سے نہیں ڈرتے۔مسیلمہ نے زور سے تلوار ماری بازو کٹ کے گر گیا کہنے لگا: اب بول اب تیرا کیا خیال ہے؟ آپ فرمانے لگے: تو بڑا بیوقوف ہے ہمیں آزماتا ہے، ہمیں تو بدر سے لے کر احد تک سب آزما چکے ہیں، تو ابھی بھی خیال پوچھتا ہے، میرا خیال وہی ہے جو میرے نبی نے فرمایا۔مسیلمہ نے پھر تلوار ماری دوسرا ہاتھ کٹ گیا کہنے لگا: میں تجھے قتل کر دوں گا، باز آجا!۔آپ فرمانے لگے: تو بڑا نادان ہے، ان کو ڈراتا ہے جو فجر کی نماز پڑھ کر پہلی دعا ہی شہادت کی مانگتے ہیں، جو کرنا ہے کر لے۔مسیلمہ کذاب نے تلوار گردن پر رکھی کہنے لگا: میں تیری گردن کاٹ دوں گا۔حبیب بن زید فرمانے لگے: کاٹتا کیوں نہیں؟۔راوی کہتا ہے: مسیلمہ کے ہاتھ کانپے تھے۔تلوار چلائی گردن کٹ گئی، ادھر مدینے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آئے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ کیا ہوا؟؟ فرمایا: میرا حبیب شہید ہو گیا ہے، اور رب کریم نے اس کے لیے جنت کے سارے دروازے کھول دیئے ہیں۔

(أسد الغابہ ابن الاثیر، اور دیگر کتب سیر الصحابہ میں اختصار کے ساتھ یہ واقعہ ہے)

فقیہ عراق یحییٰ بن یعمر کی جرأت ایمانی

حجاج بن یوسف ثقفی (م: ۹۵ھ) کی سخت گیری اور ظلم و جبر سے کون ناواقف ہوگا۔ گرچہ وہ حافظ قرآن بھی تھا۔ اس نے قران پاک پر اعراب بھی لگوائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی فصاحت و بلاغت اور شجاعت سے نوازا تھا۔ شراب نوشی اور بدکاری سے بچتا تھا۔ وہ جہاد کا دھنی اور فتوحات کا حریص تھا۔ اس کے دور میں مجاہدین اسلام چین تک پہنچ گئے تھے، مگر اس کی ان تمام اچھائیوں پر اس کی ایک برائی نے پردہ ڈال دیا تھا اور وہ برائی تھی ظلم و جبر، ناانصافی اور انسانیت کی خوں ریزی۔

ایک دن اسے پتہ چلا کہ عراق کا بوڑھا فقیہ یحییٰ بن یعمر (م:۱۱۹ھ) اپنی کتابوں میں حسنین کریمین علیہما السلام کو ''ابن رسول اللہ'' لکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بنوامیہ کا دور تھا جب ممبروں سے مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا جاتا ہو اور اہل بیت کے تقدس کو مجروح کرنا ان کا مشن ہو تو پھر کسی دوسرے کی کیا حیثیت! حجاج نے حکم دیا اس بوڑھے کو ذرا دربار میں پیش کرو، اسے میں سبق سکھاتا ہوں۔ تابعی بزرگ اور قرآن پر سب سے پہلے اعراب لگانے کا شرف حاصل کرنے والے عالم دین حضرت یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ کو پابند رسن حجاج کی دربار میں پیش کیا گیا۔ حجاج نے کہا یحییٰ بن یعمر بتاؤ! کیا وجہ ہے کہ تم حسنین (علیہما السلام) کو رسول کا بیٹا کہتے ہو، جب کہ قرآن کہتا ہے ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ'' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ (الاحزاب:۴۰)

حضرت یحییٰ نے کہا میں انہیں اولاد فاطمہ (سلام اللہ علیہا) ہونے کی بنیاد پر ابن رسول کہتا ہوں۔ حجاج نے کہا: یحییٰ بن یعمر! اولاد باپ سے چلتی ہے، ماں سے نہیں۔ حضرت یحییٰ نے کہا: میں اپنے قول کو قرآن سے ثابت کروں گا۔ حجاج نے کہا اگر تم نے جواب دیا تو انعام دوں گا، ورنہ میں تمہیں قتل کرنے کا مجاز ہوں۔ حضرت یحییٰ نے کہا قبول

ہے مگر کیا تم حسنین (علیہما السلام) کو اولاد پیغمبر نہیں مانتے؟

حجاج بولا نہیں، آپ نے فرمایا: قرآن میں سورہ انعام کی آیت ۸۴ر پڑھو۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ *ذُرِّيَّتِهٖ* دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ۔

(اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عنایت کیے، سب کی رہنمائی بھی کی اور اس سے قبل ہم نے نوح کی رہنمائی کی تھی ''اور ان کی اولاد میں سے'' داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کی بھی اور نیک لوگوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں۔)

حضرت یحییٰ نے کہا اس میں اولاد ابراھیم کی بات ہو رہی ہے نا؟ حجاج بولا بالکل! حضرت یحییٰ نے کہا اگلی آیت پڑھو: وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کی بھی، (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔)

یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہ نے کہا عیسیٰ (علیہ السلام) کیسے اولاد ابراھیم (علیہ السلام) ہیں جب کہ ان کا تو باپ ہی نہیں تھا؟

تم کہتے ہو اولاد باپ سے چلتی ہے۔ قرآن اگر عیسیٰ (علیہ السلام) کو بغیر باپ کے کئی پشتوں کے بعد بھی اولاد ابراہیم (علیہ السلام) کہہ رہا ہے تو حسن و حسین (علیہما السلام) تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بہت قریب تھے وہ کیوں ابن رسول اللہ نہ کہلائیں؟

حجاج جیسا سخت گیر اور شعلہ مزاج آدمی بھی اس استدلال اور حق گوئی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کہنے لگا میں نے اس آیت کو بارہا پڑھا لیکن کبھی میرا ذہن اس طرف نہیں گیا۔ بخدا! یہ بہت عجیب استنباط ہے۔ پھر اس نے کہا اسے آزاد کر دو، جانے دو، بعض روایات کے مطابق حجاج کو وعدے کے مطابق مجبور ہو کر انھیں انعام بھی دینا پڑا۔

(بحار الانوار، جلد ۲، ص: ۱۴۵)

سعید بن جبیر کی حق گوئی

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (م:۹۵ھ) بھی ایک تابعی بزرگ تھے۔ ایک دن ممبر پر بیٹھے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے ''حجاج ایک ظالم شخص ہے''۔ ادھر جب حجاج کو پتہ چلا کہ آپ اس کے بارے میں ایسا گمان کرتے ہیں تو آپ کو دربار میں بلا لیا اور پوچھا۔ کیا تم نے میرے بارے میں ایسی باتیں بولی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! بالکل تو ایک ظالم شخص ہے۔ یہ سن کر حجاج کا رنگ غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ کے قتل کے احکامات جاری کر دیے۔ جب آپ کو قتل کے لیے دربار سے باہر لے کر جانے لگے تو آپ مسکرا دیے۔ حجاج کو ناگوار گزرا اس نے پوچھا کیوں مسکراتے ہو؟ تو آپ نے جواب دیا: تیری بے وقوفی پر اور جو اللہ تجھے ڈھیل دے رہا ہے اس پر مسکراتا ہوں۔ حجاج نے پھر حکم دیا کہ اسے میرے سامنے ذبح کر دو، جب خنجر گلے پر رکھا گیا تو آپ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا اور یہ جملہ فرمایا: اے اللہ! میرا چہرہ تیری طرف ہے، تیری رضا پر راضی ہوں، یہ حجاج نہ موت کا مالک ہے نہ زندگی کا۔ جب حجاج نے یہ سنا تو بولا اس کا رخ قبلہ کی طرف سے پھیر دو۔ جب قبلہ سے رخ پھیرا تو آپ نے فرمایا: یا اللہ رخ جدھر بھی ہو تو ہر جگہ موجود ہے، مشرق مغرب ہر طرف تیری حکمرانی ہے۔ میری دعا ہے کہ میرا قتل اس کا آخری ظلم ہو، میرے بعد اسے کسی پر مسلط نہ فرمانا۔ جب آپ کی زبان سے یہ جملہ ادا ہوا اس کے ساتھ ہی آپ کو قتل کر دیا گیا اور اتنا خون نکلا کہ دربار تر ہو گیا۔ ایک سمجھ دار بندہ بولا کہ اتنا خون تب نکلتا ہے جب کوئی خوشی خوشی مسکراتا ہوا اللہ کی رضا پر راضی ہو جاتا ہے۔

ع راضی ہوں میں اسی میں جس میں تری رضا ہو

حجاج نے اپنی زندگی میں ایک خوں خوار درندے کا روپ دھار رکھا تھا۔ ایک طرف موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم کفار کی گردنیں اڑا رہے تھے اور دوسری طرف وہ خود

اللہ کے بندوں، اولیا اور علما کے خوں سے ہولی کھیل رہا تھا۔ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو قتل کیا، اس کے جیل خانوں میں ایک ایک دن میں اسی اسی ہزار قیدی ایک وقت میں ہوتے جن میں سے تیس ہزار عورتیں تھیں۔ اس عظیم تابعی اور زاہد و پارسا انسان حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قتل، ان کی دعا کے مطابق آخری قتل ثابت ہوا۔

ان کی شہادت کے بعد حجاج پر وحشت سوار ہوگئی تھی، وہ نفسیاتی مریض بن گیا تھا، حجاج جب بھی سوتا، حضرت سعید بن جبیر اس کے خواب میں آ کر اس کا دامن پکڑ کر کہتے کہ اے دشمن خدا! تو نے مجھے کیوں قتل کیا، میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟ جواب میں حجاج کہتا کہ مجھے اور سعید کو کیا ہو گیا ہے؟ اس کے ساتھ حجاج کو وہ بیماری لگ گئی جسے زمہریری کہا جاتا ہے، اس میں سخت سردی کلیجے سے اٹھ کر سارے جسم پر چھا جاتی تھی، وہ کانپتا تھا، آگ سے بھری انگیٹھیاں اس کے پاس لائی جاتی تھیں اور اس قدر قریب رکھ دی جاتی تھیں کہ اسکی کھال جل جاتی تھی مگر اسے احساس نہیں ہوتا تھا، حکیموں کو دکھانے پر انہوں نے بتایا کہ پیٹ میں سرطان ہے، ایک طبیب نے گوشت کا ٹکڑا لیا اور اسے دھاگے کے ساتھ باندھ کر حجاج کے حلق میں اتار دیا۔

تھوڑی دیر بعد دھاگے کو کھینچا تو اس گوشت کے ٹکڑے کے ساتھ بہت عجیب نسل کے کیڑے چمٹے ہوئے تھے اور اتنی بدبو تھی جو پورے ایک مربع میل کے فاصلے پر پھیل گئی۔ درباری اٹھ کر بھاگ گئے حکیم بھی بھاگنے لگا، حجاج بولا تو کدھر جاتا ہے؟ علاج تو کر۔ حکیم بولا: تیری بیماری زمینی نہیں آسمانی ہے۔ اللہ سے پناہ مانگ حجاج، جب مادی تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو اس نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بلوایا اور ان سے دعا کی درخواست کی۔

وہ حجاج کی حالت دیکھ کر رو پڑے اور فرمانے لگے میں نے تجھے منع کیا تھا کہ نیک بندوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرنا، ان پر ظلم نہ کرنا، مگر تو باز نہ آیا...... آج حجاج عبرت

کا سبب بنا ہوا تھا، وہ اندر، باہر سے جل رہا تھا، وہ اندر سے ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ حضرت ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے چالیس دن بعد ہی حجاج کی بھی موت ہوگئی۔

حجاج نے جب دیکھا کہ اس کے بچنے کا امکان نہیں تو قریبی عزیزوں کو بلایا جو بڑی کراہت کے ساتھ حجاج کے پاس آئے۔ وہ بولا میں مرجاؤں تو جنازہ رات کو پڑھانا اور صبح ہو تو میری قبر کا نشان بھی مٹا دینا کیوں کہ لوگ مجھے مرنے کے بعد قبر میں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ اگلے دن حجاج کا پیٹ پھٹ گیا اور اسکی موت واقع ہوگئی۔ اللہ ظالم کی رسی دراز ضرور کرتا ہے، لیکن جب ظالم سے حساب لیتا ہے تو، فرشتے بھی خشیت الٰہی سے کانپ جاتے ہیں، عرش ہل جاتا ہے۔ اللہ ظالموں کے ظلم سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔!!

اہل بیت وصحابہ سے لے کر تابعین، تبع تابعین، فقہاومحدثین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کی ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے اپنی ذات کو ''وقف فی سبیل اللہ'' کر دیا تھا۔ وہ ''إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (بے شک! اللہ نے مسلمانوں سے ان کے جان ومال کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ (التوبہ:۱۱۱) کی عملی تفسیر بن گئے تھے۔ ان کا مقصد حیات اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی غلامی کے سوا کچھ نہ تھا۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

جرأت رندانہ کی کچھ اور جھلکیاں

حق وصداقت کے تحفظ کے لیے خیر التابعین حضرت سعید بن مسیب (م:۹۴ھ) نے بڑی اذیتیں برداشت کیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ (م:۱۵۰ھ) کو قید وبند کی صعوبتوں سے گزر کر زہر کا

پیالہ نوش کرنا پڑا۔امام مالک (م:۱۷۶ھ) کو قرآن وسنت کے مطابق فتویٰ دینے کے جرم میں بیڑیاں ڈال کر اونٹ کی ننگی پیٹھ پر گھمایا گیا۔امام احمد بن حنبل (م:۲۴۱ھ) کو خلق قرآن کے مسئلے پر معتصم باللہ عباسی نے سرِ عام بے دردی کے ساتھ کوڑے مروائے۔امام بخاری (م:۲۵۶ھ) کو اسی کلمۂ حق کی پاداش میں ترکِ وطن کا درد جھیلنا پڑا۔امام سرخسی (م:۴۸۳ھ) کو اسی حق بیانی کی وجہ کر ایک پرانے اور تاریک کنویں میں مقید کیا گیا۔اب آپ اپنے ملک کی سرزمین پر آجائیں تو مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م:۱۰۳۴ھ) نے ایسے دور میں اعلائے کلمۃ اللہ کا پرچم بلند کیا، جب اکبر و جہانگیر جیسے باجبروت بادشاہ نے "دین الٰہی" کے نام پر "دین اسلام" اور اس کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا۔دین کے لیے یہ کوئی کم فتنہ انگیز بات نہیں کہ شاہِ وقت گمراہ ہو جائے، لیکن اس سے زیادہ خطرناک اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ دین کے نام لیوا بھی اس کے ہاتھ پر بک جائیں۔بادشاہ کی دین و شریعت کے حوالے سے صحیح رہنمائی کرنا جن کی ذمہ داری تھی، ان علما و فقہا کو چاپلوسی اور مفاد پرستی میں ہی اپنی بھلائی نظر آئی۔جو زبانیں کبھی دین اسلام کی عظمت اور اس کی سربلندی کے لیے وا ہوتی تھیں وہ گنگ ہو چکی تھیں۔صوفیہ کا طبقہ جو کبھی تزکیہ نفس کی خدمت انجام دیتا تھا، وہ بھی اپنے اصل مشن کو چھوڑ کر شاہی دسترخوان سے تن پروری میں مصروف تھا۔مفتی عبدالرحمن نے جو اس وقت شیخ الاسلام کا درجہ رکھتا تھا، کتب فقہ سے سلاطین کے لئے تعظیمی سجدہ کا جواز پیش کیا اور کہا کہ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ اس وقت شہنشاہ کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز ہے، مگر حضرت مجدد الف ثانی "أَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" (سب سے افضل جہاد اس شخص کا ہے جو ظالم بادشاہ کو سچی بات کہہ دے) کی عملی تفسیر بن گئے۔آپ کی گردن شہنشاہ ہندوستان نور الدین جہانگیر کی سطوت و جبروت کے سامنے خم نہ ہوئی۔آپ نے ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا عظیم فریضہ انجام دیا۔یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہند کی سرزمین پر جس اسلام کا باغیچہ خواجہ معین الدین چشتی (م:۶۳۳ھ) نے لگایا تھا، اس گلشن کے پیڑ پودوں اور درختوں میں لگ جانے والے جھاڑ جھنکار کو صاف کر کے

اس کی تزئین و آرائش کا سب سے پہلا سہرا حضرت مجدد الف ثانی کے سر بندھتا ہے۔ اس عظیم مردِ مجاہد کی بارگاہ میں علامہ اقبال اپنی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

یہ صرف چند اشارے اور معمولی جھلک تھی ورنہ ہر دور میں علمائے حق کی ایک بڑی تعداد پر قسم قسم کے ظلم وتشدد کیے گئے مگر ایک لمحے کے لیے بھی ان کے پائے استقامت میں لرزش نہیں آئی اور باطل سے سمجھوتے کا ذرہ برابر خیال نہ گذرا۔

کیوں کہ وہ اپنے دامِ نفس کے اسیر نہیں تھے۔ وہ حالاتِ زمانہ، مفاد پرستی اور دنیا طلبی کے لیے اپنے قدم آگے نہیں بڑھاتے تھے بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کا جوہر ان کی ذات میں ہوتا تھا۔ راہِ حق کی مشکلات کو وہ مسکرا کر گلے لگاتے۔ اللہ جل شانہ کے ساتھ کیے گئے اپنی تجارت پر انھیں کامل یقین تھا۔ وہ جانتے تھے کہ دنیا میں خواہ ان کا انجام کچھ ہو مگر آخرت کی دائمی فوز و فلاح ان کی منتظر ہے۔ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۔ اللہ کے ایک سپاہی کی موت اس وقت واقع نہیں ہوتی جب رشتۂ سانس جسم سے منقطع ہوتا ہے، بلکہ اس وقت واقع ہوتی ہے جب وہ اللہ کے لیے جینا ترک کر دیتا ہے۔

حق کو حق کہنے سے جو ڈرتے نہیں ہیں
وہ مر بھی جائیں اگر تو مرتے نہیں ہیں

کاش! آج بھی اللہ کا کوئی نیک بندہ، کوئی مردِ مجاہد، دلاورانِ وقت میں سے کوئی

ایک جیالا، کوئی ایک نامور عالم و شیخ ہمارے ملک کے ظالم حکمرانوں کو تنبیہ کرتا کہ سن! اے بندۂ خدا سن! میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ جس نے تجھے پیدا کیا اسی نے ہمیں بھی پیدا کیا ہے، وہ تیرا بھی مالک ہے میرا بھی مالک ہے، تجھے اللہ نے اگر اپنے بندوں پر حاکم بنایا ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو خدا بن بیٹھے۔ تجھ سے پہلے بھی نہ جانے کتنے فرماں روا ایسے ہوئے ہیں جو خود کو ناقابل شکست سمجھتے تھے مگر اللہ نے انھیں عبرت کا نشان بنا دیا۔ مشہور انقلابی شاعر حبیب جالبؔ نے کہا ہے اور بہت سچ کہا ہے ؎

تم سے پہلے وہ جو اک شخص یہاں تخت نشیں تھا
اس کو بھی اپنے خدا ہونے پہ اتنا ہی یقیں تھا
کوئی ٹھہرا ہو جو لوگوں کے مقابل تو بتاؤ
وہ کہاں ہیں کہ جنہیں ناز بہت اپنے تئیں تھا

مگر افسوس! آج کے علما و مشائخ اور قائدین قوم و ملت نے ہی حکومت وقت کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ مسلمانوں پر کفر و شرک کے فتوے لگانے میں دلیر نظر آنے والا طبقہ بھی حکومتی خوف یا دنیاوی حرص میں ساری حدیں پار کر رہا ہے۔ وندے ماترم کا نعرہ لگانے، یوگا کا کرتب دکھانے، سوریہ نمشکار کرنے اور خود کو بڑا محب وطن ثابت کرنے کی کوشش میں ہر ایک دوسرے پر بازی مارنے میں مصروف ہے۔ انھوں نے اپنوں سے تو حسن ظن نہ رکھا مگر کفار و مشرکین کے ہر کفریہ و شرکیہ اعمال کی توجیہ و تاویل ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ علامہ اقبالؔ نے اسی لیے ایسی وطن پرستی کو سب سے بڑا بُت قرار دیتے ہوئے فرمایا تھا ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے

ابھی چند ماہ قبل لکھنؤ کے ایک مولانا صاحب جو سیاسی بازیگری میں خاصہ کمال رکھتے ہیں، انھوں نے چندریان ۳، کی کامیابی کے لیے اپنے مدرسے میں خاص نماز کا اہتمام کرادیا۔ جب مسلمانوں کی طرف سے بازپُرس ہوئی کہ یہ کون سی نماز تھی؟ تو مکر گئے، بقیہ بہتر اللہ جاننے والا ہے۔ ویسے اس طرح کی حرکتوں کے لیے آں جناب ماضی میں بھی شہرت حاصل کرتے رہیں ہیں۔

اس سے قبل جولائی ۲۰۲۳ء کے ابتدائی ایام میں مسلم ورلڈ لیگ کے سیکرٹری جنرل اور حکومت سعودیہ کے مشیر خاص محمد بن عبد الکریم العیسیٰ نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر اجیت ڈوبھال کی خاص دعوت پر بھارت آئے۔ اپنے دورے کے دوران زیادہ تر وہ نہ یہ کہ آر ایس ایس کے پروگراموں میں شریک ہوئے بلکہ دہلی کے اکشر دھام مندر اور دیگر صنم کدوں میں گھوم گھوم کر پجاریوں اور بتوں کی زیارت کرتے ہوئے مسکرا مسکرا کر تصویریں کھنچوائیں۔ اہل بیت واصحاب کے مزارات ڈھانے والی حکومت کے نمائندہ کو یہاں ذرا بھی غیرت ایمانی نے آواز نہ دی۔ اہل اللہ کی نشانیوں کی زیارت پر شرک وبدعت کا فتویٰ دینے والوں کو آخر ہند کے بت خانوں اور اس کی زیارت سے اس قدر دل چسپی کیوں تھی اور یہ کون سا اسلام تھا، خدا ہی جانے!!

ساتھ ہی منعقدہ پروگرامز میں گورنمنٹ کے مولوی وصوفی نما ایجنٹوں اور نام نہاد دانشوروں کے ساتھ مل کر دنیا کو ہندوستانی مسلمانوں کے حوالے سے یہ پیغام دیا کہ یہاں سب خیریت ہے، مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کا ظلم وجبر اور ناانصافی نہیں ہو رہی ہے۔ بھارت کی جمہوریت بہت اعلیٰ ہے اور مودی حکومت سب کو ساتھ لے کر بہت مضبوطی کے ساتھ ملک کو ترقی کی طرف لے کر جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی صفوں میں شامل ایسی کالی بھیڑوں کو ضرور پہچان کر رکھیں۔ واضح رہے کہ موصوف کی تاریخ، ان کا ماضی

اور کارنامے قوم وملت کے حوالے سے بڑے سیاہ ہیں، انھیں فلسطین کے بجائے اسرائیل کا وکیل کہا جاتا ہے، اور موجودہ سعودی فرماں روا محمد بن سلمان کی ہر غیر اسلامی اور یہودیانہ منصوبوں کو سندِ جواز فراہم کرنے میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ تجزیہ نگاروں کا یہاں تک کہنا ہے کہ آں جناب بھارت میں عرب نہیں موساد کے نمائندہ بن کر تشریف لائے تھے۔

اسی اگست ۲۰۲۵ء کی کسی تاریخ میں جھارکھنڈ مکتی مورچہ کے بانی مشہور آدی واسی نیتا شیبو سورین کی موت ہوگئی۔ چوں کہ حکومت بھی اسی پارٹی کی تھی اور بیٹا ہیمنت سورین وزیر اعلیٰ ہے تو اسے خوش کرنے کے لیے ضمیر فروش مولویوں کی ایک ٹولی قرآن پڑھنے اور دعا کرنے پہنچ گئی، اتفاقاً یہاں بھی وہی ٹولی تھی جو بعد از وفات مسلمانوں کے لیے قرآن خوانی اور ایصال ثواب پر زیادہ یقین نہیں رکھتی، لیکن ایک کافر ومشرک کے لیے دعا کرنا انھیں یہاں فائدے کا سودا نظر آیا۔ اس طرح کے ایمان فروش، غلامانہ ذہنیت کے حامل بلکہ کہہ لیں کہ کفریہ وشرکیہ اقوال وافعال میں مبتلا عوام تو کجا خواص کی ایک لمبی فہرست ہے۔ مَعَاذَاللہِ مِنْ ذَالِكَ

تم رضا بن کے مسلمان جو کافر ہی رہے
تم سے بہتر وہ کافر جو مسلماں نہ ہوا

چاہیے تو یہ تھا کہ علما وقائدین کی جماعت متحد ہو کر اپنی ایمانی غیرت کے ساتھ اور اسلاف کی روش کو یاد کرتے ہوئے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم اور ناانصافیوں کے خلاف سینہ سپر ہوجاتے اور حکومتِ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بانگِ دُہل کہتے: اے سربراہانِ مملکت یاد کرو! نمرود کو جسے اللہ نے حکومت واقتدار بخشا مگر اس نے اللہ کے خلیل پر ہی زندگانی تنگ کردی تو ایک مچھر نے اسے اس کی اوقات وحیثیت بتادی۔ صبح وشام اس کے سر پر جوتے لگائے جاتے تو اسے سکون وقرار ملتا۔ شداد کو حکومت عطا فرمائی تو اس نے بھی اپنے رب سے بغاوت کر کے دنیا میں ہی اپنی جنت بنا کر عیش لوٹنا

چاہا۔ اللہ نے عین اس کی بنائی اپنی جنت کے دروازے پر روح قبض کروا کر اسے دنیاوی جنت سے بھی محروم کر دیا۔ فرعون کو بھی اللہ نے حکومت و سلطنت کا مالک بنایا مگر اس نے بھی نہ یہ کہ خدائی کا دعویٰ کر دیا بلکہ اللہ کے بندوں کا جینا محال کر دیا، آخر کار اللہ نے اسے غرقاب نیل کر لقمۂ اجل بنایا اور اس کی لاش کو سمندر کے تھپیڑوں کے ذریعہ کنارے پھینکوا کر قیامت تک کے خدائی دعوے دار اور ظالم و جابر حکمرانوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (یونس: ۹۲) یعنی ’’آج ہم تیری لاش کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی بن جائے اور بیشک لوگ ہماری نشانیوں سے ضرور غافل ہیں‘‘۔ چنانچہ مصر کے میوزیم میں آج بھی فرعون کی لاش عبرت کا نشان بنی پڑی ہے۔

پندرہ سو سال پہلے قرآن کی یہ آیت نازل ہو کر لوگوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہے کہ بے شک! یہ اللہ ہی کا کلام ہو سکتا ہے کسی فردِ بشر کا نہیں۔ یہ قرآن کا ایسا اعجاز ہے کہ جسے دیکھ کر لاکھوں لاکھ اب تک مسلمان ہو چکے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کہنے والے نے بالکل سچ کہا ہے کہ ’’کفر و شرک کے ساتھ تو حکومت چل سکتی ہے مگر ظلم و ناانصافی کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ آنے والی نسلیں دیکھیں گی کہ موجودہ زمانے کے اس فرعون و نمرود کا کیا حشر ہوا۔ ان کے علاوہ ماضی قریب میں اسٹالن، ہٹلر، مسولینی، کمال اتاترک وغیرہ جیسے ان گنت ظالم و جابر ڈکٹیٹرس (Dictators) کا عبرت ناک انجام بھی کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔

اس لیے اے ظالمو! اللہ کی پکڑ سے ڈر اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ، کیونکہ وہ جب تک ڈھیل دیتا ہے، دیتا ہے مگر جب پانی سر سے اونچا اٹھنے لگتا ہے تو اس کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ (بروج: ۱۲) یعنی ’’بے شک تیرے

رب کی پکڑ بہت سخت ہے''۔وہ جس نے تجھے حکومت واقتدار عطا کیا ہے وہ تجھ سے یہ سب چھین کر ذلیل وخوار بھی کرسکتا ہے۔جب وہ وقت آئے گا تو نہ تیری سنستھا کام آئے گی، نہ پونجی پتی کام آئیں گے، نہ تیرے میڈیائی چمچے تیرا کچھ بھلا کرسکیں گے، نہ تیری فوج وپولیس کے اندر کوئی طاقت ہوگی اور نہ ہی تیرے اندھ بھکتوں کی ٹولی تیری ڈفلی بجاتی نظر آئے گی۔اس لیے ڈر اس دن سے جب ذلت وخواری تیرا مقدر ہو۔

مسائل کیسے بھی ہوں تا قیامت رہ نہیں سکتے
یہ ظالم ظلم کی بن کر علامت رہ نہیں سکتے
ہے جن کا عزم ہم کو چین سے رہنے نہیں دیں گے
وہ یہ بھی جان لیں خود بھی سلامت رہ نہیں سکتے

مگر افسوس! حرص دنیا اور خوف حکومت سے بھیگی بلی بنے رہنے والے علمائے سو کی ایک بڑی جماعت اپنے جلسوں، اجتماعات اور اسٹیجوں پر آکر شیر بن جاتی ہے۔یہ اپنی تقریروں سے بھولے بھالے اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو نہ یہ کہ بے وقوف بنارہے ہیں بلکہ ان کے ذہن ودماغ کو زہریلا بنانے میں مصروف ہیں۔نفرتی ایجنڈا پھیلانے کے لیے ہم ''آر ایس ایس'' کو کیوں ذمہ دار قرار دیں؟ یہ کام تو نام نہاد علما اور پیر بھی دین وسنیت کی بڑی خدمت سمجھ کر رات ودن کرنے میں مصروف ہیں۔اللہ ورسول کے قانون، تعلیمات اور مقرر کردہ حدود سے نکل کر دین کی نئی نئی تعبیر وتشریح یہ اپنی طبیعت سے کرتے ہیں۔آج دینی معاملات کے فیصلے قرآن وحدیث کی روشنی میں نہیں بلکہ اپنے مفاد، مزاج، رجحان اور خواہش نفس کی بنیاد پر کیا جارہا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ جانے انجانے میں ''آر ایس ایس'' اور ''موساد'' کے آلہ کار بن کر امت کو توڑنے اور بڑے پیمانے پر افتراق وانتشار پھیلانے کا ایسے لوگوں نے بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

نوجوانوں اور نئی نسل کے دل و دماغ میں عقیدۂ توحید کو راسخ کرنے، نبی کی محبت کی شمع سینوں میں جلانے، اہل بیت، اصحاب اور اسلاف سے رشتہ جوڑنے کے بجائے جاہل پیروں اور مولویوں کا ایک ٹولہ مسلک و مشرب اور اپنی مخصوص شخصیات کی غلو بھری محبت کا چورن بیچنے میں لگا ہوا ہے۔ سنجیدگی سے سوچنے پر لگتا ہے کہ ان بے چاروں کی بھی اپنی مجبوریاں ہیں، بقول اکبرؔ الہ آبادی ۔

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں، ریشے کو کیا کریں
مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشے کو کیا کریں

جب تک ہمارے درمیان خدا ترسی اور خوف آخرت رکھنے والی حق گو ہستیاں تھیں، اور ہم اپنے ان اسلاف کے نقش قدم پر چل رہے تھے، ہماری عظمت و رفعت کا سورج نصف النہار پر تھا۔ لیکن جب ہمارے اندر خوف خدا اور روزِ محشر کی جواب دہی کا تصور کمزور پڑا، تو اللہ نے ساری دنیا کا ڈر ہمارے دلوں میں ڈال دیا۔ خدا پرستی کی جگہ مفاد پرستی، حق گوئی و بے باکی کی جگہ تملق و چاپلوسی اور شاہی کی جگہ غلامی ہمارا مقدر ہوا۔ ان ہی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے نباض قوم علامہ اقبالؔ نے بالکل درست کہا ہے کہ ۔

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

مسلمانوں کی بزدلی اور بے حسی

ملت اسلامیہ کے خلاف عالم کفر کے اتحاد کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشین گوئی موجود ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے ''اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ'' یعنی کفر ایک ملت ہے۔ یہ ہر دور میں سچ ثابت ہوتا رہا ہے۔ قرآن کریم میں یہود اور مشرکین کے بارے میں بھی صراحت موجود ہے: لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا (المائدہ:۸۲) ''یقیناً آپ ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے''۔

آج ہمارے ملک بھارت کے سخت گیر مشرکین اپنا مشن اسرائیل کے یہودیوں سے بغل گیر ہو کر چلا رہے ہیں، یہ کس کی نگاہ سے پوشیدہ ہے؟ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ جو بات اس نے چودہ پندرہ سو سال پہلے کہہ دی وہ چاند و سورج کی طرح ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرامین میں یہ دورِ ابتلا و آزمائش بھی بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں: وہ دن قریب ہے کہ تمھارے اوپر دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے دیمک اپنے کھانے کی چیز پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ کسی نے کہا: شاید یہ اس وجہ سے ہوگا کہ ہماری تعداد گھٹ گئی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: برخلاف اس کے تمھاری تعداد اس وقت بہت زیادہ ہوگی، لیکن تم اس کوڑے کرکٹ کی طرح ہوگے جو سیلاب کی رو میں بہتا ہے، ''وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِي قُلُوبِكُمْ

الْوَھْنَ ''یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمھارے دلوں پر وہن کا قبضہ ہوگا۔کسی نے پوچھا یارسول اللہ! وہن کیا ہے؟ قَالَ: حُبُّ الدُّنْیَا وَ کَرَاھِیَۃُ الْمَوْتِ۔آپ نے فرمایا: دنیا کی محبت اور موت سے بھاگنا۔

(سنن أبی داؤد، کتاب الملاحم، الرقم:۴۲۹۷)

مسلمانوں پر یہ ساری قیامت گذر رہی ہے مگر دنیا کی حد سے بڑھتی محبت، دین سے بے رغبتی اور اسلامی تعلیمات سے دوری نے امت مسلمہ کو ایک زندہ لاش بنا ڈالا ہے لاکھوں بچے سسک سسک کر موت کی آغوش میں جارہے ہیں۔روزانہ سینکڑوں نوجوان شہید ہورہے ہیں۔پورا فلسطین موت کے دہانے پر کھڑا ہے۔ساری دنیا کے غیر مسلم انسانیت پسند سراپا احتجاج ہیں۔لیکن امت کی حالت زار پر نہ دنیا کے مسلم سربراہان وقائدین کو رونا آتا ہے اور نہ ہی عوام الناس کی اس سلسلے میں حس بیدار ہوتی ہے، بلکہ المیہ تو یہ ہے کہ بعض بے غیرت اور ضمیر فروش مسلمان اپنے مفاد کے لیے انھیں کی بولی بولنے میں لگے ہیں۔حکومت سعودیہ، عرب امارات، اور مصر وغیرہ کی ان نام نہاد مسلم حکومتوں کا آپ جائزہ لیں، صاف معلوم ہوگا کہ یا تو یہ مسلم لبادے میں خود یہودی ہیں یا عبداللہ بن ابی جیسے منافقوں کے سردار کی خاص روش پر گامزن ہیں۔بقیہ جو بچ جاتے ہیں وہ اپنی کمزوری یا بزدلی و بے حسی کی بنیاد پر لب کشائی کی جرأت نہیں کرپاتے۔بعض اپنوں سے ہی دست وگریباں ہیں۔یا پھر غیروں کے ہاتھوں انتہائی بے حسی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے اٹھتے جنازے دیکھ کر خوش ہورہے ہیں کہ اس سے ہمارا بھلا ہورہا ہے۔اختلافات وتنازعات ہمارے اسلاف اور بزرگوں میں بھی ہوئے، مگر انھوں نے اسلام کے دشمنوں سے کسی طرح بھی سمجھوتہ کرنا گوارا نہ کیا۔

تاریخِ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ امیر المومنین حضرت سیدنا مولا علی شیر خدا کرّم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ جاری ہے۔منافقین کی

شرارتوں، خباثتوں اور کارستانیوں کے نتیجے میں گھمسان کا رن پڑ رہا ہے کہ اس دوران قیصر روم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاقے پر قبضہ کرنے کا خطرناک منصوبہ بنایا۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمان آپس میں دست و گریباں ہیں اور مجھے اس سے زیادہ مناسب موقع پھر کبھی میسر نہیں آئے گا۔ اس نے سوچا کہ اس وقت علی اندرونی طور پر سخت مشکل میں ہیں ان کی معاویہ سے ٹھنی ہوئی ہے، اس لیے میرے اس اقدام سے امیر معاویہ بھی خوش ہوں گے۔

سیدنا مولا علی کو قیصر روم کے خطرناک اور زہریلے عزائم کی اطلاع ملی تو بے حد پریشان ہوئے۔ کیوں کہ بیک وقت دو محاذوں پر جنگ لڑنا اور دو محاذوں پر جنگ جاری رکھنا ان کے لیے بہت دشوار اور مشکل تھا، مگر سیدنا علی کی اس پریشانی اور اضطراب کو حضرت معاویہ کی للکار نے دور کر دیا۔

قیصرِ روم کے اس ارادے کی اطلاع جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو وہ بے چین ہو گئے اور اسی وقت ایک خط قیصر روم کے نام تحریر فرمایا جس کے ذریعے انہوں نے قیصر روم کی خوش فہمی کو اس طرح دور کیا کہ وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب بن گیا۔ وہ صرف ایک خط نہیں بلکہ نہایت مؤثر ہتھیار تھا۔ پُرمغز، پُرجلال اور وقار و رعب سے بھرپور اس مکتوب کو پڑھ کر قیصر روم خوف و دہشت کا مجسمہ بن گیا اور اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ اب ذرا اس تاریخی خط کا مضمون ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں: اے لعنتی انسان! مجھے اپنے اللہ کی قسم ہے! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے شہروں کی طرف واپس پلٹ نہ گیا تو کان کھول کر سن! پھر میں اور میرے چچازاد بھائی تیرے خلاف صلح کر لیں گے۔ پھر تجھے تیرے ملک سے نکال دیں گے اور زمین باوجود وسعت کے تم پر تنگ کر دیں گے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۱۱۹)

بعضوں نے حضرت معاویہ کا جواب اس طرح بھی لکھا ہے: حضرت امیر معاویہ

نے رومی بادشاہ کے جواب میں لکھا: او رومی کتے! ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ، اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی کے لشکر کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلے کے لیے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔ (ندائے منبر و محراب، ۱/۱۷۴)

یہ تھی ہمارے اسلاف کی سوچ اور ایمانی کیفیت، ان کے آپس میں بھلے ہی کچھ اختلاف ہوں، مگر وہ عالم کفر کے مقابلے میں یک زبان اور سیسہ پلائی دیوار تھے۔ آج افسوس کا مقام یہ ہے کہ ''علی و معاویہ'' کے درمیان ہونے والے اختلافات اور مناقشات کو لے کر ایک دوسرے کے خلاف ہم ساری حدیں پار کیے جا رہے ہیں۔ میں اکثر کہتا ہوں کہ میرے عزیزو! چودہ صدیوں میں جن مسائل کا فیصلہ نہ ہوا، ان معاملات اور مسائل پر آخر ہمیں کس نے فیصل بنادیا ہے؟۔ کیا حالات زمانہ کے مطابق اس وقت ہماری سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ ہم اس طرح کے مسائل کو لے کر ایک دوسرے کے خلاف محاذ قائم کرلیں۔ ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ مومن و مسلم آپس میں جسد واحد کی طرح ہیں۔ لیکن چند صدیوں میں ہم ایسے تقسیم ہوئے کہ جسد واحد کی صفت جاتی رہی۔ باہمی رحم و کرم کی انگیٹھی سرد پڑ گئی۔ ہمارا خون سفید ہوگیا اور ہماری بے حسی ناسور بن گئی۔ سخت سے سخت ترین مواقع پر بھی ہم اپنے مسلکی و مشربی خول سے باہر نکل کر ملت واحدہ کا روپ دھارنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ وہ ملت جو ایک جسم کی مانند تھی، اب اس کے اعضا کٹ کر بکھر چکے ہیں۔ مومن کی مثال تو ایسی ہے کہ اگر کوئی عضو بھی درد کا شکار ہو تو پورا جسم ہی بے خوابی و درد میں مبتلا ہو جائے۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر:۲۵۸۶)

مخدوم سعدی شیرازی اسی فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ؎

بنی آدم اعضائے یک پیکرند
کہ در آفرینش ز یک گوہرند

چو عضوئے بہ درد آورد روزگار
دگر عضو ہا را نماند قرار

(آدم کے بیٹے ایک جسم کے اعضا کی طرح ہیں ابتدا ہی سے ایک ہی جوہر کے عنصر ہیں، جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچا تا ہے تو اس کا دوسرا عضو بے قرار ہو جا تا ہے)

آج ہمارا حال یہ ہے کہ جب تک تباہی و بربادی ہمارے گھر کے دروازے پہ دستک نہ دے، رنج و غم ہمارے گھر کے اندر نہ اتر پڑے اور مصائب و آلام سے جب تک ہم خود نہ دو چار ہوں، کسی کے درد و کرب کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ ساری دنیا کے مسلمانوں پر بھلے ہی قیامت ٹوٹ رہی ہو، مگر ہمیں کیا پڑی ہے! ہم تو بخیر ہیں۔ ہماری مفاد پرستی اور خود غرضی اپنے نقطۂ عروج پر ہے، بقول شاعر ؎

ہوا ہی ایسی چلی ہے کہ ہر شخص سوچتا ہے
تمام شہر جلے ایک میرا گھر نہ جلے

لیکن ظلم و جبر کے شکار مسلمانوں کے خونی قطرات ہمیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں ؎

میں آج زد پر ہوں تم خوش گماں مت رہنا
چراغ سب کے بجھیں گے ہوا کسی کی نہیں

نئی نسل کی بدلتی ذہنیت

آج ایک حملہ امت مسلمہ کے جسم پر ہو رہا ہے اور دوسرا حملہ اس کے فکر و نظر پر ہو رہا ہے۔ جو حملہ ہمارے جسم پر ہو رہا ہے وہ یقیناً خطرناک ہے، مگر جو حملہ اس امت کے فکر و نظر اور ذہن و دماغ پر ہو رہا ہے وہ خطرناک ترین ہے۔ اس لیے کہ جسم پر ہونے والے حملے کا امت کو احساس ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح اس کے دفاع میں بھی سرگرم ہے، مگر جو حملہ اس کے ذہن و دماغ پر ہو رہا ہے اس میں بہت بڑا مسئلہ یہ ہے کہ امت کو اس حملے کا احساس ہی نہیں۔ جسم کے زخم کا درد محسوس ہوتا ہے، لیکن خراب ہوتی ذہنیت کا درد محسوس ہی نہیں ہوتا۔ وہ بیماری کو شفا اور زہر کو تریاق سمجھ کر پیتا ہے۔ آج بندہ زہر پی رہا ہے اور ساقی کے ذوق انتخاب کی داد بھی دیے جاتا ہے۔ جسم پر ہونے والے حملے کو روکنے کے لیے تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اور اس میں کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے، مگر فکر و نظر اور دل و دماغ پر ہونے والا حملہ ایسا خوف ناک، دہشت ناک اور خطرناک ہے کہ جسم مسلمان ہوتا ہے مگر دماغ یہودی، مجوسی، ہنودی اور صلیبی بن جاتا ہے۔ دماغ جب حملے کا شکار ہوتا ہے تو وہ بیٹا تو مسلمان کا کہلاتا ہے لیکن بات یہودیوں والی کرتا ہے۔ وہ فرزند تو اسلام کا کہلاتا ہے لیکن سوچ عیسائیوں والی رکھتا ہے۔ وہ پیدا تو ایک مسلم خاتون کی کوکھ سے ہوتا ہے مگر باتیں مجوس و ہنود والی کرتا ہے۔ اس نے آنکھیں تو ایک اسلامی گھرانے میں کھولی ہوتی ہیں مگر اس کے افکار و نظریات سراسر غیر اسلامی ہو جاتے ہیں۔ یہ بری سنگت وصحبت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

آخر ایسا ہوتا کیسے ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے اپنے موبائیل و کمپیوٹر میں لگے چپس (Hard Disk) کو دیکھیے۔ جس سی ڈی، ہارڈ ڈسک اور میموری کارڈ میں جو چیز ہوگی وہی دیکھنے اور سننے کو ملے گی۔ آج مسلم نوجوانوں کے جسم کے کمپیوٹر میں دماغ کی جگہ پر

یہود وہنود اور اسلام دشمن عناصر اپنی اپنی میموری کارڈ اور ہارڈ ڈسک لگانے میں مصروف ہیں۔ان کی کوشش زوروں پر ہے کہ مسلم نوجوانوں کے جسم کا کمپیوٹر وموبائل کیسا بھی رہے لیکن اس کے دماغ میں جو سی ڈی یا میموری لگے وہ ہماری ہو۔وہ سوچے تو ہماری طرح سوچے۔وہ بولے تو ہماری طرح بولے۔اس کے حرکات وسکنات ہماری طرح ہوں۔اس کا رہن سہن ہماری طرح ہو اور وہ کردار و کیرکٹر ہمارا اپنائے۔

آج کے بے چارے والدین اپنے بیٹے کے کریم لگے چمکتے چہرے کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں، مگر افسوس! انھیں اپنے بیٹے کے لہولہان دماغ کی کچھ خبر نہیں۔انھیں پتہ ہی نہیں کہ میرے بیٹے کے دماغ کی ''ہارڈ ڈسک'' بدل دی گئی ہے۔احساس بھی بھلا کیوں کر ہو! یہاں تو خود نہ جانے کتنے والدین کے دماغ کی چپس (Chips) بدلی ہوئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے بچوں کی آوارگی پر فخر ہوتا ہے، مگر بچہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد جانے لگے، سنجیدگی اختیار کرلے، دینی محافل میں بیٹھے اور علما وصالحین کی صحبت اختیار کرلے، تو انھیں وحشت ہونے لگتی ہے۔یہ ان والدین کے دماغ کی چپس بدل جانے کی علامت ہے۔جن سے نیک و بد اور اچھائی و برائی کا شعور واحساس بھی چھن چکا ہے۔نہ جانے کتنے ایسے مسلم علاقے ہیں جہاں انگلش میڈیم کے اسکولوں میں مسلمانوں کی جواں سال بیٹیاں اسکرٹ اور بلاؤز پہن کر جاتی ہیں اور لڑکوں کو جمعہ کی نماز کا بھی موقع نہیں ملتا، حالاں کہ اسکول انتظامیہ سے اگر ان بچوں کے گارجین بات کریں تو گنجائش نکل سکتی ہے مگر انھیں نہ اس کا شعور ہے اور نہ ہی فکر واحساس، بلکہ اس معاملے میں جو انہیں سمجھائے نصیحت کرے اور اسلامی تعلیمات کی طرف توجہ دلائے اسے ہی والدین دشمن سمجھتے ہیں ؎

ناصحا! مت کر نصیحت دل میرا گھبرائے ہے
اس کو دشمن جانتا ہوں جو مجھے سمجھائے ہے

اسی طرح جہیز کی لعنت اور مہنگی ترین شادیوں کی وجہ سے نہ جانے کتنی لڑکیوں کے

بالوں میں چاندی اتر آئی ہے مگر اس قوم کا احساس مردہ ہو چکا ہے۔لڑکیاں بھاگ رہی ہیں اور غیر مسلموں سے شادیاں رچا کر پوری قوم کو رسوا کر رہی ہیں مگر ہم بے ضمیر ہو چکے ہیں۔لاکھوں کروڑوں روپے کے بجٹ سے ہونے والی شادیوں کے چند ماہ بعد ہی طلاق و خلع کی نوبت آ رہی ہے، آخر کیوں؟ ہماری نئی نسل لاابالی پن، تضیع اوقات، وقت گزاری، آوارہ گردی اور نشے کی لعنت میں مبتلا ہو رہی ہے، آج ہمارے نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ بہ کثرت نماز چھوڑنے کا عادی ہے، یا یوں کہہ لیں کہ ان کی نظروں میں نماز کی کوئی اہمیت نہیں، حالاں کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کفر و اسلام کے درمیان حد فاصل ہے۔نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔مزید فرمایا: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر جیسا کام کیا۔نماز جسے اسلام کے ستون کی حیثیت حاصل ہے، اس اہم ترین عبادت سے لوگ اس قدر غافل ہیں کہ بقول شخصے: آج لوگ اتنی کثرت سے ترک نماز کے عادی ہیں کہ آئندہ اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں اغیار یہ کہنا نہ شروع کر دیں کہ نماز کا اسلام سے کوئی خاص تعلق نہیں، یہ بس ویسے ہی اختیاری عبادت ہے، سوال ہوگا کیوں؟ جواب ملے گا: نماز اگر ضروری عبادت ہوتی تو سارے مسلمان پڑھتے، حالاں کہ سب نہیں پڑھتے۔ایسا ہو سکتا ہے لیکن خدا نہ کرے۔حالات اس طرح کے نازک ہیں مگر کتنے ایسے لوگ ہیں جنہیں اس کی فکر ہے، اور وہ اصلاح اور برائیوں کے روک تھام کے لیے جد و جہد کر رہے ہیں؟۔حد تو یہ ہے کہ نوجوانوں کی ایک ٹولی ہر جگہ جو مسجدیں دو تین منزلہ ہیں اس کی بالائی منزلوں پر گول بنا کر بیٹھتے ہیں اور دنیاوی باتوں کے ساتھ موبائل چلانے کی لعنت میں گرفتار رہتے ہیں۔الامان والحفیظ۔

یہ سب دین سے حد درجہ دوری اور احساس و ضمیر کے مردہ ہو جانے کی کھلی علامت ہے۔اس طرح کے کتنے مسائل بیان کیے جائیں اور کس کس کا ماتم کیا جائے۔

ایک دو زخم نہیں جسم ہے سارا چھلنی
درد بے چارہ پریشان ہے کہاں سے اٹھے

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ

دین اسلام میں علم کی بڑی اہمیت آئی ہے۔قرآن وحدیث میں جگہ جگہ علمی شہ پارے نظر آئیں گے۔قرآن کریم کے تقریباً ۸۷ ر ہزار الفاظ میں سب سے پہلا لفظ جو اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اقدس پہ نازل فرمایا وہ لفظ "اِقْرَاْ" ہے، یعنی پڑھیے۔مزید قرآن پاک کی ٦ ر ہزار آیتوں میں سب سے پہلے جو ۵ ر آیتیں نازل فرمائی گئیں ان سے بھی قلم کی اہمیت اور علم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔علم کی فضیلت و عظمت، ترغیب وتاکید مذہب اسلام میں جس بلیغ ودل آویز انداز میں پائی جاتی ہے اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی، تعلیم و تعلم، درس وتدریس تو گویا اس دین برحق کا جزولاینفک ہے۔

امتِ محمدیہ کا رشتہ علم کے ساتھ ایسا وابستہ کر دیا گیا ہے کہ وہ کبھی بھی چھوٹ نہیں سکتا۔واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات کی تمام مخلوقات پر جو فضیلت دی اس کا بنیادی سبب بھی علم ہی ہے، اسی بنا پر فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا گیا، سورۂ بقرہ میں اس مکالمہ کا ذکر موجود ہے جو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے مابین ہوا، اللہ رب العزت نے جب فرشتوں کے علم کا امتحان لیا تو وہ عاجز ہوگئے اور حضرت آدم علیہ السلام کامیاب ٹھہرے، بالآخر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، یہ فضیلت ومنزلت علم ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی کہ انسان مسجودِ ملائک بنا۔

"سورہ علق" کی آیات میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ علم وہی علم ہے جس میں رب کائنات کی رضا کا حصول موجود ہو۔دنیا کا کوئی علم فی نفسہ نفع بخش یا نقصان دہ نہیں ہے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے مختلف زبانوں اور علوم کو سیکھنے کا حکم دیا ہے۔ہاں!

جب علم کا رخ اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو جائے۔ جو علم شریعت سے ٹکراؤ پیدا کر دے۔ جو علم انا و تکبر کا پتلا بنا دے۔ جس علم کے ذریعہ ظلم و ستم کا راستہ اختیار کیا جائے۔ کمزور و ناتواں پر مظالم ڈھائے جائیں۔ انسانیت کے حقوق غصب کیے جائیں۔ جو علم مادر پدر آزاد بنا دے۔ جس علم کی وجہ کر اسلامی تعلیمات اور اس کی تہذیب و ثقافت کو کمتر سمجھا جانے لگے۔ ان صورت حال میں یہ علم فائدہ دینے کی بجائے انسانیت کو ہلاکت و تباہی کی طرف لے جانے والا ہو گا۔ اسی علم کو علم شیطانی کہا جائے گا۔

اسی وجہ سے سورہ علق کی پہلی دو آیات میں علم کے حصول اور اس کے عظیم رب کے ساتھ رشتہ و تعلق کی اہمیت کے ساتھ انسان کو بتا دیا گیا ہے کہ انسان کو تکبر و گھمنڈ کا رویہ اختیار کرنا زیب نہیں دیتا، کیوں کہ انسان کی اصل اور بنیاد پانی کے ایک گندے قطرے کے بعد خون کے لوتھڑے سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ حضرت سید پیر نصیر الدین نصیرؔ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

اتنا نہ اکڑ، نہ اتنے جذبات میں رہ
حد سے نہ گزر، دائرہِ ذات میں رہ
اک قطرہٴ ناپاک، نسب ہے تیرا
اوقات یہی ہے تیری، اوقات میں رہ

اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی علم کی بہت اہمیت بیان کی گئی اور اسے حاصل کرنے کی مختلف طریقوں سے ترغیب دلائی گئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ حصول علم کی رغبت اور تلقین فرماتے۔ غزوۂ بدر کے موقع پہ آپ ﷺ ہر اس اسیر کو جو مدینہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا تا آزاد فرما دیتے تھے۔ اس عمل سے اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نظر میں تعلیم کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا

ہے کہ علم جہاں اور جس سے ملے، لے لیا جائے۔ مگر ساتھ ہی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے "اللّٰھُمَّ عِلْمًا نَافِعًا" یعنی، اے اللہ! علم نافع عطا فرما، جیسی بے شمار دعائیں ہمیں سکھا کر یہ بھی درس دیا کہ ہمیشہ نفع بخش علم ہی حاصل کرو۔

معلوم ہوا کہ اسلام وہ دین متین ہے جس نے نہ صرف علم کی اہمیت کو بانگ دہل بیان کیا، اس کے حصول پر زور دیا، وہیں علم رحمانی اور علم شیطانی کے درمیان حد فاصل بھی قائم کر دیا۔ جو علم رحمانی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے گا وہ ہمیشہ کے لیے کامیاب ہو جائے گا۔ اور جو علم شیطانی کو اپنائے گا وہ علم اس کے لیے فتنہ و تباہی کا باعث بن جائے گا۔ سچ ہے کہ ؂

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ
اولاد بھی املاک بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کے لیے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ
شمشیر ہی کیا نعرۂ تکبیر بھی فتنہ

تربیت سے خالی علم کو بھی علم شیطانی کہا جا سکتا ہے۔ بالخصوص آج کے دور میں تو ہمارے بچے شیطانی تعلیم ہی حاصل کر رہے ہیں۔ جو تعلیم اپنی بنیادوں، قدروں، طریقوں اور اسلاف کی روش سے دور کر دے تو اسے کون سی تعلیم کہا جائے گا!!۔ آج جدید تعلیمی پالیسی کا مقصد صرف دولت حاصل کرنا اور کاغذی ڈگری کے ذریعہ اپنی دنیا کو خوب سے خوب تر بنانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بات یہیں پر ختم ہو جاتی تو کوئی بات نہ تھی، یہاں کیفیت تو یہ ہے کہ نہ جانے کتنوں کو اس نظام تعلیم نے الحاد اور دین بیزاری کی سرحد پر لا کھڑا کیا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ اس کی شروعات میں ہی علما و مشائخ اور دینی شعور و مزاج رکھنے

والی مخلص ہستیاں اس کے نقصانات کو بھانپ چکی تھیں، اس لیے انھوں نے انگریزوں کے لائے ہوئے اس جدید نظام تعلیم کی سخت مخالفت کی تھی۔ یہ مخالفت تعلیم کی نہیں انگریزی نظام کی تھی۔ان مخالفین میں لسان العصر جناب اکبرالٰہ آبادی (م:۱۹۲۱ء) جیسی شخصیات جہاں نظر آتی ہیں، وہیں شاعرمشرق علامہ اقبال (م:۱۹۳۸ء) جیسا عالم وفاضل، جہاں دیدہ ،جہاں بین اور یوروپ کے دانش کدوں سے اکتساب علم کرنے والا عظیم شخص بھی اس موضوع پر جناب اکبرؔ کی تائید وتقلید میں کھڑا دکھائی دیتا ہے۔اکبرؔالٰہ آبادی اس نظام تعلیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
گرا کے چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر

اور علامہ اقبالؔ نے کہا ؎

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

لارڈ میکالے کا تعلیمی نصاب

انگریزوں کے دورحکومت میں ہندوستان کے گورنر جنرل کی کونسل کے پہلے رُکن برائے قانون ”لارڈ میکالے“ نے برطانیہ کی پارلیمنٹ میں نظام تعلیم اور نصاب کے حوالے سے ۲؍فروری ۱۸۳۵ءکو جو تقریر کی تھی اس کا یہ حصہ دیدۂ عبرت نگاہ سے پڑھنے کی چیز ہے۔وہ کہتا ہے:

"I have traveled across the length and breadth of India and I have not seen a single person who is a beggar or a thief. I have seen such wealth in this country, such high morals, and people of such a high standard that I don't think we can ever conquer this country unless we break its spiritual and cultural backbone. Therefore, I propose that we replace their old and ancient education system and their culture. Because if Indians start to believe that everything foreign and English is good and superior to their own, they will lose their self-respect, their native culture, and become what we want them to be, a truly dominated nation."

میں نے ہندوستان کے طول وعرض میں سفر کیا ہے۔ مجھے کوئی بھی شخص بھکاری یا چور نظر نہیں آیا۔ اس ملک میں، میں نے بہت دولت دیکھی ہے، لوگوں کی اخلاقی اقدار بلند ہیں اور سمجھ بوجھ اتنی اچھی ہے کہ میرے خیال میں ہم اس وقت تک اس ملک کو فتح نہیں کر سکتے جب تک کہ ہم ان کی دینی اور ثقافتی اقدار کو توڑ نہ دیں جو ان کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ ہم ان کا قدیم نظام تعلیم اور تہذیب تبدیل کریں۔ کیونکہ اگر ہندوستانی لوگ یہ سمجھیں کہ ہر انگریزی اور غیر ملکی شے ان کی اپنی اشیا سے بہتر ہے تو وہ اپنا قومی وقار اور تہذیب کھو دیں گے اور حقیقتاً ویسی ہی مغلوب قوم بن جائیں گے جیسا کہ ہم انھیں بنانا چاہتے ہیں۔ (بحوالہ: ویکی پیڈیا)

اس تقریر کے بعد لارڈ میکالے کو ہی ہندوستان کا نظام تعلیم وضع کرنے کی ذمہ

داری سونپی گئی۔ ۱۸۳۵ء میں انگلش ایجوکیشن ایکٹ (English Education Act) بنایا گیا۔ اور ٹھیک ۲۲ رسال بعد ۱۸۵۷ء میں اس نے اپنا مقصد حاصل کرلیا۔ ہندوستان کے لوگوں میں اپنی زبان، ثقافت اور تہذیب وتمدن کے بارے میں نفرت پیدا ہوتی چلی گئی اور لوگوں نے ترقی کا ضامن اپنے زبان کی بجائے انگریزی زبان کو سمجھنا شروع کر دیا۔ یہی سوچ پورے برصغیر میں آج تک برقرار ہے، بلکہ اس کی جڑیں آج گہری سے گہری ہوتی چلی جارہی ہیں۔ 'لارڈ میکالے'' کا اصرار تھا کہ ہندوستانیوں کو انگریزی ادب پڑھایا جائے جبکہ خود انگریز اس زمانے میں کیمیا، برقیات، دھات کاری اور معدنی وسائل سے متعلق تعلیم حاصل کررہے تھے۔ انگریز اچھی طرح جانتا تھا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی پڑھانے سے ملک معاشی ترقی کی جانب گامزن ہوجاتا ہے جبکہ ادب پڑھانے سے معاشی ترقی نہیں ہوتی۔

ہمارے معاشرے میں سب سے قابل شخص وہی سمجھا جاتا ہے جسکی انگلش زیادہ بہتر ہو پھر چاہے وہ اصل علوم وفنون کی ابجد سے ناواقف ہو! حالانکہ صرف انگلش سے نہ ملک کو ترقی ملتی ہے اور نہ قوم کو۔ ہاں! یہ زبان بندے کو اس زعم میں ضرور مبتلا کر دیتی ہے کہ تم بہت پڑھے لکھے ہو! آج تقریباً دوصدیاں گزرنے کے بعد بھی ہم اسی غلامانہ نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ماننا پڑے گا لارڈ میکالے نے ایسا جال بنا کہ جسے ہم چاہ کر بھی توڑ نہیں پارہے ہیں۔ اسی لیے کسی مفکر نے کہا تھا کہ ''سب سے مشکل کام غلام کو یہ سمجھانا ہے کہ تم غلام ہو''۔

ہمارے ملک میں اکثر لوگ اردو میڈیم کا مذاق اڑاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ دیگر ممالک کی بات کی جائے تو آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ چین، جاپان، روس، سوئیڈن، فرانس، جرمنی وغیرہ میں تعلیم ان کی اپنی زبان میں دی جاتی ہے اور وہاں ترقی اور تعلیم کی شرح ہمارے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔ ان ممالک میں ان کی زبان میں ہر

قسم کی سائنس وٹیکنالوجی کا لٹریچر اور نصاب موجود ہے، جس کی ہمارے ہاں کمی ہے۔

دنیا بھر کے تعلیمی محققین اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بچوں کو ان کی قومی زبان بلکہ مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت کے بعد جب بچہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہوجائے تو پھر اسے انگریزی و دیگر زبانوں میں تعلیم دی جائے۔ ہمارے ہاں بچہ بھاری بھرکم بیگ میں ڈھیروں کتابیں اور کاپیاں اٹھائے پھرتا ہے اور صرف اپنی یادداشت کا امتحان دیتا ہے۔ اگر وہ کسی سائنس کے سوال کا جواب دے بھی دے تو اسے تفصیل سے کسی کو نہیں سمجھا سکتا، نہ ہی اس کی خوبیوں اور خامیوں کو بیان کرسکتا ہے۔ یعنی ہمارے نظام تعلیم میں طلبا کو کتابیں حفظ کروائی جاتی ہیں اور جس کی یادداشت اچھی ہوتی ہے، وہ زیادہ نمبر حاصل کر کے طرم خان بن جاتا ہے۔

دیگر ترقی یافتہ ممالک میں بچے کا بستہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے جبکہ ہمارے ملک میں نرسری کا بستہ اتنا بھاری ہوتا ہے کہ اسے اٹھانے میں والدین کا کندھا اتر جاتا ہے۔ بچہ آج بھی انگلش لٹریچر پڑھ رہا ہے، رٹ رہا ہے، امتیازی نمبروں سے پاس بھی ہو رہا ہے لیکن تخلیقی فکر اس کی نہیں ہو پا رہی ہے، اپنی سوچوں کی آبیاری نہیں کر پا رہا ہے، کیا؟ کیوں؟ کیسے؟ کے سوالات نہیں کر رہا ہے۔ اگر کہا جائے زمین گول ہے تو وہ مان لیتا ہے، زمین چوکور ہے تو بھی ہامی بھر لیتا ہے، کیونکہ جو اس کے اندر فٹ کیا جا رہا ہے اس کی سمت وہی متعین ہو رہی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے آج سے ڈیڑھ سو سال قبل لارڈ میکالے نے سازش رچائی تھی اور ہم اس کا توڑ کرنے کے بجائے اسے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ مشکل تو یہ ہے کہ جو نکلنا چاہے تو بھی ہزار جتن کے بعد اس چکرویو سے نہیں نکل سکتا۔

آج کے ہمارے نام نہاد دانشوران، مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کا ٹھیکرا، ان ہی علما اور دردمند دل رکھنے والے حضرات کے سر پھوڑتے ہیں۔ لیکن ان کی

نظر بصیرت وہ دیکھ رہی تھیں جو آج کے خود ساختہ دانشوران کی نظروں سے اوجھل تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس انگریزی زبان اور جدید تعلیمی نظام کی وجہ کر ایسا طوفان آنے والا جو ہم مسلمانوں کی اصل دولت لے اڑے گا۔ ہمارے بچوں کے ایمان وعقیدے تباہ ہو جائیں گے اور ہماری نسلیں ملحد، دین بیزار اور پیسے کمانے کی ایک مشین بن جائیں گی۔ آج اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں اور اکبر الہ آبادی کا حقیقت کی عکاسی کرتا ہوا یہ شعر سنیں۔

میں کیا کہوں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے

بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

اپنے دائیں بائیں نظر ڈالیں، آپ کو سینکڑوں لوگ اس شعر کے مصداق مل جائیں گے۔ آج ہم کھلی نگاہوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے بچے اور بچیاں کس طرح اللہ ورسول سے دور، دین وشریعت سے لاتعلق، بداخلاقی وبدکرداری کے مجسمہ، والدین کے نافرمان وباغی، حرص وہوس کے پتلے اور بے حیائی وفحاشی میں ڈوب کر سماج وسوسائٹی کے لیے ایک ناسور بنتے جارہے ہیں۔ افسوس! ہماری نگاہوں کے سامنے ہمارے بچوں کو تعلیم کے نام پر زہر پلایا جارہا ہے اور ہم جھوم جھوم کر ساقی کے ذوق انتخاب کی داد دیے جارہے ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ ہمارے اکثر مسلمانوں کے اسکول بھی انگریزوں کی نقالی میں ہی اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔ یہ وہی ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے جو انگریز چاہتے تھے۔ والدین خود بہت شوق سے اپنے بچوں کے دین وایمان کا سودا کر رہے ہیں۔ اسی لیے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا

کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

واضح رہے کہ اردو میں اسکول کو بھی مدرسہ ہی کہا جاتا ہے۔ یعنی درس لینے کی

جگہ، ہم جسے آج مسلم یونیورسٹی کے نام سے جانتے ہیں، سرسید نے اس کا نام مدرسۃ العلوم رکھا۔ اسکول وکالجز والے آج کے دور کے دینی مدرسوں پر اس شعر کو چسپاں کر کے انھیں ہدف ملامت بناتے ہیں۔ حالانکہ آج سے سو سال پہلے ہند میں اس طرح کے مدرسوں کا نہ عام رواج تھا اور نہ ہی یہ شعر ان پر کسی طرح صادق آتا ہے۔ اس لیے جناب عالی! یہ شعر مدارس اسلامیہ کے لیے بالکل نہیں بلکہ اسکول وکالج اور یونیورسٹیوں کے لیے ہے۔ جناب اکبرؔ الہ آبادی انگریزی تعلیم کے شیدائیوں کو مخاطب کر کے اپنے مخصوص طنزیہ لہجے میں جو یہ دو شعر کہے ہیں وہ اقبالؔ کے اُسی شعر کی گویا ترجمانی بھی ہے، اکبر کہتے ہیں ؎

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی، کلرکی کر، خوشی سے پھول جا

جناب اکبرؔ انگریزی تعلیم کے رَو میں بہہ کر اپنی تہذیب، اسلامی تعلیمات اور بزرگوں کو فراموش کر دینے والوں کو یہ سخت پیغام دیتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں ؎

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جس کو پڑھ کر بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مغربی نظام تعلیم کے بُرے اثرات نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی اپنی چپیٹ میں ایسا لیا کہ وہ چراغ خانہ سے شمعِ محفل بن گئیں۔ عورت اپنے عورت ہونے کے تشخص کو گم کر بیٹھی۔ نسوانیت کا وہ انمول زیور جو فطرت نے عورت کو عطا کیا تھا، وہ برابری اور حقوق کے ہوَس میں ایسا گم ہوا ہے کہ اب اسے ''چراغِ رخِ زیبا'' کا سہارا لے

کر بھی ڈھونڈنا چاہیں تو نہ ڈھونڈھ سکیں گے۔ بازار، دفتر اور جنسی ہوس ناکی کی منڈیوں نے ان کا خوب صورت نسوانی چہرہ داغ داغ کر دیا ہے۔اسی لیے علامہ اقبال کہتے ہیں ۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دِیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبّت کے لیے علم و ہُنر موت

میں ایک بات واضح کرتا چلوں کہ تعلیم صرف کتابوں کو رٹا لگانے کا نام نہیں اور نہ ہی صرف اور صرف دنیاوی تعلیم کا حصول ہے۔تعلیم کا مقصد نوکری کا حصول نہیں ہونا چاہیے بلکہ شخصیت کا نکھار اور انسانیت کی معراج ہونی چاہیے۔

ہمیں دینی اور دنیاوی دونوں علوم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔علم سے مراد علم وحکمت اور دانائی ہے جو کہ دینی کتابوں اور صاحبانِ علم ونظر سے حاصل ہوسکتا ہے۔اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے: اپنی اولاد کو دنیاوی تعلیم بے شک دو تا کہ وہ زمانے کے ساتھ چل سکیں جب کہ انھیں دینی تعلیم بھی لازمی دلاؤ تا کہ ان کی آخرت محفوظ ہوجائے۔

آج ہماری قوم کے پڑھے لکھے لوگ زور وشور کے ساتھ یہ آواز اٹھارہے ہیں کہ مدارس اسلامیہ کے بچوں کو عصری تعلیم سے بھی آراستہ کرنا چاہیے،مگر کوئی یہ کہتا ہوا نظر نہیں آتا کہ عصری تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو بھی دینی تعلیم دینے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ وہ اللہ ورسول، حلال وحرام ، جائز وناجائز، دین وشریعت اور اس کے بنیادی احکامات سے واقف ہوسکیں ۔اتنی تعلیم ہر مسلمان کے لیے بے حد ضروری ہے تا کہ بندہ ایک اچھا اور سچا مسلمان بن کر اپنی زندگی گذار سکے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ

مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ۔ علم کا حاصل کرنا ہر مرد وعورت کے لیے فرض ہے۔ (الجامع الصغیر :۵۲۴۶)

آج کے اس نازک ترین دور میں جب کہ ہمارے معاشرے کے ۹۹ رفیصد سے زیادہ بچے اور بچیاں اسکولی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں اور اسکولی سرگرمیوں (school activities) کے نام پر ان طلبہ وطالبات کو کفر وشرک پروسا جارہا ہے۔ انگریزوں سے سیکھ کر ہندتوادیوں نے تو اب ہمارے بچوں کو مکمل کافر ومشرک بنانے کا بیڑا اٹھالیا ہے۔ ان کے اسکولوں میں باضابطہ کفر وشرک کی تعلیم دی جارہی ہے، پوجا پاٹ کروائے جارہے ہیں، سوریہ نمشکار اور یوگا کی اہمیت بتاکر ہمارے بچوں اور بچیوں سے اسلامی تہذیب چھینی جارہی ہے۔ یوم آزادی اور یوم جمہوریہ کے موقع پر بھارت کو دیوی ماں بنا کر آرتی اتارا جاتا ہے۔ ہندوازم میں سرسوتی علم کی دیوی مانی جاتی ہے اس لیے اب ان اسکولوں میں سرسوتی وندنا بھی ضروری ہے۔ رکشا بندھن کے تہوار کو عملی طور پر منانا، لڑکیوں کو اسٹیج پر نچوانا اور نہ جانے کن کن خرافات کو لے کر ہمارے بچے گھر آرہے ہیں۔ اس طرح کے اسکولوں سے نکلے ہوئے نوجوانوں کی ایمانی حالت کیا ہوگی زیادہ بتانے کی ضرورت نہیں!! اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ابھی حالیہ دنوں ایک مسلم نیتا کا ویڈیو وائرل ہوا جس میں وہ غیر مسلموں کو خوش کرنے اور بھائی چارگی دکھانے کے نام پر حجر اسود کو شیولنگ بتاتا نظر آرہا ہے۔ (استغفر اللہ)

یہ آر، ایس، ایس، یا آریہ سماجیوں کی کتنی پرانی بکواس ہے، اہل علم بخوبی جانتے ہیں، لیکن افسوس! ان کے منھ کا نوالہ ہمارے لوگوں کے منھ سے نکل رہا ہے۔ اس ایک مثال سے ان گنت واقعات ہمارے قارئین کے دماغ میں خود بخود آگئے ہوں گے اور انھیں دینی تربیت سے خالی اس جدید عصری تعلیم کی بھیانک تباہی کا اندازہ ہو چکا ہوگا۔

تعلیم جیسے اہم میدان میں بھی جسے مبارک اور متبرک کہا جاسکتا ہے، اس قدر

فتنے ہیں تو دوسری جگہ کی صورت حال کیا ہوگی !۔بعض طلبہ وطالبات اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کے غیر اخلاقی حرکات وسکنات کو دیکھ کرتو سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔سچ ہے کہ ایسی تعلیم حاصل کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ انسان جاہل رہ جائے۔حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے (اونچی محفوظ عمارت) پر چڑھے، پھر فرمایا: کیا تم (بھی) دیکھتے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ لوگوں نے کہا نہیں ! توآپ نے فرمایا ''إِنِّي لَأَرَىٰ الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْقَطْرِ'' (صحیح بخاری :۱۸۷۸) میں فتنہ دیکھتاہوں جو بارش کے قطروں کی طرح تمھارے گھروں میں داخل ہورہے ہیں۔

آج تعلیم کی خوش نما راہ سے بھی ہمارے گھروں میں فتنے داخل ہورہے ہیں۔جس کا سدباب کرنا ہرمسلمان کے لیے لازمی ،ضروری اوراہم ترین دینی تقاضہ ہے۔اس لیے اگرآپ مسلمان ہیں، دعوئ مسلمانی کرتے ہیں تو اللہ کے لیے اپنے بچوں کی دینی تربیت کریں اورانھیں کفروشرک کے اس تباہ کن دلدل سے بچائیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے : يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا قُوٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۔اے ایمان والو! خودکواوراپنے گھروالوں کواس آگ سے بچاؤجس کاایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔(سورہ تحریم:٦)

اخیر میں اپنے عزیز نوجوانوں کو دوشعر میں اپنا پیغام دیتے ہوئے یہ موضوع ختم کرتاہوں۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

مسٹر اور ملا کی جنگ

اس بھارت کی دھرتی پر مسٹر اور ملا کی لڑائی تقریباً ڈیڑھ صدی پر مشتمل ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف سینکڑوں کتابیں اور ہزار ہا مضمون نظم ونثر کی صورت میں لکھی گئیں۔ ایک دوسرے کو قوم وملت کے زوال کا حقیقی ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔علمائے حق اور علمائے ربانیین کی قابل احترام جماعت کو بطور تضحیک وتمسخر ''ملا'' کہہ کر مخاطب کرنے کا رواج ایسا عام ہوا ہے کہ: ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م:۱۶۵۷ء) ملا محب اللہ بہاری (م:۱۷۰۸ء) اور ملا احمد جیون سلطان پوری (م:۱۷۱۸ء) جیسے عظیم علما وفضلا کے نام کے آگے ''ملا'' لگا دیکھ کر اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی چونک جاتے ہیں۔یہی حال موجودہ زمانے میں دین بیزار یا علما بیزار طبقہ نے لفظ ''مولوی'' کا بھی کر دیا ہے۔اسی طرح لفظ ''مسٹر'' کہہ کر جدید تعلیم یافتہ ،ماڈرن اور آزاد خیال مسلمانوں کو بھی اسلام پسندوں کی جانب سے خوب ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔

خصوصی طور پر دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم کا ذمہ دار تو ''مدارس اسلامیہ اور علما'' ہی کو گردانا جاتا ہے۔عام سے لے کر خاص تک اس حوالے سے سخت غلط فہمی کے شکار ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ اس کی قدرے تفصیل پیش کی جائے تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب کو ''درس نظامی'' کہا جاتا ہے اور یہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر (م:۱۷۰۷ء) کے دور میں ملا نظام الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۷۴۸ء) نے ترتیب دیا تھا۔ ''سہال'' ضلع بارہ بنکی (یوپی) کے ایک گاؤں کا نام ہے۔آپ کے والد ملا قطب الدین سہالوی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۱۰۳ھ) ماہر علوم نقلیہ وعقلیہ

اور فقیہ اصولی تھے۔آپ نے شرح عقائد دوانیہ پر نہایت دقیق علمی حاشیہ لکھا اور دور و دراز کے سینکڑوں علما نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ان کی جلالت علمی کی وجہ کر بادشاہ وقت اورنگ زیب عالمگیر نے انھیں وزیر مذہبی امور کے منصب جلیلہ پر فائز کر رکھا تھا۔اسی ''سہال'' میں آپ کا علمی و دینی خاندان آباد تھا اور وہ تعلیمی و دینی سرگرمیوں میں مصروف رہتے تھے۔ایک گروہ کے ساتھ ان کا جھگڑا ہو گیا، جو طاقت ور تھا اور انہوں نے ملا قطب الدین کو شہید کر کے ان کی حویلی کو نذر آتش کر دیا اور زمینوں پر قبضہ جما لیا۔(حدائق الحنفیہ)

ملا قطب الدین شہید رحمہ اللہ کے بیٹے ملا نظام الدین اپنے خاندان کو لے کر لکھنو شہر میں آ گئے، سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں ایک یورپی تاجر کی خالی کردہ غیر آباد کوٹھی ''فرنگی محل'' عطا کر دی کہ وہ اس میں ٹھکانہ کریں اور اپنا تعلیمی نظام چلائیں، انہوں نے وہاں پناہ لی اور تعلیمی نظام قائم کیا جو اب تک ''فرنگی محل'' کے نام سے آباد ہے۔ ملا نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ نے اپنے پہلے سے چلے آنے والے نصاب تعلیم کو از سر نو مرتب کیا جو ان کے نام سے موسوم ہو کر ''درس نظامی'' کہلایا اور ڈیڑھ صدی سے زائد عرصہ تک اس خطہ کے اکثر مدارس میں یہی نصاب پڑھایا جاتا تھا۔اس نصاب میں قرآن وحدیث، فقہ وشریعت اور فارسی و عربی زبان کے وہ تمام مضامین شامل تھے جو آج دینی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ حساب، ہندسہ، ہیئت، طب، تاریخ، جغرافیہ، وضع آلات، فلکیات، فلسفہ، منطق اور دیگر علوم بھی شامل نصاب تھے، جو آج انجینئرنگ، ریاضی، میڈیکل، سائنس اور دیگر عنوانات کے ساتھ عصری علوم کہلاتے ہیں اور اسکول و کالج کے نصاب کا حصہ ہیں، یہ دونوں علوم ایک ہی چھت کے نیچے ایک چار دیواری کے اندر، ایک تپائی اور ان ہی اساتذہ کے ذریعہ پڑھائے جاتے تھے جو قرآن و حدیث جیسے دینی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔

یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہا اور جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی پسپائی کے بعد انگریزوں نے براہِ راست اقتدار پر قبضہ کرلیا اور سارا نظام ختم کر کے نیا نظام رائج کیا تو نئے تعلیمی نصاب سے عربی، فارسی، قرآن کریم، حدیث، فقہ اور دیگر اسلامی مضامین کو خارج کر دیا اور ان علوم کو معاشرے میں باقی رکھنے کے لیے ہمارے علما اور بزرگوں نے تعلیم کا یہ پرائیویٹ نظام تشکیل دیا جو آج ہزاروں دینی مدارس کی صورت میں کام کررہا ہے۔

اس لیے پہلی بات یہ سمجھنے کی ہے کہ دینی وعصری علوم کی یہ تقسیم مدارس یا علما نے نہیں کی بلکہ یہ ان پر مسلط کی گئی، اور بلا وجہ ان کے کھاتے میں ڈال دی گئی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ دین کا حقیقی درد رکھنے والے ہمارے مدبر علما، اکابرین اور بزرگوں نے سوچا کہ اگر قرآن وحدیث، فقہ وشریعت اور عربی علوم کی تعلیم کا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا تو دوسری یا تیسری نسل میں یہ باقی نہیں رہیں گے۔ اس لیے ان علوم کی تعلیم وتدریس کو باقی رکھنے کے لیے دینی مدارس قائم کیے گئے، جو کسی قسم کی سرکاری امداد یا مداخلت کو قبول کیے بغیر آزادانہ طور پر گزشتہ ڈیڑھ صدی سے ان علوم کی تعلیم کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور کم و بیش ایک صدی تک ان مدارس کا مجموعی ماحول یہ رہا ہے کہ مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھ کر اور محلہ سے مانگ کر لائی جانے والی روٹیاں کھا کر ہزاروں علما وطلبہ نے اس نظام کو چلایا ہے۔ علما کو جو زکوٰۃ خور کہہ کر آج نشانہ بناتے ہیں، انھیں پہلے تو اس مسئلے کو سمجھنا چاہیے کہ جو مستحق زکوٰۃ ہیں، ان کے لیے ''مال زکوٰۃ'' بالکل پاک وصاف ہے۔ اس لیے اس پر اعتراض کرنا اور علما وحفاظ کو ہدف تنقید بنانا اسلام کے ''نظام زکوٰۃ'' پر سوالیہ نشان لگانا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر یہ علما جنھیں آپ زکوٰۃ خور کہتے ہیں، فقر وفاقے اور غربت ومسکینی میں مست قلندروں کی یہ جماعت نہ ہوتی تو اس دھرتی پر اسلام اسپین کی طرح اپنا وجود کھو چکا ہوتا۔ آج بھی آپ

آنکھیں کھول کر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں اسلام اور دین کی جو بہاریں نظر آ رہی ہیں وہ کسی سیٹھ، ساہوکار اور سرمایہ داروں کی وجہ سے نہیں بلکہ ان غریبوں نے ہی ہر جگہ اپنے دم سے زینت و رونق پیدا کر رکھی ہے۔ جناب اقبال نے یوں ہی نہیں کہا تھا۔

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امرا نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

مدارس اسلامیہ کے حوالے سے نیچے آنے والے سبق آموز بیان کو چشمِ دل سے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

علامہ اقبالؔ کا ایک اہم پیغام

جناب حکیم احمد شجاع پنجاب اسمبلی کے ایک اہم عہدے پر فائز اور علامہ اقبالؔ سے اکتساب فیض اور علمی خوشہ چینی کرنے والوں میں سے تھے۔ وہ پاکپتن شریف کے کسی ایک مدرسے کی تغیر و تبدل کے حوالے سے علامہ سے گفتگو اور مشورہ کرنے کی نیت سے لاہور پہنچے۔ حکیم شجاع اپنی کتاب ''خوں بہا'' میں لکھتے ہیں:

''کسی قطعی اقدام سے پہلے میں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اپنے فیصلے کو اس عظیم الشان انسان کی رائے سے مضبوط اور مستحکم کروں جس کی فطرت حق شناس کی تجلی، زندگی کی کئی مشکل راہوں میں میری شمع ہدایت بن چکی تھی، اور جو اس فطری سعادت کے

باعث، بعد میں حکیم الامت کے عالی قدر لقب سے مشہور ہوا‘‘۔ لاہور آ کر میں نے پاکپتن شریف کے مسلمانوں کی یہ نفسیاتی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی روئیداد سر محمد اقبال کو سنائی، وہ پہلے تو حسب عادت میری باتیں غور سے سنتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے۔ پھر آنکھیں بند کر کے کچھ سوچنے لگے۔ جب میں اپنی کہانی سنا چکا، تو فرمایا: جب میں تمہاری طرح جوان تھا، تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی۔ میں بھی وہی کچھ چاہتا تھا، جو تم چاہتے ہو۔ انقلاب! ایک ایسا انقلاب! جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے۔ یورپ کے دیکھنے کے بعد میری رائے بدل گئی ہے۔ ان (دینی) مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو۔ اگر یہ ملا اور یہ درویش نہ رہے، تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا، میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ان (دینی) مکتبوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمرا اور باب الاخوتین کے سوا، اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا۔ ہندوستان میں آگرے کے تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا، مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

پھر اس مفکر اعظم کی آنکھیں جواب آنسوؤں سے لبریز تھیں، فضا کی وسعتوں میں کچھ دیکھنے لگیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ وہ دیکھ رہی ہیں ہمیں نظر نہیں آتا، پھر اسی طرح فضا میں نظریں گاڑے اپنی سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی لے میں، جو ان کے آنسوؤں کے رُکے ہوئے طوفان کو اپنے اندر جذب کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، یہ اشعار پڑھنے لگے:

کل ایک شوریدہ بارگاہ نبی پر رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستان کے مسلم، بنائے ملت مٹا رہے ہیں

غضب ہیں یہ مُرشدانِ خود بیں، خُدا تری قوم کو بچائے!
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزّت بنا رہے ہیں
سُنے گا اقبالؔ کون ان کو، یہ انجمن ہی بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پُرانی باتیں سنا رہے ہیں!

(خوں بہا، حصہ اول، ص: ۴۳۸ تا ۴۴۰ ۔بحوالہ: اقبال اور مسٹر، ناشر: گوشہ ادب، چوک انارکلی لاہور، اشاعت دوم: ۱۹۵۶ء)

بہر حال! ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے حوالہ سے ہمارے جدید پڑھے لکھے اور دانشور کہلانے والے ''مسٹر'' نے خود یہ کہہ کر ''ملا'' کو پیچھے دھکیل دیا تھا کہ معاشرے کی اجتماعی قیادت اس کا کام نہیں ہے، بس وہ آرام سے اپنے گھر، مسجد اور دینی معاملات دیکھیں۔ امت کی قیادت اور نئی نسل کی تعمیر و ترقی کے لیے اب راہ ہم پیدا کریں گے۔ چنانچہ ''ملا'' نے اپنے بھائیوں کی یہ بات مانتے ہوئے ان کے لیے میدان کھلا چھوڑ کر اپنے ذمہ یہ کام لے لیا تھا کہ امت کے اجتماعی کام آپ سنبھالیں، ہم قرآن وسنت کی تعلیمات کو باقی رکھنے اور امت کی اگلی نسلوں تک دین پہنچانے کا فریضہ انجام دینے کے لیے تیار ہیں۔ اور پھر یہ ڈیوٹی اپنے ذمہ لے کر ''ملا'' اپنے مشن کے فروغ کے لیے کمربستہ ہو گیا۔

البتہ اس کے ساتھ وہ انگریزوں کے خلاف مجاہدانہ سرگرمیوں اور اسلامی تعلیمات کے منافی کسی بھی عمل کے خلاف اظہار حق سے کبھی دستبردار نہیں ہوا۔ معاندین اسلام نے جب کوئی ہرزہ سرائی کی تو وہ اپنے و بیگانے کا فرق کیے بغیر اس پر سخت ضرب لگائی۔ شریعت اسلامیہ پر کسی نے بھی لب کشائی کی تو اسے دنداں شکن جواب دیا۔ اپنے حجرے میں بیٹھ کر ''ملاؤں'' کی یہ جماعت امت کی رہنمائی اور دین کی آبیاری میں شب و روز مشغول رہی۔ اپنے مقصد اور ہدف سے ایک لمحے کے لیے بھی وہ غافل نہیں ہوئے۔

اپنی ڈیوٹی ادا کرنے میں ان ''ملاؤں'' نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے پورے برصغیر میں مدارس اسلامیہ کا ایک جال سا بچھ گیا اور مسلمانوں کی حکومت ختم ہوجانے کے باوجود یہ سرزمین اسپین نہیں بنی۔ آخر اس کا کریڈیٹ کس کو جاتا ہے، ''ملاؤں'' کو یا ''مسٹروں'' کو!!۔ ماننا پڑے گا کہ یہ ان ہی علمائے ربانیین کی کاوشوں کا ثمرہ ہے جنھیں بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑا گیا۔ ''ملا'' نے تو اپنے حصے کا ایسا کام کیا کہ آج قرآن وسنت کے علوم اور اسلامی روایات واقدار کی اشاعت وتشہیر کے حوالے سے جنوبی ایشیا کا یہ خطہ دنیائے اسلام میں امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔

دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ یعنی ''مسٹر صاحبان'' اپنے حصے کا کام انجام نہیں دے سکے اور گزشتہ ڈیڑھ سو برس میں ہماری قوم عصری علوم وفنون، سائنس وٹکنالوجی، صنعت ومعیشت اور سیاست وقیادت کے میدان میں کہاں کھڑی ہے، ہر ایک کو معلوم ہے!!۔ ایسے میں بچنے کی صورت انھیں اسی میں نظر آئی کہ اس ساری ناکامی کا ذمہ دار ''ملا'' ہی کو بنا دیا جائے اور اس کے بارے میں خوب پروپگنڈے کیے جائیں کہ:

مسلمان سائنسی ترقی اور تعلیمی میدان میں باقی قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے، اس کا ذمہ دار ''ملا'' ہے۔

مسلمان اپنے معاشی وسائل سے استفادہ نہ کرسکے اور نہ ان پر اپنا کنٹرول قائم رکھ سکے، اس کا ذمہ دار ''ملا'' ہے۔

مسلمان اپنے دفاع میں دوسری اقوام کے ہم پلہ نہیں، یہ بھی ''ملا'' کا قصور ہے۔

مسلمان کو آج کی ٹکنالوجی پر گرفت حاصل نہیں ہے، یہ کوتاہی بھی ''ملا'' کے کھاتے میں ہے۔

مسلمان اپنی سیاسی وحدت ومرکزیت قائم نہیں رکھ سکے اور انتشار وانارکی

کے شکار ہو گئے، یہ بھی ''ملا'' کی نا اہلی کا نتیجہ ہے۔

غرضیکہ امت کی ہر ناکامی اور کوتاہی کا ٹھیکرا ''ملا'' کے سر پھوڑنا ایک فیشن بن گیا۔

قوم وملت کے ذمہ داران کو ذرا اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ: امت میں اسی ایک طبقہ کے ذمہ سب کچھ ہے! یا ''پھر اوروں کی بھی کچھ ذمہ داری بنتی ہے''۔ پھر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ''مسٹر'' نے اپنے ہاتھ میں یہ ساری ذمہ داری لے لی تھی، اس لیے ان شعبوں میں ناکامی کا ذمہ دار بھی ''مسٹر'' ہی ہے۔ اور اگر وہ ''ملا'' کو طعنہ دے کر اپنی ان ناکامیوں پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ تاریخ کی کسوٹی بالآخر کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دیتی ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے دوست بھی سوچے سمجھے بغیر اسی طرح کی تکرار اور بحث ومباحثہ شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے یہ تحریر دعوت فکر ونظر ہے۔

مسٹر کی کارکردگی پر، پروفیسر محسن عثمانی کا تجزیہ

آج بھی کھلی نگاہوں سے دیکھا جاسکتا ہے کہ علمائے حق کیا کر رہے ہیں اور ہمارے ماڈرن تعلیم یافتہ حضرات جنھیں انگریزی میں انٹلکچوئیل (intellectual) کہا جاتا ہے، ان کی اکثریت کیا کر رہی ہے۔ پروفیسر محسن عثمانی ندوی ایک معروف اردو عربی ادیب، انشا پرداز اور ناقد وصحافی ہیں، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے استاذ بھی رہے ہیں۔ وہ کالج ویونیورسٹیز کے مسلم اساتذہ اور دانشوران پر اکثر تنقیدی مضامین لکھتے رہتے ہیں بلکہ سخت لکھتے ہیں لیکن بات خدالگتی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اب افسوس کسی یونیورسٹی سے جوئے حیات ابلتی نہیں ہے نہ کہیں درد وسوز ہے نہ بحر کی موجوں میں اضطراب ہے، نہ کہیں علم کا ساز ہے نہ ادب کی آواز ہے، نہ کوئی خیال نو، نہ جرأت اندیشہ نہ ترقی وتعمیر کا منصوبہ، نہ کوئی بصیرت افروز رہنمائی، نہ فساد اور انتشار کی

قوتوں سے نبرد آزمائی، نہ کوئی تدبیر نہ کوئی عزم وارادہ، نہ کوئی منزل نہ کوئی جادہ۔ بس جمود ورکود وخمود، بے حسی، مردنی اور کتاب وقلم سے بیگانگی ہے''۔

آگے لکھتے ہیں: پروفیسر حضرات کے یہاں ٹک کے بجائے چیک ٹک کا اہتمام پایا جاتا ہے۔ بنگلہ اور گملہ، موٹر اور نوکر یا شوفر کسی چیز کی ان کے پاس کمی نہیں ہوتی ہے۔ معیار بندگی ان کا بلند ہو یا نہ ہو معیار زندگی ان کا ہمیشہ بلند ہوتا رہتا ہے۔ ان کی مالی سطح اتنی بلند ہوجاتی ہے کہ ستارے گرد راہ ہوتے ہیں اور علمی سطح اتنی پست ہوتی ہے کہ غبار راہ بھی بلند تر ہوتا ہے۔ کئی سال گزر جاتے ہیں ان کی کوئی علمی کتاب سامنے نہیں آتی ہے۔ قرآن کریم نے سورہ یوسف میں قحط سالی کے سات سال کو ''سبع عجاف'' کہا ہے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ کے یہاں قحط سالی کے سات نہیں ساٹھ سال سے بھی زیادہ ہوتے ہیں، کم از کم طویل وقفہ کے بعد تو ذہن کی زرخیزی اور شادابی کا کوئی ثبوت سامنے آنا چاہیے ورنہ یہ فیصلہ صادر کرنا ہوگا کہ ان کے فکر کی سطح بالکل بنجر اور روئیدگی کی صلاحیت سے محروم ہوچکی ہے لیکن اساتذہ اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرتے۔ ان کے طلسم خیال میں ایوان علم وادب میں ان کے نام کو پھر بھی باقی رہنا چاہیے اور سمیناروں میں ان کے نام دعوت نامہ آنا چاہیے۔ ہر استاد پہلے لکچرر سے ریڈر اور ریڈر سے پروفیسر بننے کے لیے بیتاب اور کریئر کی ترقی کے لیے ماہی بے آب ہوتا ہے۔ جب تک وہ لکچرر رہتا ہے صرف اس غرض سے کچھ لکھتا پڑھتا ہے کہ انٹرویو میں اسے ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ''ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں'' اور پھر اسی نیت سے وہ کچھ لکھ پڑھ لیتا ہے کہ ابھی پروفیسر بننے کا آخری مرحلہ باقی ہے۔ پروفیسر بننے کے بعد لکھنے پڑھنے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے۔ علم اور فکر وادب کی ثروت میں اضافہ کرنا دور دور تک ان اساتذہ کے حاشیہ خیال میں نہیں ہوتا ہے نہ عام طور پر ان کو علمی کاموں کا شوق ہوتا ہے نہ مزاج۔ بعض تو ایسے اساتذہ بھی ہوتے ہیں جو اپنا پبلیشڈ ورک بڑھانے کے

لیے دوسروں سے کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کرتے ہیں اور پس پردہ لکھنے والوں کو معاوضہ ادا کرتے ہیں۔قرآن کی آیت ''وَّ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا'' کی مجسم تصویر۔اگر مسلم اساتذہ کی یہ ساری تصویر درست ہے تو بہت شرم ناک ہے۔

آگے کچھ باصلاحیت افراد کے ساتھ یونیورسٹیز میں ہونے والی ناانصافیوں کا ذکر کرنے کے بعد عثمانی صاحب لکھتے ہیں: یہ ہیں یونیورسٹی کے وہ اساتذہ جنہیں انصاف کے ڈگر پر چلنا نہیں آیا اور جو یونیورسٹی کے باغ میں ناانصافی کے درخت لگاتے رہتے ہیں۔عربی کے اساتذہ کی اور ہر مسلمان استاذ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی علمی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو وہ ادا کریں اور ان کی تصویر پر لگے ہوئے سیاہ دھبوں کو مٹائیں۔ایک اور سیاہ دھبہ کا ذکر مناسب ہے۔دہلی میں بہت سے غیر مسلم بھی اپنے مادی فائدے کے لیے عربی پڑھتے ہیں۔دو فوجیوں نے عربی پڑھی اور سعودی عرب میں ہندوستانی سفارت خانہ کے ایک عہدہ کے (غالباً ڈفنس اٹیچی کے عہدہ کے) امیدوار ہوئے۔سرکاری طور پر جامعہ ملیہ کے ایک پروفیسر کو امتحان کا اکسپرٹ بنایا گیا۔دونوں امیدواروں میں سے ایک کی عربی بہت اچھی تھی دوسرے کی بہت کمزور، دونوں کے درمیان کوئی مقابلہ ہی نہ تھا لیکن جب امتحان کا نتیجہ سامنے آیا تو جس کی عربی بہت کمزور تھی وہ کامیاب ہو گیا تھا اور جس نے بہت محنت سے عربی پڑھی تھی وہ ناکام تھا۔پروفیسر کو یہ بھی خیال نہیں آیا کہ اپنے بعض دوستوں کی سفارش کی وجہ سے انہوں نے جو بے ایمانی کی ہے اس کی وجہ سے اس ہندو کے ذہن میں پوری ملت اسلامیہ کی کیا تصویر بنی ہوگی۔عربی ترجمہ میں مہارت پیدا کر لینا آسان ہے اور انصاف کی ڈگر پر چلنا مشکل ہے۔جامعہ ہمدرد کی ایک پوسٹ پر انٹرویو میں اس فاضل امیدوار کا انتخاب نہیں ہو سکا تھا جو ایک معروف انگریزی اخبار کا دس برس ایڈیٹر رہا جس نے عربی اردو زبان میں علمی کتابیں لکھیں اور انٹرویو میں کمتر صلاحیت کے شخص کا

انتخاب ہو گیا۔ اکسپرٹ علی گڑھ یونیورسٹی سے تشریف لائے تھے۔

پروفیسر محسن عثمانی صاحب اسی مضمون میں یہ بھی لکھتے ہیں: ہندوستانی یونیورسٹی کے اساتذہ سمینار یا اور کسی موقع پر آپس میں ملتے ہیں تو ان کی گفتگو کا موضوع کوئی کتاب نہیں ہوتی ہے وہ کسی علمی مسئلہ پر یا کسی تحریر یا نظریہ کے بارے میں تبادلہ خیال نہیں کرتے ہیں۔ وہ نئے آنے والے اسکیل پر یا نئے انکریمنٹ کے بارے میں باتیں کریں گے یا کسی بدعنوانی کی افواہ کو موضوع گفتگو بنائیں گے۔ اس سے ان اساتذہ کی ذہنی سطح کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسان کی گفتگو اس بات کی آئینہ دار ہوتی ہے کہ اس کے دماغ میں کیا بھرا ہوا ہے اور اس کی ذہنی سطح کیا ہے۔ عصری جامعات کے اساتذہ میں شوق علم کیوں ختم ہو گیا ہے اور ان کا نشتر تحقیق اب کیوں کند ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے اب زندہ آئیڈیل باقی نہیں رہ گئے ہیں اور اہل علم اور اہل ادب کی صحبت میسر نہیں ہے۔ اچھا اسکالر اور اچھا دانشور بننے کے لیے ایک اچھے اسکالر اور اچھے دانشور کی صحبت ضروری ہے۔ علم کی دنیا میں ہمیشہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، علم کے ذوق کے لیے طالب علم کی زندگی کے ساز کو ایک اچھے اسکالر کے مضراب حیات کی ضرورت ہوتی ہے، ایک باکمال استاذ کی شفقت آمیز رہنمائی سے طلبہ کا غنچہ حیات شگفتہ ہوتا ہے۔ اس میں شرافت اور شائستگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ استاذ کی تربیت ہوتی ہے جو شاگرد کو کردار کا غازی اور مفکر اور مصنف بناتی ہے اس لیے ایک اچھے استاذ کو انسان کامل اور مرد عاقل کی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے، اخلاق کی خوشبو میں اسے گل تازہ کے مانند، فکر کی تابانی میں اسے خورشید سحر اور انسانیت کی کشت زار کے لیے اسے نوید بہار ہونا چاہیے۔ اسے طالب علموں کے لیے بہترین نمونہ ہونا چاہیے۔ بازار اور تفریح گاہوں سے اسے دور اور نفور ہونا چاہیے، اس کے قدم کے نقوش کتب خانوں میں اور ایوان درس میں پڑنے چاہئیں اور اس کے قلم کے نقوش اخبارات و رسائل اور کتابوں کے صفحات میں نظر آنے چاہئیں۔ جہاں اس کا قدم ہو وہ جگہ رشک ارم ہو،

جس مکان میں اس کے قدم ہوں وہ میمنت لزوم ہوں۔ جس جگہ اس کی سواری پہنچے ہر طرف سے باد بہاری پہنچے، جس راستہ سے وہ گزر جائے وہ راستہ مشک بار ہو جائے۔ یہ سب کچھ مبالغہ نہیں معلم کا مقام بہت بلند ہے کیونکہ پیغمبر بھی معلم ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنی کیمیا اثری سے مردوں کو مسیحا اور ذرہ بے مقدار کو رشک ماہتاب بنا سکتا ہے۔ یہ وہ صاحب کمال اور صاحب خلق حسن استاد ہوتا ہے جس کے لیے ذرہ ذرہ دعا گو ہوتا ہے۔

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

ابھی مسلمانوں پر جو نئی افتاد پڑی ہے، یونیفارم سول کوڈ (اور دیگر اسلام اور مسلم دشمن اسکیم) کی جو تلوار لٹک رہی ہے مسلمانوں کے خلاف عداوت کا جن جو بوتل سے باہر آ گیا ہے، اس کے خلاف اس وقت کون شمشیر آزما ہے؟ مدارس کے علما یا عصری جامعات کے اساتذہ؟ (یعنی، ملا یا مسٹر!)

ع ''کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے ہیں''

یونیورسٹی کے خوش پوشاک اور خوش خوراک اور خوش حال مسلم اساتذہ کا یہ منظر نامہ جو اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے اگر چہ مایوس کن ہے لیکن شاید یہ تحریر کچھ اساتذہ کے لیے ہمت افزا اور شوق انگیز بن جائے، وہ ملت کے کاموں میں ملت کا تعاون کر سکیں اور ان کے دل میں اپنے مقام و مرتبہ کا احساس پیدا ہو جائے اور ان کے اندر اپنے پیشہ کے ساتھ وفاداری اور پاس داری اور علمی کاموں کی ذمہ داری کا جذبہ ابھر آئے کہ یہی مقصود و مطلوب ہے۔

پروفیسر صاحب اخیر میں لکھتے ہیں: بعض اساتذہ کی شخصیت حیوان ناطق کے بجائے حیوان کاسب (کمانے والا جانور) کی مصداق بن گئی ہے۔ بعض اساتذہ تو معمولی درجہ کے غیر علمی کاروباری نوعیت کے ترجمہ کے کاموں کے لیے زندگی وقف کر دیتے ہیں اور

’’کون بنتا ہے کروڑ پتی‘‘ کی ریس میں شامل ہوجاتے ہیں۔ اگر وہ قابل ذکر علمی ادبی کام نہیں کرسکتے ہیں تو مسلمانوں کے لیے اسکول اور کالج قائم کرنے کی کم از کم فکر انہیں ہو، کہ یہ بھی بہت بڑی ملی اور سماجی خدمت ہے اور ملت کی تعمیر وترقی کے لیے یہ ضروری اور بہت ضروری کام ہے۔ اساتذہ کی تنظیم قائم کرکے وہ بہت سے رفاہی اور فلاحی کام انجام دے سکتے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے مسلم اساتذہ کو اقبال کے الفاظ میں یہ کہنے کا جی چاہتا ہے ؂

کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی
یہ بے سوادی یہ کم نگاہی

(دعوت ویکلی، شمارہ: ۲۷/ جولائی ۲۰۲۳ء)

چند سال قبل اسی اخبار ہفت روزہ، دعوت نئی دہلی میں پروفیسر محسن عثمانی صاحب کا اسی طرح کا مضمون نظروں سے گذرا تھا، جس کے چند جملے ذہن میں محفوظ رہ گئے، انھوں نے لکھا تھا: ’’ہمارے ان دانشوروں کو ہر سیمینار اور مشاعرہ میں مہمان خصوصی بنا کر دعوت دی جائے، کتابیں چھپیں تو انھیں مفت میں پیش کیا جائے، کسی سماجی اور فلاحی کام سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں اور کوئی دینی کام کرنا تو یہ حضرات اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں‘‘۔

(ہوسکتا ہے من وعن نہ ہو مگر مفہوم یہی تھا۔ افسوس اس کا حوالہ نہ مل سکا، مگر پیش کیا گیا مضمون تقریباً اسی طرح کا ہے)

یہ باتیں اگرچہ بڑی تلخ ہیں مگر اس کا نہ مطلق انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ فرار ممکن ہے۔ آج سماج وسوسائٹی پر نظر ڈالیں تو بات آئینے کی طرح سامنے آجائے گی۔ ہمارے سماج کا دو اہم طبقہ اگر اپنی واقعی ذمہ داری کو نبھاتا تو آج قوم کی حالت اس قدر دگرگوں نہ ہوتی۔ ایک طبقہ ’’سرمایہ داروں‘‘ کا ہے اور دوسرا ’’اہل علم اور دانشوروں‘‘ کا ہے۔ آپ زمینی طور پر جائزہ لیں اور بتائیں کہ ہمارے کتنے سرمایہ دار اور دانشوران، قوم وملت کی ترقی اور ان کے فلاح وبہبود کے لیے سرگرم عمل ہیں!!۔ الا ماشاء اللہ، کہیں کہیں

چند حضرات ایسے مل جائیں تو مل جائیں جنھوں نے سخت تاریکی میں امید کی شمع روشن کر رکھی ہو، ورنہ تو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

خلاصۂ کلام

بہر حال جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ پوری اسلامی دنیا کے ساتھ اس خطہ برصغیر میں بھی دینی اور دنیوی تعلیم کی کوئی تقسیم نہ تھی۔ بلکہ دونوں ایک ہی تعلیمی نظام (نظام مدرسہ) کے تحت چلتے تھے۔ ایک ہی مدرسے سے پڑھ کر کوئی مفتی بن کر نکلتا تو کوئی ریاضی کا ماہر بن کر، کوئی شیخ الحدیث بن جاتا تو کوئی ڈاکٹر۔ کوئی قرآنی علوم کا ماہر بن کر اور کوئی انجنیئر اور سائنٹسٹ بن کر معاشرے کی تشکیل وتعمیر میں اپنا کردار ادا کرتا۔ مسلم سائنس دانوں اور عظیم علما کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔

لارڈ میکالے نے برصغیر میں 1835ء میں Divide and rule کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے اپنی مشہور ''Minutes on Indian Education' کے ذریعے مغربی طرزِ تعلیم کو فروغ دیا اور روایتی دینی ومذہبی تعلیم کو کمزور کرنے کی بنیاد رکھی اور یوں ''ملا اور مسٹر'' کی صورت میں نفرت کے بیج بو دیے۔ اس کا منصوبہ تھا کہ ہندوستانیوں میں ایسا طبقہ پیدا کیا جائے جو ''رنگ ونسل'' سے تو ہندوستانی ہو، مگر taste، intellect، morals،opinions کے لحاظ سے انگریز ہو۔

میکالے کے نظام نے دینی اداروں کو الگ کر دیا اور انہیں ''غیر رسمی'' یا ''قدیم'' تصور دیا، جب کہ دنیاوی تعلیم کو ''جدید'' اور ''ترقی یافتہ'' کا درجہ ملا۔ یہی وہ وقت تھا جب تعلیم میں عملی طور پر یہ تقسیم واضح اور پختہ ہوئی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تقسیم میں شدت پیدا ہوتی رہی ہے۔ جدید علوم حاصل کرنے والے دین سے دور ہوئے اور

مدرسوں میں پڑھنے والوں کو انھوں نے غیر ترقی پسند سمجھا۔ جب کہ دوسری طرف مذہبی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والے ملکی نظم ونسق میں کوئی نمایاں کردار ادا کرنے کے قابل نہیں ہوئے اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے تمام طالب علموں کو مذہب مخالف اور دین بیزار سمجھنے کا تصور پیدا ہوا۔ اسی خلیج اور تفریق کی وجہ کر ملت اسلامیہ کا بے حد نقصان ہوا، آپس میں دوریاں بڑھیں، غیر ضروری مباحث کے دروازے کھلے ، آپس میں افادۂ واستفادہ بالکل نہ ہوسکا اور انگریزی مشن کے مطابق مسلم قوم عروج سے بڑی تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہوگئی۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اس قدیم وجدید، ترقی یافتہ وغیر ترقی یافتہ اور ''مسٹر وملا'' کی بحث کو ختم کیا جائے۔ ایک دوسرے کے ساتھ قوم وملت کی تعمیر وترقی کے حوالے سے تبادلۂ خیال ہو اور ایک دوسرے سے اکتساب علم کیا جائے ، اپنے پرانے طرز پر چلنے والے اداروں کے ساتھ ساتھ ایسے اسکول وکالج اور مدارس قائم کیے جائیں جو قدیم وجدید اور دینی وعصری تعلیم کے حسین سنگم ہوں۔ اس حوالے سے دکنی صوبوں میں کافی زیادہ بیداری ہے، جس کا سہرا کیرلا کی ایک عظیم شخصیت حضرت علامہ شیخ ابوبکر بن احمد مسلیار الشافعی مدظلہ العالی کے سر جاتا ہے۔ ۹۵ رسالہ اس مرد مومن نے علمی اور عملی میدان میں یکا وتنہا وہ کر دکھایا جو پوری حکومت نہیں کر پاتی۔

نازکیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد ہیں وہ ، جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

گنگا جمنی تہذیب

موجودہ دور میں سیکولرزم اور گنگا جمنی تہذیب کے نام سے بھی مسلمان بہت دھوکا کھا رہے ہیں۔ اکثر اس نام پر سیاسی مسلمان ایمان واسلام کی سرحد پار کر جاتے ہیں۔ ہمارے فرضی روشن خیال، دانشوران اور سیاسی حضرات نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ گنگا جمنی تہذیب کا مطلب ہے کہ ہم اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ اس قدر گھل مل جائیں کہ ہم، ہم نہ رہیں اور وہ، وہ نہ رہیں۔ دونوں اپنے اپنے مذہبی رنگ و روپ، اپنی شناخت، اپنی تہذیب اور انفرادی خوبی وکمال کی ساری دیواریں توڑ کر آپس میں اس قدر گڈمڈ ہو جائیں کہ نہ انھیں کوئی ہندو سمجھے اور نہ ہمیں کوئی مسلمان۔ گنگا جمنی تہذیب کا یہ مطلب نکالنا، نہ یہ اس ملک کی خوب صورتی ہے، نہ یہ کسی بھی قوم کے لیے قابل قبول بات ہے اور نہ ہی گنگا جمنا سے ہی اس کی کوئی مشابہت ہے۔ شہر الہ آباد کے اس سنگم پر جہاں دونوں ندیاں ایک دوسرے سے گلے ملتی ہیں، دونوں دریاؤں کے پانی ایک دوسرے سے مل تو جاتے ہیں لیکن پھر بھی اپنی شناخت نہیں کھوتے، دیکھنے والے صاف سمجھ جاتے ہیں کہ یہ گنگا کا پانی ہے اور یہ جمنا کا، پانی جیسی لطیف شئی کی اس حسین ملاقات میں بھی دونوں کا اپنا رنگ باقی رہتا ہے۔ اس ملاقات کے لیے نہ تو جمنا کو اپنی رنگت بدلنی پڑتی ہے اور نہ ہی گنگا کو اپنی پہچان، بلکہ دونوں کی رفتار بھی اپنے اعتبار سے جوں کی توں ہے۔ گنگا کی رفتار میں تیز دھار ہے تو جمنا میں صبر وسکون، پھر بھی دونوں ایک ساتھ ہیں، غالباً گنگا جمنی تہذیب محاورہ کے واضعین نے یہی سوچ کر وضع کیا ہوگا کہ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان بھی آپس میں اس طرح متحد رہیں گے کہ ہندوؤں کی بھگوا رنگ کی پگڑی بھی باقی رہے اور مسلمانوں کی ٹوپی اور سفید وسبز عمامہ بھی، کسی مسلمان سیاست داں کو ہندوؤں کے محلے میں جا کر جے شری رام کا نعرہ نہ لگانا پڑے اور کسی ہندو منتری کو مسلم اکثریتی علاقوں میں

اللہ اکبر نہ کہنا پڑے۔ مسلمان ہندوؤں کے درمیان قشقہ لگانے پر مجبور نہ ہوں، اور ہندو بھائی مسلم محلوں میں ٹوپی پہننے اور رومال رکھنے پر مجبور نہ ہوں۔ پھر بھی جب ملک کی سالمیت اور ترقی کی بات آئے تو مسلمان اپنی تسبیح کے ساتھ اور ہندو اپنے زنّار کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر آ کھڑے ہوں، جیسا کہ جنگ آزادی میں دونوں گروپوں نے یہ کر دکھایا۔ یہی گنگا جمنی تہذیب کا پیغام ہے اور یہی قومی یکجہتی کا مفہوم۔ مگر افسوس الہ آباد کو پریاگ راج بنا کر اس لفظی ''گنگا جمنی تہذیب'' کا بھی خون کر دیا گیا ہے۔

گنگا جمنی تہذیب کی ایک عملی مثال

اس گنگا جمنی تہذیب کو سمجھانے کے لیے میں اپنے نانا جان مرحوم سید ابوالعلیٰ صاحب ایڈوکیٹ کی ایک عملی مثال پیش کرتا ہوں۔ آپ شہر گیا (بہار) کے رہنے والے، مجاہدین آزادی میں سے ایک تھے، نوجوانی میں سیاسی سرگرمیاں تھیں، اردو، فارسی، تاریخ، حساب کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان پر آپ کو زبردست عبور حاصل تھا، کئی سالوں تک درس وتدریس سے بھی جڑے رہے اور اپنے کئی قابل شاگرد تیار کیے، بعد میں ایک گورنمنٹ ڈپارٹمنٹ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو کر ریٹائر ہوئے۔ مختلف خوبیوں اور ایک ہمہ جہت شخصیت ہونے کی بنیاد پر آپ کے احباب کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ جس میں ہر طرح اور ہر مذہب کے لوگ شامل تھے۔ جن سے آپ کے بہترین دوستانہ مراسم تھے۔ آپ کا بھی ہر ایک کے پاس آنا جانا اور دوسرے مذاہب کے افراد بھی کثرت سے آپ کے پاس آتے تھے۔ کچھ اپنی ضرورتوں کو لے کر، کچھ اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے اور کچھ آپ کے اخلاق ومحبت کی کشش سے کھنچ کر چلے آتے تھے۔

آپ کا خاندان چونکہ خالص مذہبی تھا، خاندان میں علما، حفاظ اور قرا کی بڑی

تعداد تھی، ان کی اپنی ایک ساکھ بھی تھی، جس کی وجہ کر داڑھی، ٹوپی والے مسلمانوں کی بھی ایک بڑی ٹولی آپ سے جڑی ہوئی تھی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آپ کے حلقۂ احباب میں ہندوؤں کی بھی ایک اچھی خاصی بڑی تعداد تھی، ان میں بھی بعض آر، ایس، ایس اور سنگھ پریوار سے جڑے ہوئے کٹر ہندو بھی تھے۔ مگر آپ کے اخلاق، مہمان نوازی، خوش مزاجی اور علم دوستی اور فراخ دلی کا معاملہ دونوں کے ساتھ یکساں ہوتا۔ دونوں طبقہ آپ کا گرویدہ اور عام دنوں کے علاوہ عید و بقرعید کے موقع پر آنے والے خصوصی مہمانوں میں یہ دونوں طبقہ شامل ہوتا۔ آپ بھی ان کے خوشی کے مواقع پر شریک ہوتے مگر میں نے کبھی انھیں ہولی کے رنگ میں رنگا ہوا نہیں دیکھا، پھول، مالا ارچنا وغیرہ کے قریب نہیں گئے، غیروں کے کسی بھی تہوار یا خوشی کے مواقع پر اپنی تہذیب اور اسلامی تعلیمات سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہر طرح کے لوگوں سے ملتے، محفلوں اور پارٹیوں میں شریک ہوتے مگر کیا مجال ہے کہ ذرہ برابر بھی اپنے وقار، خودداری اور تہذیب وتمدن کی خلاف ورزی ہوجائے۔ باوجود اس کہ آپ کی ہر دل عزیزی میں ذرہ برابر کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد اور گنگا جمنی تہذیب کی جیتی جاگتی مثال اور اس کے بہترین سفیر تھے۔

لے کر جنوں کے دشت میں اب رات بھر چراغ
میں اس کو ڈھونڈھتا ہوں جو موجود ہی نہیں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جو مسلمان غیروں کو خوش کرنے کے لیے اپنی تہذیب اور اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، ان کی نہ اپنے سماج میں عزت ہوتی ہے اور نہ ہی وہ غیروں کے دل میں جگہ بنا پاتے ہیں۔ ایک انسان کو عزت اس کے کردار و عمل سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ کسی کی نقالی اور چاپلوسی سے۔ موجودہ دور کے مسلمانوں کو یہ بات مضبوطی کے ساتھ اپنی گرہ میں باندھ لینی چاہیے۔

محبت دین اور حب الوطنی

آج ہم جس دور میں جی رہے ہیں اس میں اپنے ایمان وعقیدے کی حفاظت ہمارے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔پھرایک مومن کے لیے ایمان سے بڑھ کر کوئی شئ نہیں ہوسکتی۔اس لیے تحفظ ایمان کے لیے''دین اور وطن'' کے حوالے سے چند نکات پیش کررہاہوں،جس کا ذہن نشیں رکھنا ہرمومن ومسلم کے لیے نہایت ضروری ہے:

ا۔اس بات کا ہمیں مکمل خیال رکھنا چاہیے کہ وطن پرستی کے جذبے میں کہیں ہم غلو نہ کرجائیں۔غیروں کوخوش کرنے میں دین کی سرحد نہ پار ہوجائے۔یہ کہنے میں کسی مسلمان کوکوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے کہ''ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں'' اور اللہ ورسول کا فرمان ہمارے لیے اول ہے۔اللہ رب العزت کا فرمان ہے:''مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا'' یعنی:جس نے کسی بے گناہ کوقتل کیا،اس نے ساری انسانیت کوقتل کیا۔(المائدہ:۳۲)

یہ آیت کریمہ ہرطرح کی سرحدوں سے بالاتر ہے۔اس لیے اس آیت کو ہرطرح کی دہشت گردی کے مقابل رکھنے کی ضرورت ہے،چاہے وہ وطن کے اندر ہو یا باہر،اپنوں کی طرف سے ہو یا غیروں کی طرف سے،اس لیے صرف معذرت خواہانہ انداز میں اپنے دفاع کے لیے اسے پیش کرنا،آیت کریمہ کے ساتھ ناانصافی ہے۔

۲۔دین وطن سے کہیں بلندتر ہے:مثلاً اگرکوئی پوچھے کہ تم کون ہو؟ تو وطنیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جواب دیں کہ ہم ہندوستانی ہیں،حالانکہ دین کی رو سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔مجاہد آزادی مولانا محمد علی جوہرؔ(م:۱۹۳۱ء)ایک نڈر،حق گو،

بے باک صحافی، ادیب، شاعر، تحریک خلافت کے روح رواں اور جنگ آزادی کے میر کارواں میں سے تھے۔ بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی ''ملک کے طول وعرض میں بس ایک ہی ہستی تھی، جس کی آواز مشرق نے بھی سنی اور مغرب نے بھی''۔ ان سے ایک غیر مسلم نے پوچھا کہ آپ پہلے کیا ہیں؟ ہندوستانی یا مسلمان؟ جیسا کہ آج بھی یہ سوال مسلم لیڈران سے بارہا پوچھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے سخت تردد ہوتا ہے، کسی طرح بات گھمانی پڑتی ہے، میں اسے بھی بالکل غلط نہیں کہتا مگر اس مردِ مؤمن سے جب یہ سوال ہوا تو اس نے بلا جھجک یہ جواب دیا تھا کہ میں پہلے بھی مسلمان ہوں، بیچ میں بھی مسلمان ہوں اور آخر میں بھی مسلمان ہوں۔ اسلام اس طرح میرے رگ و پے میں سما گیا ہے کہ اب کسی اور تصور کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ علامہ اقبالؔ نے اسی کو کہا ہے ؎

بازو ترا توحید کی قوّت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے

۳۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ وطن کے لیے جیے اور وطن کے لیے مرے، حالانکہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ مسلمان صرف اللہ کے لیے جیتا ہے اور اللہ کے لیے ہی مرتا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْكَ لَہٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ یعنی: آپ فرمائیں بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (سورہ انعام: ۱۶۲۔ ۱۶۳)

افسوس! آج اچھے اچھے لوگ چاہے وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں رہتے ہوں، ان پر خدا پرستی سے زیادہ وطن پرستی کا بھوت سوار ہے۔ اللہ جل شانہ کے احکام وفرامین کی

طرف بالکل توجہ نہیں اور وطن کے لیے سب کچھ قربان کر دینے کا اعلان ہے۔ ایسے تمام لوگوں کو اپنے ایمان کا قبلہ درست کرنا چاہیے۔ ادھر چند سالوں سے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران بھی بہت بڑھ چڑھ کر دیش بھکتی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرنے کو شرک و بدعت کہنے والے بھی بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ چپل جوتے اتار کر ترنگے کو سلامی دینے میں سعادت محسوس کر رہے ہیں۔ ان مولوی حضرات کے حرکات و سکنات سے صاف دکھا اور حکومت وقت کا خوف جھلک رہا ہے۔ یہ بات یقیناً فکر مند کر دینے والی ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؔ نے بہت سچ کہا تھا۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

ہاں! میں یہ بھی نہیں کہتا کہ وطن کی اہمیت وحقیقت دین اسلام میں کچھ نہیں ہے۔ بلاشبہ وطن سے محبت کو میں سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ سمجھتا ہوں۔ امام ابو قاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۱۸۵ء) نے اپنی مشہور کتاب ''الروض الانف'' میں باقاعدہ یہ عنوان باندھا ہے: حب الرسول ﷺ لوطنہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے وطن کے لیے محبت) اس عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں:

جب ورقہ بن نوفل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی، تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، ثانیاً جب بتلایا کہ آپ کی قوم آپ کو تکلیف واذیت میں مبتلا کرے گی، تب بھی آپ خاموش رہے۔ تیسری بات جب انھوں نے عرض کیا کہ آپ کو آپ کے وطن سے نکال دیا جائے گا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: او مخرجی؟ کیا وہ مجھے میرے وطن سے نکال دیں گے؟ اس میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی اپنے وطن سے شدید محبت پر دلیل ہے اور یہ کہ آپ پر اپنے وطن کی جدائی کتنی شاق تھی!! اس وجہ کر یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ وطن کی محبت حضور علیہ السلام کی سنت ہے، دین کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے، اس لیے ایک دائرے میں رہ کر زمانے سے ہمارے پُرکھوں نے جس طرح اس وطن سے محبت کی ہے اور قربانیاں دیں ہیں، ہم بھی اس پر قائم ہیں۔ آج نہ ہمیں کسی سے مرعوب ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دیش بھگتی کی سند لینے کی۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بالکل نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم ایک مسلمان ہیں اور حضور علیہ السلام نے اسی دین وایمان کی حفاظت اور قوم وملت کی بقا کے لیے اپنے وطن عزیز کو قربان کر دیا۔ اس لیے صحیح اسلامی نظریے کو سمجھنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں

عصرِ حاضر اور نوجوان

نوجوان نسل ملک وملت کے مستقبل کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہے، جس پر ملک وملت کی ترقی وتنزلی موقوف ہے نوجوان ہی اپنی قوم اور اپنے دین وملت کے لیے ناقابلِ فراموش کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نوجوان کی تباہی، قوم کی تباہی ہے، اگر نوجوان بے راہ روی کا شکار ہوجائے تو قوم سے راہِ راست پر رہنے کی توقع بے سود ہے۔ ہر طرح کا انقلاب چاہے وہ سیاسی ہو یا اقتصادی، معاشرتی ہو یا ملکی، دنیاوی ہو یا دینی، غرض سبھی میدانوں میں نوجوانوں کا کردار نہایت ہی اہم اور کلیدی ہوتا ہے۔ بے شک کارِ دنیا کو انجام دینے میں جوانی کو سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے اور اسلامی شریعت میں بھی جوانی ہی کی عبادت کو بہترین عبادت کہا گیا ہے، بقول شخصے

ع در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

جوانی کی اہمیت جوانوں کو سمجھ میں نہیں آتی ،ضعیفوں سے پوچھو کہ جوانی کیا ہے! تو حضرت سعدیؔ جواب دیں گے ؂

دریغا کہ فصل جوانی برفت

بلہو و لعب زندگانی برفت

چچا غالبؔ نے تو اسی بحر میں اور زبردست بات کہی ہے کہ ؂

دریغا کہ در جوانی برفت

جوانی مگو زندگانی برفت

(افسوس! کہ جوانی رخصت ہوگئی، جوانی مت کہو بلکہ زندگانی ہی رخصت ہوگئی۔)

قرآن مجید اصحاب کہف کے حوالے سے نوجوانوں کا کردار اس طرح سے بیان کرتا ہے: نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ نَبَاَهُمۡ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ اِنَّهُمۡ فِتۡيَةٌ اٰمَنُوۡا بِرَبِّهِمۡ وَزِدۡنٰهُمۡ هُدًى، ’’ہم ان کا اصل قصہ تمھیں سناتے ہیں، وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی‘‘۔ (الکھف: ۱۳) یہ وہ نوجوان تھے جنھوں نے وقت کے ظالم حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رب العالمین پر ایمان لا کر حق پرستی کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے عزم و حوصلے اور غیر متزلزل ایمان پر ان کی شان میں پوری ایک سورۂ کہف نازل فرمادی۔ ان چند نوجوانوں نے اپنے زمانے میں جو کردار ادا کیا وہ تمام نوجوانوں کے لیے نمونۂ عمل ہے۔

اسی طرح سے قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے چند نوجوانوں کا تذکرہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے ہر طرح سے جھٹلایا لیکن وہ چند نوجوان ہی تھے جنھوں نے کٹھن حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوۡسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ٮِٕهِمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ (یونس: ۸۳) ’’موسیٰ کو اسی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون اور خود اپنی قوم کے سرداروں کے ڈر سے کہ وہ ان کو اذیت میں مبتلا کر دیں گے‘‘۔ مذکورہ بالا آیت میں ’’ذریۃ‘‘ کا لفظ استعمال کر کے جو بات قرآن مجید بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ اس پُرخطر زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور علم بردارِ حق کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کی جرأت چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر ماؤں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ان پر مصلحت پرستی اور دنیوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی کچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے

حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ ان کو خطرات سے پُر نظر آ رہا تھا‘‘۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی نوجوانوں کے کردار اور ان کے لیے رہنما اصول کثرت سے ملتے ہیں۔ نوجوانی کی عمر انسان کی زندگی کا قوی ترین دور ہوتا ہے۔ اس عمر میں نوجوان جو چاہے کر سکتا ہے۔ انسان اس عمر کو اگر صحیح طور سے برتنے کی کوشش کرے تو ہر قسم کی کامیابی اس کے قدم چومے گی اور اگر اس عمر میں وہ کوتاہی اور لاپرواہی برتے گا تو عمر بھر اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ جوانی کی عمر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر فرد کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے اس کے بارے میں قیامت کے دن خصوصی طور سے پوچھا جائے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ۔

یعنی: قیامت کے دن انسان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے۔ عمر کن کاموں میں گنوائی؟ جوانی کی توانائی کہاں صرف کی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ جو علم حاصل کیا اس پر کہاں تک عمل کیا؟ (سنن ترمذی: ۲۴۱۷)

اس حدیث مبارکہ میں چار سوال جوانی سے متعلق ہیں۔ ایک عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس میں جوانی کا دور بھی شامل ہے۔ مال کمانے کا تعلق بھی اسی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ حصول علم کا تعلق بھی اسی عمر سے ہے۔ نوجوانی کی عمر صلاحیتوں کی تخلیق اور اس میں نکھار پیدا کرنے کی ہوتی ہے۔ اسی عمر میں نوجوان علوم کے مختلف منازل طے کرتا ہے۔ یہی وہ عمر ہے جس میں نوجوان علمی تشنگی کو اچھی طرح سے بجھا سکتا ہے۔ عمر کے اسی مرحلے میں نوجوان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے بڑے کارنامے

انجام دیے۔ یہی وہ عمر ہے جس میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ یہی وہ عمر ہے جس میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوت سے سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔ دورِ شباب ہی میں حضرت مولا علی شیر خدا، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عمار بن یاسر، اور چار عباد اللہ جن میں ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابن عمرو ابن العاص رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شانہ بشانہ عہد و پیمان باندھا۔ اسی دور شباب میں متعدد مجاہدین اسلام نے اسلامی تاریخ کو اپنے کارناموں سے منور کیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی عمر کو غنیمت سمجھنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ بڑے بڑے معرکے اور کارنامے اسی عمر میں انجام دیے جاسکتے ہیں۔

حضرت عمر بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ ،وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ ،وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ یعنی: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، خوش حالی کو ناداری سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ (حاکم: ۴/۳۰۶)

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو یہ جوانی پھر کہاں

اس وقت امت کے نوجوانوں کے ساتھ کئی طرح کے مسائل ہیں اگر وہ ان کی طرف توجہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں تو ایک عظیم انقلاب آسکتا ہے۔ نیچے آنے والی سطروں میں کچھ اسی طرح کی اہم باتوں کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی جارہی ہے:

قرآن اور مقصد زندگی سے دوری

مسلمانوں کی جماعت اور عموماً نوجوان طبقہ قرآن مجید کو محض ایک رسمی اور مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ان کو یہ سمجھنا ہوگا کہ قرآن وہ عظیم کتاب ہے جو عصر حاضر کے چیلنجوں کا نہ صرف مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے بلکہ تمام مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے۔مگر افسوس! غیروں کے دھرم اوران کی مذہبی کتابوں کی طرح مسلمانوں کا بھی اپنے دین وکتاب سے ان ہی کی طرح کا رویہ ہے۔علامہ اقبالؔ نے تلخ مگر بہت سچی بات کہی ہے ؎

برہمن از بتانِ طاق خود آراستہ
تو قرآں از سر طاقے نہادی

(برہمن نے اپنے طاق کو بتوں سے سجایا ہے اور اے مسلمان تو نے قرآن کو طاق پر رکھ چھوڑا ہے)

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمتِ قرآن نگیری
بہ آیاتش تُرا کار جز این نیست
کہ از یسٰینِ او آسان بمیری

(اے مسلمان! تو صوفی وملا (ظاہری) کے فریب کم نگاہی اور کج ادائی کا اسیر ہے اور حکمت قرآں سے پیغام حیات اور اسلوب زندگی حاصل نہیں کر رہا ہے۔قرآن کی آیات سے ترا تعلق بس اتنا رہ گیا ہے کہ تیرے ہاں کسی کے وقت نزع سورہ یسٰین کی تلاوت بس اس لیے کی جاتی ہے کہ مرنے والے کا دم آسانی سے نکل جائے۔)

ظاہر ہے کہ جب بندہ قرآن سے دور ہوگا تو خود بخود دینی تعلیمات اور اپنے مقصد حیات سے بھی غافل ہی رہے گا۔اپنی زندگی کا حقیقی مقصد نہ معلوم ہونا، انسان کو تباہی و بربادی کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔اسی مقصد زندگی کے حوالے سے ڈاکٹر ابراہیم ناجی نے اپنے

کتاب ”Have you Discovered its Real Beauty“میں ایک واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: میں نے ناروے کے ایک ہوٹل میں ”کرس“ نام کے ایک شخص سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انھوں نے حیران ہوکر جواب دیا کہ مجھ سے آج تک کسی نے بھی اس طرح کا سوال نہیں کیا اور اس کے بعد اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے اور زندگی کا کوئی مقصد بھی ہوتا ہے کیا؟۔

عہد حاضر میں یہی حال مسلم نوجوانوں کا بھی ہے۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے تو ان کا بھی جواب ”کرس“ کی طرح ہی ہوتا ہے۔ مقصدِ زندگی کے تعلق سے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ”Eat, Drink and be Happy“ یعنی کھا، پی اور خوب عیش کر کیونکہ دنیا دوبارہ نہیں ملے گی۔ اس طرح کے فرسودہ اور پُرفریب نعروں پر نہ صرف یقین کرتے ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اللہ کی عطا کی ہوئی زندگی میں، نہ اس کی ذات اور رضا کے لیے کوئی وقت اور نہ کوئی فکر، غیر مسلموں کے علاقے جب کہ رات میں سناٹے اور ویران ہوتے ہیں، ہمارے مسلم محلوں اور علاقوں میں چہل پہل اور رونق نظر آتی ہے، نوجوانوں کی اڈے بازی، ڈینگ بازی اور اخلاقی گراف کا ایسے مقامات پر خوب اندازہ ہوتا ہے۔ انھیں دنیا کی خوب خبر ہوتی، مگر دین اور آخرت کی نہ کوئی خبر اور نہ کچھ پرواہ۔ کئی شہروں میں لوگوں نے فخر سے بتایا کہ ہمارے علاقے کے ہوٹل رات کے دو بجے تک کھلے ہوتے ہیں اور سارے شہر سے لوگ یہاں کھانے پینے کے لیے آتے ہیں۔ یہ فخر کا مقام ہے یا ماتم کا!!

ع حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

جب مؤذن حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کی صدائیں لگا رہا ہوتا ہے، یعنی نماز اور کامیابی کی طرف بلا رہا ہوتا ہے تو یہی نوجوان منھ موڑ کر بستر

استراحت کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے دی گئی دعوت کو جو اس طرح نظر انداز کرے بھلا وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: إِنَّ اللهَ: يُبْغِضُ كُلَّ جَعْظَرِيٍّ جَوَّاظٍ، سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، جِيفَةٍ بِاللَّيْلِ، حِمَارٍ بِالنَّهَارِ، عَالِمٍ بِالدُّنْيَا، جَاهِلٍ بِالْآخِرَةِ (صحیح الجامع الصغیر، رقم: ۱۸۷۸) یعنی: بے شک اللہ تعالیٰ ہر بکواسی، شیخی بگھارنے والے، بازاروں میں شور شرابا کرنے والے، رات کو مردار، دن کو گدھا بننے والے، دنیا کے عالم اور آخرت سے جاہل انسان کو پسند نہیں فرماتا۔

دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے
شرمِ نبی خوفِ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

کیریئرازم کی ہوس

عصرِ حاضر میں تعلیم کا مقصد صرف اور صرف پیشہ (profession) مقام (placement) اور پیسہ و سرمایہ بٹورنا رہ گیا ہے۔ ہر نوجوان انھی تین چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ آج سائنس ٹکنالوجی اور دوسری طرف علمی انفجار کا دور مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دھن نے ایسا ماحول قائم کر رکھا ہے کہ ہر نوجوان دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف دیکھنے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتا اور ہر ایک کیریئر کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے۔ وہ سماج میں رہنے والے دوسرے افراد سے ہی کیا وہ تو اپنے بغل میں رہنے والے ہمسایے سے بھی بے گانہ ہے، کیونکہ وہ اس خودساختہ اصول پر عمل کرتا ہے کہ مجھے اپنے علاوہ کسی اور سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ وہ اپنے علاوہ کسی اور کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چاند پر کمندیں ڈالنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتا ہے، لیکن اپنے مقصد وجود سے ناآشنا ہے۔ وہ قابل ذکر اسناد کا حامل تو ہوتا ہے لیکن اس کے اندر دوسروں کے لیے

حمایت اور ہمدردی کا جذبہ نہیں ہوتا۔اس کے پاس وافر مقدار میں معلومات تو ہوتی ہیں لیکن علم حق سے محروم رہ کر زندگی اس گدھے کی طرح گزارتا ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے لیکن بیچارے گدھے کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی پیٹھ پر کس قسم کا بوجھ لاد دیا گیا ہے۔

اسلام کیرئیر اور مستقبل کو خوب سے خوب تر بنانے اور نکھارنے سے منع نہیں کرتا ہے۔اسلام تو قاعدے اور سلیقے کے ساتھ منظم اور اچھے طریقے سے کیرئیر بنانے پر زور دیتا ہے۔اور اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے کہ حُسنِ عمل (excellence) کسی بھی لمحے آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائے، البتہ اسلام جس چیز سے منع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں سے منہ پھیر کر زندگی گزاری جائے۔ اندھی کیرئیر پرستی ایک نوجوان کو سماج سے الگ تھلگ کر دیتی ہے۔اس سے قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ منع کیا ہے۔

اللہ تعالی نے اس حوالے سے حضرت لقمان کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان:۱۸) ''اور تم لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو''۔صعر اصل میں ایک بیماری کا نام ہے جو عرب میں اُونٹوں کی گردنوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ بیماری جب اونٹ کو لگ جاتی ہے تو وہ اپنی گردن کو دائیں بائیں گھما نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح کیرئیر پرستی کے شکار نوجوانوں کا رویہ ہوتا ہے۔لہٰذا اس کیرئیر پرستی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

عصری مسائل کا شکار

آج امت کا نوجوان بے شمار مسائل اور الجھنوں میں گھرا ہے۔ ایک طرف غیر متوازن نظام تعلیم کے مسائل کا سامنا کر رہا ہے تو دوسری طرف اقتصادی مسائل سے دوچار ہے۔ایک طرف اگر وقت پر نکاح نہ ہونے کے مسائل ہیں تو دوسری طرف بے

روزگاری کے مسائل نے پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اسی طرح ناقص تعلیم و تربیت، حیا سوز مغربی فکر و تہذیب کے پیدا کردہ مسائل علاوہ ازیں نت نئے افکار کے پیدا کردہ مسائل اور الجھنوں کا انبار لگا ہوا ہے جن سے اُمت کا یہ اہم طبقہ دو چار ہے۔ یہ واضح رہے کہ نوجوان طبقہ مسائل کا سامنا کرنے سے کتراتا بھی ہے۔ کیونکہ ان کو اس سلسلے میں مطلوبہ رہنمائی نہیں مل رہی ہے کہ وہ ان مسائل سے با آسانی نبرد آزما ہو سکے۔ اس سلسلے میں ماں باپ،، اساتذہ، علما اور دانش وروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مربیانہ کردار ادا کریں تا کہ نوجوان طبقہ مستقبل میں ملت اور سماج کی تعمیر اور اصلاح کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکے۔ اس حوالے سے اللہ کے رسول ﷺ کا وہ تربیتی منہج سامنے رکھنا چاہیے جس کی بدولت انھوں نے نوجوانوں کی ایک بہترین ٹیم تیار کی تھی۔ جس نے بعد میں بڑے بڑے معرکہ سرانجام دیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نوجوانوں کی ان کے رجحان اور طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے تربیت کر کے ذمہ داریاں سونپتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا تربیتی منہج بڑا شان دار اور منفرد انداز کا ہے۔ آپ ﷺ ان کی کردار سازی پر بہت توجہ فرماتے تھے۔ اور نہ صرف ان کے خارجی مسائل حل کرتے تھے بلکہ ان کے نفسیاتی مسائل بھی حل کرتے تھے۔ ایک دن قریش کا ایک نوجوان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور بلا خوف و تردد عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ صحابہ کرام اس نوجوان کی بے ہودہ جسارت پر بپھر گئے اور اس کو سخت سے سخت سزا دینا چاہی، مگر رسول اکرم ﷺ نے بالکل منفرد انداز اختیار کیا۔ حضور ﷺ نے اس نوجوان کو قریب بلایا اور کہا: کیا تم یہ بات اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے کہا: میری جان آپ پر قربان ہو، یہ بات میں اپنی ماں کے لیے کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ پھر آپ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ

کے بارے میں اس طرح کے سوالات کیے۔ بعد میں اس سے پوچھتے، کیا تم اسے ان کے لیے پسند کرتے ہو۔ وہ ہر بار یہی کہتا: میری جان آپ پر قربان ہو، خدا کی قسم! یہ بات میں ہر گز پسند نہیں کر سکتا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس نوجوان کو اپنے قریب بلایا، اپنا دست مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعا کی: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَحَصِّنْ فَرْجَهٗ. فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذٰلِكَ الْفَتٰى يَلْتَفِتُ إِلٰى شَيْءٍ۔ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔ (مسند احمد: ۲۲۵۹) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ماہر نفسیات (Psychologist) کی حیثیت سے بھی نوجوانوں کے نفسیاتی مسائل کو اسی طرح پیار اور حکمت سے حل فرمایا ہے۔ اس ایک واقعے میں ہی اساتذہ، علما، قائدین، اہل علم اور دانشوران امت کے لیے بڑا سبق اور پیغام موجود ہے۔ بلاشبہ! دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جسے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات بابرکات نے حل نہ فرما دیا ہو۔

دے کے دنیا کو مکمل اک نصاب زندگی
رحمت عالم نے ہر مشکل کو آساں کر دیا

اخلاق باختگی کی لعنت

آج فحاشی وعریانیت نے ہر گھر اور خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی لعنت نے اچھے خاصے شریف اور دین دار گھرانوں سے بھی شرم وحیا کا جنازہ نکال دیا ہے۔ بے حیائی اور اخلاق باختگی ایک ایسی وبا ہے جو بڑی تیزی کے ساتھ اپنے اثرات دکھا رہی ہے، جس کی وجہ کر آج نوجوانوں میں خوف، تناؤ، ذہنی اور نفسیاتی پریشانیاں دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں۔ برائیاں، پریشانیاں، بے سکونی، بے اطمنانی،

بداخلاقی اور بے دینی کے جراثیم، دیمک کی طرح ہمارے نوجوانوں کو کھائے جا رہے ہیں۔ لاکھوں مسلم لڑکیاں اسی وجہ کر بے دین و مرتد ہوگئیں ہیں اور آئے دن ہو رہی ہیں۔ان تباہیوں سے اپنی نسلوں کو بچانا ایک ذمہ دار والدین کے لیے بڑا چیلنج ہے۔

اسلام نہ صرف برائیوں کو قابو میں کرنا چاہتا ہے بلکہ ان کا قلع قمع بھی کرتا ہے جن میں نوجوان طبقہ مبتلا ہے۔اسلام نے برائیوں اور بے حیائیوں سے دور رہنے کی سخت تاکید کی ہے۔آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کی رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: الإيمانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ أو بِضْعٌ وسِتُّونَ شُعْبَةً: فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا الله، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَالحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ۔یعنی: ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں، ان میں سب سے بہتر لا الہ الا اللہ اور سب سے کم تر راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹانا ہے، اور حیا (شرم) بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔(سنن نسائی رحدیث:۵۰۰۸)

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔لوگوں نے اگلی نبوت کی باتوں میں جو کچھ پایا اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ ”جب تم کو شرم نہ رہے تو جو چاہے کرو“۔(صحیح البخاري رحدیث:۶۱۲۰)

یقیناً ان تعلیمات اسلام کو پیش نظر رکھ کر نوجوان اپنی زندگی گزاریں اور والدین اس نہج پر ان کی تربیت کریں تو معاشرے میں ایک صالح انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ نوجوانوں کے لیے یہ ہر حساس اور صاحب بصیرت دل کی آواز ہے۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کردے

اعتدال وتوازن میں کمی

نوجوانوں میں اعتدال وتوازن کی بھی کمی ہوتی ہے، جب کہ اعتدال وتوازن ہر کام میں مطلوب ہے۔ جس کام میں اس کا فقدان ہو وہ صحیح ڈگر پر زیادہ دیر اور دُور تک نہیں چل سکتا ۔ جب اور جہاں بھی اعتدال اور توازن ہاتھ سے چھوٹ جائے تو وہیں انتہا پسندی اور غلو، شدت پسندی اور تخریب کاری کا عمل شروع ہونا لازمی ہے ۔ اعتدال پسندی وتوازن کھانے پینے ، چلنے پھرنے ، بات چیت ،سونے جاگنے ،محنت ومشقت ، مال کمانے ، سیر وتفریح، حتیٰ کہ عبادات میں بھی مطلوب ہے ۔ اسلام اعتدال وتوازن کا دین ہے۔ یہ جہاں شدت پسندی سے روکتا ہے وہیں غلو کرنے سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن جگہ جگہ اعتدال کی راہ اختیار کرنے کے رہنما اصول فراہم کرتا ہے۔ اُمت مسلمہ کے حوالے سے قرآن کا موقف یہ ہے کہ یہ امت وسط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (البقرہ: ۱۴۳) اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اُمت کے ہر فرد کو اعتدال وتوازن پر قائم رہنے کی تاکید کی بلکہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اعتدال کی روش اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ (اعراف: ۲۹) ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! کہہ دیجیے کہ میرے رب نے اعتدال کی راہِ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے''۔ شدت پسندی، غلو اور افراط وتفریط سے اجتناب کر کے نوجوانوں کو اعتدال اور میانہ روی کی روش اپنانا چاہیے۔

ناقص تعلیم وتربیت

ایک اور مسئلہ جس کی وجہ سے نوجوان مختلف مسائل اور مشکلات میں گھرا ہوا

ہے وہ ماں باپ کی ناقص تعلیم وتربیت ہے۔ جو نوجوان بھی ماں باپ کی تعلیم وتربیت سے محروم رہ جائے گا لازمی طور سے مسائل اور اُلجھنوں کا شکار ہوگا۔ ایک نوجوان کی اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی تعلیم وتربیت سے محروم رہے۔ اس کے ماں باپ تعلیم وتربیت اور اس کو صحیح رہنمائی کرنے میں کوتاہی یا بے اعتنائی برتیں، حقیقی معنوں میں یتیم اسی کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ باب العلم حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

لیس الجمال باثواب تزیننا

ان الجمال جمال العلم و الادب

لیس الیتیم الذی قدمات والدہ

بل الیتیم یتیم العلم والحسب

یعنی: زینت دینے والے کپڑوں میں خوبصورتی نہیں ہے بلکہ علم و ادب کی خوبصورتی اصل خوبصورتی ہے، اور یتیم وہ نہیں ہے جس کے والدین فوت ہوچکے ہوں اور اس کو تنہا اور بے سہارا چھوڑ دیا ہو، بلکہ یتیم تو وہ ہے جس کی ماں نے اس سے بے اعتنائی برتی ہو اور باپ مصروفِ کار رہا ہو اور وہ علم وادب سے محروم رہ گیا۔

اسلام نے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے ساتھ ساتھ ماں باپ پر یہ بھی ذمہ داری عائد کی ہے کہ ان کو تعلیم وتربیت اور اسلام کی اساسی تعلیمات سے روشناس کرا کے صحت مند معاشرے کے لیے بہترین اور کار آمد افراد تیار کریں۔ جہاں ماں باپ کو اس بات کے لیے مکلف ٹھہرایا ہے کہ سات سال سے ہی بچوں کو نماز کی تلقین کریں وہیں ان کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر لحاظ سے اپنے بچوں کو اسلامی اخلاق وآداب سے آراستہ کریں اور ایک صالح معاشرے کا ذمہ دار نمائندہ بنائیں۔

اسلامی تاریخ سے ناواقفیت

اپنی تہذیب، تمدن، تاریخ اور علمی ورثہ سے مانوس و باخبر رہنا اشد ضروری ہے۔ جو قوم اپنی تاریخ اور علمی ورثے سے غفلت برتتی ہے۔ تو وہ صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہے یا مٹادی جاتی ہے۔ اپنی تاریخ سے ناواقف اور ناآشنا رہ کر کسی بھی قوم کا مستقبل اچھا نہیں ہوسکتا، وہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتی۔ اس وقت ہمارے نوجوانوں کی اکثریت ساری دنیا کے بارے میں جانتی ہے مگر اپنی تاریخ سے بالکل نابلد ہے۔

ملت کے نوجوانوں کو اسلامی فتوحات کا کچھ علم نہیں۔ اہل بیت اطہار، خلفاے راشدین، عشرہ مبشرہ اور اولین انصار و مہاجر صحابہ کے کارناموں سے انھیں کوئی واقفیت نہیں۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں باز ساتھیوں کی زندگیوں سے کوسوں دُور ہیں۔ ان کو پتہ ہی نہیں کہ امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام غزالی، امام بخاری، امام مسلم، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر، نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، شیخ جنید بغدادی، شیخ بایزید بسطامی، شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیا، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، سید جہانگیر اشرف سمنانی اور ان جیسے ہزاروں علما، ائمہ، محدثین، مؤرخین، مجاہدین، صوفیہ اور اہل اللہ کے کیا کارنامے اور کیا خدمات ہیں !!۔ انھوں نے کس طرح اپنا خون جگر دے کر شجرِ اسلام کی آبیاری کی ہے۔ نوجوانوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ اسکرین کے نوٹنکی باز اور نچنیے گویے ہمارے ہیرو نہیں، نہ ہی موجودہ مذہبی اسٹیج کے مقررین اور نعت خوانوں کو دیکھ کر علمائے سلف اور بزرگان دین کو سمجھا جاسکتا ہے۔ بلکہ مندرجہ بالا ہستیاں ہمارے اصل ہیرو اور ہماری روشن تاریخ ہیں۔ انھیں بھول جانا یا بھلادینا اپنے روشن ماضی اور تابندہ تاریخ کو بھلادینا

ہے۔علامہ بدر القادری مصباحی رحمہ اللہ نے سچ کہا ہے ؂

اپنی تاریخ کو جو قوم بھلا دیتی ہے
صفحۂ دہر سے وہ خود کو مٹا دیتی ہے

طلبائے مدارس اسلامیہ، امید کی کرن

اس فتنوں سے بھرے نازک ترین دور میں اگر کسی سے کچھ امید کی جاسکتی ہے تو وہ ہیں مدارس اور مدارس کے نوجوان طلبہ، آپ مدارس سے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کرلیں اور موجودہ دور کے ماڈرن، فیشن پرست ،اخلاق باختہ نوجوانوں کے حالات کا جائزہ لیں تو اسلامی روح کانپ جائے گی۔آج مدارس کا وجود خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔ واقعی یہ اسلامی قلعے اور اسلام کا پاور ہاؤس ہیں۔اذان ،نماز،قرآن ،فرائض،واجبات،سنن ونوافل اور دیگر عبادات ومعاملات کی بزم آرائی انھیں سے ہے۔قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں انھیں کے دم سے زندہ ہیں۔غم خواری، صلہ رحمی، ایثار وقربانی،تقویٰ وطہارت، خلوص وللّٰہیت اور صبر واستقامت کی جھلک دیکھنی ہوتو مدارس کے طلبہ کرام کو دیکھیں، گویا یہ طلبۂ مدارس، دیگر غافل مسلم نوجوانوں کا کفارہ ادا کررہے ہیں، اللہ انھیں سلامت رکھے۔جناب اقبالؔ نے ان مدارس کے بارے میں کبھی کہا تھا اور خوب کہا تھا ؂

یہ مدرسہ ہے تیرا میکدہ نہیں ساقی!
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

لیکن ہاں! وہ فرشتے نہیں ہیں،غلطیاں ان سے بھی سرزد ہوسکتی ہیں اور ہوتی ہیں، کچھ غیر تربیت یافتہ مولویوں یا کچھ اہل مدارس کی غلطیوں اور بداخلاقیوں کی وجہ کر مکمل علما اور مدارس کے خلاف محاذ قائم کرنا،انھیں بدنام کرنا،ان کے خلاف پروپگنڈے کرنا اگر آپ

کا شیوہ ہے تو پھر آپ یا تو بہت بھولے ہیں یا اسلام دشمن طاقتوں کے غیر محسوس آلۂ کار بن گئے ہیں۔ کیوں کہ ہمارے دشمنوں کو بھی مدارس ایک آنکھ نہیں بھاتے اور وہ اسے بند کرنے کے بہانے تلاش رہے ہیں اور اب تک اس بھارت میں سینکڑوں مدارس پر تالے لگا دیئے گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اسلام کی روح مدارس میں ہے، اگر مدرسے ختم ہوجائیں تو اسلام آہستہ آہستہ خود ہی ختم ہوجائے گا۔ اسپین، سوویت روس کے علاقے اور ترکی وغیرہ جیسے کئی مقامات پر انھوں نے اس فارمولے کو استعمال کر کے اسلام کو زبردست زک پہنچائی ہے۔

ان حالات کے تناظر میں مدارس اسلامیہ کے نوجوان فارغین کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ انھیں عام نوجوانوں کی روش سے ہٹ کر واقعی ایک قائد اور رہنما کا رول ادا کرنا ہوگا۔ وہ قرآنی فرمان ''تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ'' کے اولین مخاطب ہیں۔ وہ '' يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ '' کا حصہ ہیں۔ ''اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ'' کا سبق انھیں کے لیے ہے۔ اس لیے تشدد وتعصب اور مبالغہ وغلو سے بچ کر اعتدال ومیانہ روی کے ساتھ امت کی صالح رہنمائی ان کی ذمہ داری ہے۔ مسلک ومشرب کا نمائندہ بننے کے بجائے قوم وملت انھیں دین کا داعی اور مبلغ دیکھنا چاہتی ہے۔ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منشا بھی یہی ہے۔ اختلاف امت فطری ہے مگر آداب اختلاف سیکھنے کے لیے قرآن وسنت اور اپنے اسلاف کی تاریخ پر نظر رکھنا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔ اب انھیں نوجوان طلبۂ مدارس کو یہ عزم وحوصلہ لے کر اٹھنا ہوگا کہ وہ ان نوجوانوں کی، جو بے سکونی وبے اطمنانی کے شکار ہیں، اغیار جنھیں اُچک لے رہے ہیں، گناہوں کے تلاطم میں پھنسی ان کی کشتی کو ساحلِ سکون تک پہنچائیں گے۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

دورِ حاضر کا سب سے خطرناک فتنہ

دور حاضر میں سب سے زیادہ جس چیز سے دین وایمان کی جڑیں کھوکھلی ہورہی ہیں، وہ سلف صالحین کی بلند شان میں بے ادبی اور بے باکی کے ساتھ زبان وقلم کا بے دریغ استعمال ہے۔ ایک دور وہ تھا کہ جناب اکبرؔ الہ آبادی نے کہا تھا۔

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور ایک وقت ہمیں یہ دیکھنا پڑ رہا ہے کہ وہ عظیم ہستیاں جو دینِ متین کے اس سرسبز وشاداب باغیچہ کی باغبانی کرنے والی تھیں۔ جنھوں نے جان جوکھم میں ڈال کر، اہل وعیال اور مال ومتاع قربان کر کے چمنستان اسلام کی آبیاری کی، خون جگر سے اس کی سینچائی کی، اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے دربدر کی ٹھوکریں کھائیں، قرآن وحدیث کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر مسائل دینیہ نکالا اور امت کے لیے آسانیاں فراہم کیں، ایسی شخصیات کے لیے دل وجان سے ممنون احسان ہونے، ان کے لیے دعائے خیر کرنے، ان کی تعلیمات پر بصدق دل عمل کرنے، ان کی عظمت وجلالت کا پرچار چہار دانگ عالم کرنے کے بجائے افسوس! ان عظیم ہستیوں کو ہدف تنقید وملامت بنانے کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ نئے نئے فتنین لوگ اسلام اور دین کا نام لے کر نوجوانوں کا رشتہ ان سے کاٹ دینا چاہتے ہیں، تاکہ وہ ان کے جال میں آسانی سے پھنس سکیں۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایسے نوجوان جنھوں نے دین کی بنیادی تعلیم بھی حاصل نہیں کی، علما ومشائخ کی صحبتوں سے محروم رہے، اپنے اسلاف کے کارنامے اور ان کی تاریخ سے واقفیت نہیں رکھتے وہ باآسانی اسلاف

اور بزرگوں سے ان نوجوانوں کا رشتہ کاٹ دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

گزشتہ صدیوں میں علما اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ مضبوط تھا، لیکن جدید سرمایہ دارانہ اور مغربی عقلیت پسند ماحول نے ایک ایسی دوری پیدا کی ہے جس نے نوجوانوں کو علما سے دور کر دیا ہے۔ آج کا نوجوان سرمایہ دارانہ نفسیات کا غلام ہے، وہ ہر چیز کو ناپ تول اور مادی فائدے کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ مستند علما کی کمی بھی ہے اور عوام الناس سے ان کی دوری بھی ہے۔ اس سے نوجوانوں کو کوئی حقیقی متبادل نہیں ملتا اور وہ تیزی سے غیر مستند بیانیوں کی طرف جھک جاتے ہیں۔

عصر حاضر کی تخریبی آندھی نے ان کے اندر خود بینی اور خود اعتمادی کا ایسا زعم پیدا کر دیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن وسنت کو براہِ راست، بغیر کسی علمی تربیت کے، سمجھا جا سکتا ہے، یہ وہی ذہنیت ہے جسے جاوید احمد غامدی، انجنیئر محمد علی مرزا، ساحل عدیم اور ان جیسے لوگ تقویت دیتے ہیں۔ سلفی حضرات نے بھی اس نفسیات کو خوب بڑھاوا دیا ہے۔ وہ نوجوانوں کے دل میں یہ وہم راسخ کرتے ہیں کہ علما کے بغیر براہِ راست نصوص سے ہدایت لی جا سکتی ہے، حالانکہ تاریخ اسلام میں اس رویے نے ہمیشہ انتشار کو جنم دیا ہے۔ تعجب ہے کہ جس دور میں معمولی معمولی چیزوں کے لیے اسپشلسٹ کی تلاش ہوتی ہے، ایسے میں ''نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان'' کے اس پرانے اور مجرب نسخے کو درکنار کر دیا گیا ہے۔

ایک اور پہلو یہ ہے کہ نوجوانوں کو یہ باور کروا دیا گیا ہے کہ اسلام بھی مغرب کی طرح مادی ترقی کا ضامن ہے، اور یہ ترقی سائنس، ٹیکنالوجی اور عقلیت پسندی ہی سے ممکن ہے۔ چنانچہ قرآن کی سائنسی تفسیر اور انسانی عقل ودانش کو ہی اصل سمجھ لیا گیا۔ نوجوانوں کو ایسا لگتا ہے کہ اگر قرآن کو سائنس یا اپنی ناقص عقل کی عینک سے نہ دیکھا جائے تو وہ جدید دنیا میں اپنی قدر کھو دے گا۔ اس سوچ کو کچھ تجدد پسند افراد مزید بڑھاتے

ہیں، وہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ سائنسی منہج ہی واحد علمی معیار ہے، اور حق تک پہنچنے کے لیے اسی منہج کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وحی، روایت اور اجماعِ امت کی صدیوں پرانی علمی روایت کو پسِ پشت ڈال کر سائنس کو دین کی تعبیر کا معیار بنا دیا جاتا ہے۔ ان تجدد پسندوں کے پاس نہ تو اسلامی علوم میں مہارت ہے اور نہ ہی سائنسی میدان میں کوئی کارنامہ انھوں نے انجام دیا ہے، لیکن وہ موجودہ علمیاتی اصطلاحات (جیسے سائنس، ریسرچ، کریٹیکل تھنکنگ، منہج، پروگریس) کو نوجوانوں کے جذبات کے ساتھ جوڑنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نوجوانوں کے لیے زیادہ پُرکشش دکھائی دیتے ہیں۔ سوشل میڈیا کے دور میں ان کا اثر مزید بڑھ گیا ہے، کیونکہ آج دلیل سے زیادہ لب ولہجہ اور بیانیہ (narrative) لوگوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس رجحان کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اپنی علمی وفکری صلاحیتیں ضائع کر دیتی ہے۔ وہ اپنی توانائیاں ایسے مباحث میں لگا دیتے ہیں جن کا نہ کوئی عملی نتیجہ ہوتا ہے اور نہ ہی امت کو اس سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ ایسے نوجوان جو امت کے لیے مفید علمی وتحقیقی کارنامے انجام دے سکتے تھے، وہ غیر مستند افراد کے پیچھے لگ کر فکری انتشار میں الجھ جاتے ہیں اور دین کی مستند ترین شخصیات سے دور ہو جاتے ہیں۔

اولاً تو وہ سوشل میڈیا پر نئی بات اور نئے انداز کے چسکے کے طور پر ایسے لوگوں کو سننا کرتے ہیں، ویسے بھی انسانی فطرت یہ ہے کہ مثبت انداز اور مثبت باتوں کے بجائے دل ودماغ منفی انداز اور منفی باتوں کی طرف جلد اور آسانی سے متوجہ ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ غلط صحبت کے اثرات اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ قربِ قیامت کی علامات میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ پچھلے لوگ اپنے اگلوں پر طعنہ کسیں گے اور لعنت کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب مالِ غنیمت کو دولت، امانت کو مالِ غنیمت اور زکاۃ کو تاوان سمجھا جائے، دین کی تعلیم کسی دوسرے مقصد سے حاصل کی جائے، آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے، اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے، اپنے دوست کو قریب کرے اور اپنے باپ کو دور کرے، مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگے، فاسق و فاجر آدمی قبیلہ کا سردار بن جائے، گھٹیا اور رذیل آدمی قوم کا لیڈر بن جائے گا، شر کے خوف سے آدمی کی عزت کی جائے، گانے والی عورتیں اور باجے عام ہو جائیں، شراب پی جائے اور "وَلَعَنَ آخِرُ هَٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا" اس امت کے آخر میں آنے والے اپنے سے پہلے والوں پر لعنت بھیجیں، تو اس وقت تم سرخ آندھی، زلزلہ، زمین دھنسنے، صورت تبدیل ہونے، پتھر برسنے اور مسلسل ظاہر ہونے والی علامتوں کا انتظار کرو، جو اس پرانی لڑی کی طرح مسلسل نازل ہوں گی جس کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو"۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۳)

یہی وجہ تھی کہ معروف تابعی، محدث حضرت امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ (مقدمہ صحیح مسلم) یعنی یہ علم (قرآن وسنت کا علم) "دین" ہے، تو یہ دیکھ لو کہ تم کس سے دین سیکھ رہے ہو!!۔

اسی طرح حضرت امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۸۱ھ) نے لوگوں کے مجمع میں ارشاد فرمایا کہ: دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلَفَ ۔ یعنی: عمرو بن ثابت کی حدیث کو چھوڑ دو! کیوں کہ وہ سلفِ کرام (گزرے ہوئے بزرگانِ دین) کو گالی دیتا (برا کہتا) تھا۔ (صحیح مسلم، ج: اول، ص: ۵۲۸، المطبوع مع الشرح للنووی)

بعض سیدھے سادھے مسلمان غیر مسلم مستشرقین اور ان مغربی مصنفین کے قلم اور تحریر سے زہر آلود ہو کر اسلافِ امت سے بدگمان بلکہ کینہ پرور اور بدزبان ہو گئے، وہ مستشرقین جن کا کامیاب حربہ یہ ہے کہ براہِ راست مذہب اسلام کی مخالفت کی بجائے مسلمانوں کے دلوں سے ان اولین پیشواؤں یعنی حضراتِ سلف صالحین رحمہم اللہ کی عظمت ومحبت کو نکال باہر کیا

جائے۔ جب ان کے دلوں میں اسلام کے لہلہاتے چمن کی اول آبیاری کرنے والوں کے خلاف بدگمانی پیدا ہوجائے گی، تو خود بخود ان کے مضبوط ایمان میں تذبذب اور ان کے عقائد ونظریات میں شکوک وشبہات اور ان کی تعلیمات پر عمل میں کاہلی اور سستی پیدا ہوجائے گی۔

چناچہ شیطانِ لعین نے جو مسلمان کے ایمان کا ہر وقت دشمن رہتا ہے، اپنے اس مشن میں کامیابی کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ابلیس کے آلہ کار، مغرب سے متاثر، جدت پسند اہل قلم نت نئی تحریرات کے ذریعے جو بظاہر بڑی پرکشش اور مسجع ومقفی نظر آتی ہیں، بظاہر عقل وقیاس کے معیار پر پوری اترتی ہوئی نظر آتی ہیں، ان اکابرامت قدس اللہ اسرارہم پر رکیک حملے کرتے ہیں۔

چناں چہ وہ مسلمان جو ہر قسم کی تحریر کو بہت جلد مطالعہ میں لانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو حضرات اپنے دل میں ذاتی مطالعہ اور تحقیق کا جذبہ رکھتے ہیں، جب ایسی تحریروں کو پڑھتے ہیں تو چوں کہ کسی کے علمی کمال اور اس کے بیان کردہ مواد اور مضامین کو شریعت کی کسوٹی میں پرکھنے کی صلاحیت ان میں ہوتی نہیں، اس لیے غیر شعوری طور پر ان سے متاثر ہوکر اپنے اکابر واسلاف سے بدگمان ہوجاتے ہیں اور جن حضرات کے قلوب میں اپنے اکابر کا ادب واحترام ہوتا بھی ہے تو ان کو تحریر وتقریر کے ذریعے اس بات کی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ خود اپنی عقل ودانش کو استعمال کرتے ہوئے تحقیقی میدان میں اتریں، خود تحقیق کریں، خود مطالعہ کریں اپنی عقل کی کسوٹی پر خود حق وباطل کو پرکھیں اور اس حالت کا انجام بھی بالکل ظاہر ہے، بقول حضرت عارف رومیؒ ؎

تو نہ دیدی گہے سلیمان را

چہ شناسی زبان مرغاں را

(جب تم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہی نہیں دیکھا تو پرندوں کی زبان خاک سمجھوگے)

ایسے حضرات! خوب غور فرمالیں کہ اس تحقیق کے لبادہ میں آیا وہ واقعی تحقیق (یعنی حق کے راستہ کی تلاش) کی طرف ہی گامزن ہیں یا حضراتِ سلف صالحین رحمہم اللہ کے طریقِ مستقیم سے ہٹ کر کسی ضلالت وگمراہی اور تباہی و بربادی کی طرف محوِ سفر ہیں۔

اس تلخ حقیقت کو بھی ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ اس صورتِ حال کے ذمہ دار صرف عام نوجوان نہیں ہیں، بلکہ جتنا قصور ان کا ہے، اتنا ہی قصور ہمارے علما کا بھی ہے۔ علما کی ایک بڑی تعداد اپنے ''کمفرٹ زون'' (comfort zone) سے باہر نہیں نکلتی۔ وہ نوجوانوں کے حقیقی مسائل، ان کی فکری الجھنوں اور ان کے ذہنی پس منظر کو سنجیدگی سے سمجھنے اور حل کرنے پر توجہ نہیں دیتے۔ ایک تو اس طرح کے فتنوں کی خبر انھیں بہت دیر سے لگتی ہے، بلکہ بعضوں کو لگتی بھی نہیں اور اس کے حل کی کوئی سنجیدہ کوشش بھی نہیں کی جاتی، اگر یہ کہہ لیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان کی نظر میں یہ کوئی خاص مسئلہ بھی نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ نوجوانوں کو اپنی تشفی کے لیے غیر مستند اور سطحی بیانیے زیادہ پرکشش لگنے لگتے ہیں اور ایسے لوگوں کے پیچھے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ اگر علما اپنے مخصوص حلقے سے نکل کر اسی طرز پر جدید فکری چیلنجز کا گہرا مطالعہ کریں، اور نوجوانوں کے ساتھ مکالمے (dialogue) کے ذریعے ان کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کریں، تو ایسے جدید دین کی تشریح کرنے والے افراد کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جائے گی۔ کاش! ہمارے نوجوان اس جدید دین کے نظریہ کو پیش کرنے والوں کے مکر وفریب کو سمجھیں، اسلاف اور بزرگوں کے حوالے سے ان کے دل بغض وکینہ اور غلط فہمیوں سے پاک ہوں اور وہ تباہ کن مستقبل سے بچنے کے لیے اپنے روشن ماضی سے وابستہ ہوں۔

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

مسلمانوں کے طبقات

آج آپ مسلم معاشرے پر نظر ڈالیں گے تو میرے اپنے تجزیے کے مطابق مسلمانوں کے تین طبقے آپ کو نظر آئیں گے:

۱۔عالی مسلمان ۲۔خالی مسلمان ۳۔ غالی مسلمان

پہلا طبقہ: عالی مسلمانوں کا ہے۔عالی کا مطلب ہوتا ہے اونچا، بلند، معزز اور قابل احترام وغیرہ۔اسلاف واکابرین اور معزز بزرگان دین کی پیروی کرتے ہوئے جو اللہ ورسول کے احکام وفرامین پر حتی الامکان گامزن ہو وہ یقیناً عالی مسلمان کہلانے کا حق دار ہے۔نمازوں کا قائم کرنا، روزوں کا اہتمام، حج وزکوٰۃ کی مخلصانہ ادائیگی، اللہ کا خوف، رسول کی محبت، خطاؤں پر ندامت، آخرت کی تیاری، والدین کی خدمت، پڑوسیوں کے حقوق، اللہ کے بندوں کی امداد، بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی چاہت اور دین حق کی سربلندی کے لیے کوشش کرنا ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔یعنی حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی پورا خیال رکھنے والے یہ اللہ کے بندے گرچہ کم ہیں مگر روئے زمین ان سے آج بھی خالی نہیں۔حقیقتاً دنیا اور اس کی دینی رونق وبہار ان ہی کے دم قدم سے قائم ہے۔اور وہ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق ہیں ؎

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

دوسرا طبقہ: خالی مسلمانوں کا ہے۔خالی کا مطلب ہوتا ہے؛ یوں ہی، بلا وجہ، خواہ مخواہ، بے مقصد، محض، فقط وغیرہ۔یعنی وہ صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ مسلم

گھرانے میں پیدا ہو گئے، باپ دادا مسلمان تھے، اور ان کا بھی مسلم نام ہے۔ یہ جمعہ کی نماز بھی ادا کر لیتے ہیں، جمعہ نہ سہی تو کم از کم عیدین کی نمازیں پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ رمضان کے کچھ یا اکثر روزے بھی رکھ لیتے ہیں۔ زکوٰۃ بھلے ہی حساب و کتاب سے نہ دیں مگر کچھ نہ کچھ نیک کاموں میں خرچ ہوتا ہی ہے۔ ان بے چاروں کو اپنے بیوی بچوں، نوکری چاکری، بزنس کاروبار، دوست یار اور دیگر مصروفیات سے فرصت ہی کہاں ہے کہ وہ کچھ دین کے بارے میں جانیں، اسلام کے بارے میں سوچیں اور قوم وملت کے فلاح و بہبود کے لیے کچھ سرگرم عمل ہوں یا عملی جدو جہد کرنے والوں کا کچھ ساتھ ہی دیں۔ واضح رہے کہ ان بے حسوں کی فہرست میں صرف کم پڑھے لکھے اور متوسط و پسماندہ طبقے ہی کے لوگ نہیں ہیں بلکہ نام نہاد علما، باپ دادا کی گدیوں پر ناز کرنے والے فرضی پیران طریقت، اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، اونچے عہدوں پر فائز افسران، کالج اور یونیورسٹیوں کے معزز اساتذہ، بڑے تاجر اور کاروباری، سیمینارز، کانفرنسز اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر بڑی بڑی باتیں کرنے والے اور امت کے غم میں آنسو بہانے والی محترم شخصیات بھی ہیں۔

بات یہیں پر ختم ہو جاتی تو کوئی بات نہ تھی، مگر اب ان میں ہی جو زیادہ ترقی یافتہ، روشن خیال، جدت پسند، سیکولر، لبرل اور ہر طرف سے واہ واہی بٹورنے کی فکر میں رہنے والی جماعت پر نظر ڈالیے تو بس! الامان والحفیظ۔ ایسے لوگوں کا نظریہ اور عملی کردار بھی جناب اکبرؔ مرحوم نے بس ایک شعر میں پیش کر دیا ہے ؎

مے بھی ہوٹل میں پیو چندہ بھی دو مسجد میں
شیخ بھی خوش رہیں شیطان بھی بے زار نہ ہو

اور کسی دوسرے شاعر نے بھی حقیقت کی یوں ترجمانی کی ہے ؎

الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جایئے
ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے
طرز قدیم پر جو نظر آئیں مولوی
پبلک میں ان کو مورد الزام کیجیے
جو چاہیے وہ کیجیے بس یہ ضرور ہے
ہر انجمن میں دعویٰ اسلام کیجیے

تیسرا طبقہ: غالی مسلمانوں کا ہے۔ غالی کا مطلب ہے؛ غلو کرنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا، انتہا پسند، کٹّر۔ مسلمانوں کا یہ طبقہ بظاہر بڑا وضع دار اور دین دار ہے، مگر اس طبقے کی نام نہاد دین داری نے پورے معاشرے کا ماحول پراگندہ کر رکھا ہے۔ دوسروں کے مسلک و مشرب پر یہ نہایت کریہہ اور گھناؤنے انداز میں حملے کرتا ہے۔ سنجیدگی اور تہذیب کے ساتھ علمی اختلاف کرنے کے بجائے، یہ دینی معاملات میں مخالفت کی ساری حدیں پار کر جاتا ہے۔ دوسروں کے مرکز عقیدت پر انگشت نمائیاں دین کی بڑی خدمت سمجھ کر کرتا ہے۔ آج احقاق حق اور ابطال باطل کے خوش نما نام پر طوفان بدتمیزی کا بازار گرم ہے۔ بات فروعی اختلاف سے شروع ہوتی ہے اور گالی گلوج و ہرزہ سرائی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ ایک دوسرے کے ممدوحین اور شیوخ کے لیے گالیوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ اور اب تو ایک گروپ دوسرے گروپ پر حملے تک کرنے لگا ہے۔ اللہ نہ کرے کہ پڑوسی ملک کی طرح مسلکی تشدد کی نحوست ہمارے وطن میں آئے۔ ویسے زبانی تشدد کی ساری حدیں تو پہلے ہی پھلانگی جاچکی ہیں۔ اسی کام کے لیے باضابطہ رسائل و جرائد نکل رہے ہیں اور لاکھوں لاکھ روپے ان ہی امن و امان غارت کرنے والے موضوعات پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ وہ مختلف فیہ مسائل جن کا چودہ سو

سالوں سے فیصلہ نہیں ہوا اور اکابرین ملت اسلامیہ جسے حل نہ کر سکے، آج ان مسائل میں بحث و مباحثہ کا بازار گرم ہے۔

تاریخ اسلام کی اوراق گردانی سے سینکڑوں ایسے مسائل ملیں گے، جن میں علماے محققین کے مابین اختلاف رہا ہے۔ مگر ان مباحث کے سلسلے میں علما و ائمہ کا فیصلہ ہے کہ ایک عام شخص کا رجحان جس طرف ہو وہ ان عالم اور امام کی پیروی کر لے اور دوسرے پر ہرگز طعن و تشنیع نہ کرے۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ اپنے اپنے موقف کو منوانے کے لیے لوگ جان توڑ کوششوں میں مصروف ہیں اور اپنے فکری مخالفین پر لعن وطعن، گمراہیت اور کفر و شرک تک کی مشین گنیں کھول رکھی ہیں۔ انھیں اس کا بھی خیال نہیں کہ یہ کسی بھی فکر کے عالم، محقق اور امام کے نزدیک نہ روا ہے اور نہ ہی یہ عقیدۂ اہل سنت ہے۔ اس یک طرفہ سوچ اور جارحانہ شدت پسندی کی زد میں کیسے کیسے علما، ائمہ، صوفیہ، اولیا، مجددین اور اساطین امت آرہے ہیں، اس غالی طبقے کو اس کا بھی قطعی خیال نہیں۔

چوک و چوراہے سے لے کر سوشل میڈیا تک مسلکی، مشربی اور فروعی اختلافی مسائل میں ایسے نوجوان زیادہ ملوث ملیں گے جنھوں نے اِدھر اُدھر سے کچھ اختلافی کتابیں پڑھ رکھی ہیں یا اختلافی مسائل پر ہی تقریریں کرنے والے متشدد علما سے روابط یا ان کے غائبانہ مداح ہوتے ہیں۔ یا پھر کسی بڑے اور اچھے مدرسے سے پڑھ کر تو نکلے ہیں مگر انھوں نے اپنی سوچ و فکر اور علم و تحقیق کے دائرہ کو بڑا تنگ کر رکھا ہے۔ ایسے عام اور تمام لوگوں کو حجۃ الاسلام سیدنا امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م:۵۰۵ھ) کی یہ تحریر دل کی نگاہوں سے پڑھنی چاہیے، آپ فرماتے ہیں: ''عوام کا فرض ہے کہ ایمان اور اسلام لا کر اپنی عبادتوں اور روزگار میں مشغول رہیں، علمی مسائل کو علماے دین کے

حوالے کر دیں۔ عام شخص کا علمی سلسلہ میں حجت کرنا زنا اور چوری سے بھی زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ کیوں کہ جو شخص دینی علوم میں بصیرت اور پختگی نہیں رکھتا وہ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے مسائل میں بحث کرتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ایسی رائے قائم کرے جو کفر ہو اور اس کو اس کا احساس بھی نہ ہو کہ اس نے جو سمجھا ہے وہ کفر ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو تیرنا نہ جانتا ہو اور سمندر میں کود پڑے۔

(احیاء علوم الدین، ج: ۳، ص: ۳۶)

آج مذہبی معاشرے کو سب سے زیادہ نقصان حاسد مولویوں، متعصب مفتیوں اور خواب خرگوش میں مست خودغرض پیروں سے ہو رہا ہے۔ جنھوں نے اسلام کے بجائے اپنے متعلقین کو صرف مسلک اور مشرب کی تعلیم دی ہے وہ بھی آدھی ادھوری۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں کا ایک بڑا گروہ خوش عقیدگی کے نام پر بدعقیدگی کا شکار ہو رہا ہے۔ انھوں نے دین و مذہب اور مسلک و مشرب کو خلط ملط کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ طبقہ مشرب و مسلک کو ہی دین سمجھنے لگا ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے اس ترتیب کو سمجھانا وقت کا اہم تقاضا ہے کہ دین سب سے اوپر ہے، پھر مذہب و مسلک اور آخر میں مشرب کا نمبر آتا ہے۔ آیئے ذرا بالترتیب اس کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

دین کیا ہے؟

عربی زبان ولغت میں دین کے مفہوم میں جزا، خود کو سپرد کر دینا، اطاعت، بدلہ دینا، حکم ماننا اور شریعت کی پابندی شامل ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا کے واسطے سے اپنے بندوں پر اپنی اطاعت کی جو باتیں مقرر فرمائی ہیں کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رحمت حاصل کریں، ان سب باتوں کے مجموعہ کو ''دین'' کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وَ مَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ وَ ہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ (آلِ عمران:۸۵) اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اگر کوئی ہے تو وہ اسلام ہے۔ اس آسمانی دین میں کسی انسانی فکر یا سوچ کا کوئی دخل نہیں۔

لفظ دین کے چند معنوں میں سے ایک معنی ہے طریقہ اور روش، اور قرآن کی اصطلاح میں لفظ دین ان اصول و احکام کے لیے بولا جاتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم النبیین تک سارے انبیا علیہم السلام میں مشترک تھا، قرآن کا ارشاد ہے: شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا (سورۃ الشوریٰ:۱۳) یعنی اس نے تمہارے لیے اسی دین کو مشروع (مقرر) کیا ہے، جس دین کی اس نے نوح کو وصیت کی تھی۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ دین سارے انبیا و رسل کا ایک ہی تھا، یعنی توحید باری تعالیٰ، روزِ قیامت، حساب و کتاب، جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا، اُس کے بھیجے ہوئے ہر نبی و رسول اور اُن کے لائے ہوئے احکام پر اسی

طرح زبان ودل سے ایمان لانا۔ان ہی بنیادی چیزوں کوضروریات دین بھی کہتے ہیں۔

ضروریات دین

وہ دینی باتیں ہیں جن کے دین سے ہونے کا ثبوت ایسی قطعی یقینی دلیلوں سے ہوجن میں بالکل شک وشبہ نہ ہواور ہر عام وخاص کومعلوم بھی ہوکہ یہ باتیں ضروریات دین سے ہیں۔(خاص سے مراد علما ہیں اور عام سے مراد وہ لوگ ہیں جوکہ عالم تونہیں مگر علما کی صحبت اور دینی کتابوں کومطالعہ میں رکھتے ہوں۔)

ان کا ثبوت قرآن عظیم، یا حدیث متواتر، یا اجماع قطعی (جواپنے معنی پر قطعی یقینی طور پر دلالت کریں اور حکم کا فائدہ دینے میں واضح ہوں) سے ہوتا ہے، جن میں نہ شبہے کی گنجائش، نہ تاویل کوراہ۔اوران کا منکر یاان میں باطل تاویلات کامرتکب کافر ہوتا ہے۔

ضروریات دین میں سے یہ امور ہیں، ایک خدا کا ماننا سیدنا محمدعربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی ماننا، مرنے کے بعددوبارہ اٹھنے کو برحق ماننا، جنت وجہنم کا وجود ماننا، قرآن مجید کے مکمل محفوظ ہونے کا عقیدہ، نبی کوغیر نبی سے افضل ماننا، اور یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی تبلیغ دین میں تقیہ نہیں کرتے وغیرہ شامل ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ (م:۱۹۲۱ء) لکھتے ہیں کہ ”ضروریات دین کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ امورجن کے علم میں عوام وخواص برابر شریک ہوں، میں کہتا ہوں کہ عوام سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا دین کے ساتھ تعلق اور علمائے دین کے ساتھ میل جول ہے“۔(فتاوی رضویہ، ج:۱،ص:۱۸۱)

خلاصۂ کلام یہ کہ ہرمسلمان کے لیے اس قدرعلم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے کہ مذکورہ اموراس کےعلم میں آجائیں۔اس کے لیے لازم وضروری ہے کہ حقیقی دین داروں کی صحبت اختیار کریں اورکسب علم دین میں کاہلی وتساہلی کوراہ نہ دے، کیوں کہ اسی پردین داری کامدار ہےاور عافیت بخیر ہونے کی امید بھی۔

مذہب و مسلک کا تعارف

دین اور مذہب میں اصطلاحی لحاظ سے کچھ فرق نہیں از قبیل مترادف ہیں، البتہ لغت کے اعتبار سے قدرے فرق ہے کہ مذہب کے معنی چلنے کا راستہ اور دین کے معنی آئین واحکام ہیں۔اسی طرح مذہب اور مسلک، دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغوی طور پر ہم معنی یا قریب المعنی ہیں۔ مذہب کا لغوی معنی ہے جانے کا راستہ، مجازاًاس سے مراد ہے فقہی مسائل میں ائمہ وعلما کی اجتہادی آرا کو ماننا۔حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ، جعفریہ وغیرہ فقہی مذاہب ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ: فلاں مسئلہ میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ کا مذہب یہ ہے۔

مسلک کے لغوی معنی بھی راہ، راستہ اور چلنے کی جگہ کے ہیں، مجازاًاس سے مراد نظریۂ حیات و مکتبہ فکر ہے اور شرعی اصطلاح میں فروعی ومختلف فیہ مسائل کے بارے میں ائمہ وعلما کی اعتقادی آرا کو مسلک کہا جاتا ہے۔ جیسے مسلک اہل سنت، (مسلک ماتریدیہ، مسلک اشاعرہ) مسلک اہل تشیع، وغیرہ۔

فقہی مکاتب کے یہاں لفظ مذہب، مخصوص فقہی سوچ یا نظریے کے لیے مستعمل ہے۔اس لیے مناسب لگتا ہے کہ لفظ دین کے مقابلے میں اسے واضح کر دیا جائے کہ مذہب کسے کہتے ہیں۔ یہ ہماری اسلامی تاریخ کے دین کے ماہر علما وفقہا کی اس فکر کا نام ہے جو انھوں نے دین کے کسی اہم مسئلے پر غور وفکر کے بعد اپنی رائے کی صورت میں دی۔اس سوچ اور فکر کو جب اپنایا جاتا ہے تو اسے مذہب کا نام دیا جاتا ہے۔اسی لیے مذاہب اربعہ یا چاروں مذاہب کی اصطلاح عام ہے۔اور ہر مذہب اپنا فقہی مسئلہ بتاتے وقت یہی کہتا ہے کہ ہمارے مذہب میں یوں ہے اور فلاں مذہب میں یہ ہے۔ یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث کی موجودگی میں ان فقہی اماموں کی پیروی اور ان کی تقلید کی ضرورت

کیا ہے اور کیا یہ طریقہ دور نبوی کے خلاف نہیں؟

تقلید کی ضرورت کیوں؟

تو اسے آپ مختصراً یوں سمجھیں کہ: عام آدمی قرآنی آیات کے احکام اور مختلف فیہ احادیث کے درمیان یہ فرق نہیں کرسکتا کہ کون سی آیت وحدیث ناسخ ہے اور کون سی منسوخ، کون سی راجح ہے اور کون سی مرجوح اور کس کا کیا درجہ ہے اور اس کا محل اور مصداق کیا ہے؟ اسی لیے ہر کس وناکس کو اس کی اجازت نہیں کہ قرآن پاک اور صحاح ستہ کو سامنے رکھ کر کسی ماہر مستند اہل حق عالم سے پڑھے اور سمجھے بغیر از خود عمل کرنا شروع کردے۔ اس سے نفسانی خواہشات کی پیروی اور گمراہی میں پڑ جانے کا شدید خطرہ ہے۔ جیسے کوئی نابینا شخص ہو جو راستے کے خطرات اور نشیب وفراز سے ناواقف ہو اور وہ کسی بینا شخص کا ہاتھ پکڑے بغیر اور کسی جانکار کی راہنمائی کے بغیر پُرخطر راستے پر چل پڑے تو امکان اس کا ہے کہ وہ راستہ بھٹک جائے یا راستے کے گڑھے میں گر پڑے، اس لیے سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ جو حضرات قرآن وحدیث اور دین وشریعت کے ماہرین ہیں ان کی تشریحات پر اعتبار کیا جائے۔

مشرب کیا ہے؟

مشرب کے معنی ''گھاٹ، پانی پینے کی جگہ، چشمہ، طریق، طریقہ، ڈھنگ'' وغیرہ کے ہیں۔ مسلمانوں میں اور خصوصیت کے ساتھ اہل سنت کے ہاں تزکیہ وتصفیہ اور تصوف وطریقت کے سلسلے کو ''مشرب'' کہتے ہیں۔ بڑے اور معروف سلاسل طریقت چار ہیں:

(۱) قادریہ (۲) چشتیہ (۳) سہروردیہ (۴) نقشبندیہ۔

انہیں کو مشارب اربعہ یا سلاسل اربعہ کہتے ہیں۔ باقی جو دیگر سلاسل طریقت ہیں وہ انھیں کی ذیلی شاخیں ہیں۔ ان سلاسل ومشارب کے مشائخ کا مقصد اپنے مریدین ومتوسلین

اور اپنی طرف رجوع کرنے والوں کا تزکیہ نفس کرا کے انھیں خالص اللہ کا بندہ بنانا ہے۔ جس طرح تمام ائمہ فقہ کا دین تو ایک ہی ہے مگر جزئی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے مسلک اور طریقۂ کار قدرے مختلف ہے، اسی طرح حضرات صوفیہ اور اہل سلسلہ کا معاملہ ہے، اہل تصوف کا مشہور مقولہ ہے ''الاولیاء کنفس واحدۃ'' یہ اس مقولے کے حقیقی مصداق ہیں۔

ع ایک ہی دریا سے نکلتی ہیں یہ نہریں ساری

خلاصۂ کلام یہ کہ دین اصل ہے اور اس کے اندر مسلک، مذہب اور مشرب شاخوں کی طرح ہیں۔ اگر کوئی ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے تو بلاشبہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ رہی بات مسلک و مشرب کی تو اس کے انکار و اختلاف سے زیادہ سے زیادہ بندہ گمراہ و بدمذہب تو ہوسکتا ہے مگر خارج از دین نہیں۔

مگر افسوس! آج صورت حال یہ ہے کہ ہر شخص نے اپنے ممدوح اور پیر کو دین بنا دیا ہے کہ جو ان کے فتوے اور حکم کو نہ مانے وہ خارج از اسلام ہے۔ اتنا نہیں تو کم از کم یہ ضرور ہے کہ وہ گمراہ، بدمذہب اور خارج از اہل سنت کے زمرے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ چودہ سو سالہ علمائے اہل سنت کے موقف اور عمل کے خلاف باضابطہ اپنے من پسند فتوؤں پر دستخطی مہم چلائی جاتی ہے۔ اور جو اس سے متفق نہ ہو اس کے خلاف مختلف قسم کے پروپگنڈے، بدگمانیاں اور غلط باتیں پھیلائی جاتی ہیں۔ یہ سراسر دین کا خون اور اپنے مسلک کا نعرہ لگا کر مسلک کو بدنام کرنا بھی ہے۔ بہر حال! کسی مسلک و مشرب سے کنارہ کشی یا اس کے انکار سے بندہ زیادہ سے زیادہ گمراہ ہوسکتا ہے نہ کہ اس پر شدید فتویٰ لگا کر دین سے ہی خارج کر دیا جائے۔ جیسا کہ موجودہ دور میں یہ بدعت سیئہ چل پڑی ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے نام کا مسلک بنا کر کے، مسلک کا نام لے کر ان کی تعلیمات کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے خود لکھا ہے:

''مسلمانو! (عقیدہ کے) مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں:

اول: ضروریات دین، اُن کا منکر بلکہ اُن میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم: ضروریات عقائد اہل سنت، ان کا منکر بد مذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم: وہ مسائل کہ علمائے اہل سنت میں مختلف فیہ ہوں، اُن میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے، خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا، خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علماء یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔ کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ عزوجل کے لیے ید و عین کا مسئلہ: قال اللہ تعالیٰ: یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔) وقال تعالیٰ: وَلِتُصۡنَعَ عَلٰی عَیۡنِیۡ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔

ید ہاتھ کو کہتے ہیں، عین آنکھ کو۔ اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں، وہ قطعاً کافر ہے۔ اللہ عزوجل کا ایسے ید و عین سے پاک ہونا ضروریات دین سے ہے، اور جو کہے کہ اس کے ید و عین بھی ہیں تو جسم ہی، مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہت اجسام سے پاک و منزہ ہیں، وہ گمراہ بددین کہ اللہ عزوجل کا جسم و جسمانیات سے مطلقاً پاک و منزہ ہونا ضروریات عقائد اہل سنت و جماعت سے ہے، اور جو کہے کہ اللہ عزوجل کے لیے ید و عین ہیں کہ مطلقاً جسمیت سے بری و مبرا ہیں، وہ اس کی صفات قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے، نہ اُن میں تاویل کریں، وہ قطعاً مسلم سُنّی صحیح العقیدہ ہے، اگر چہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہل سنت کا خلافیہ ہے، متاخرین نے تاویل اختیار کی، پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے نہ یہ کہ اجرا علیٰ المظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں، جس کا حاصل صرف اتنا کہ ''امنّا بہ کل من عند ربنا''۔ (ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔)'' (فتاویٰ رضویہ: ۲۹/ ۴۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کی بات ''حرف آخر'' نہیں

امام حماد سے روایت ہے کہ میں ایک روز لیث بن ابو سلیم کے پاس گیا۔ مجھ پر جب ان کی نگاہ پڑی تو مجھے گھور کر دیکھا پھر یہ حدیث بیان کی: إنّ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةَ أَبْوَابٍ وإنَّ بَاباً مِّنْهَا لِلْمَرْجِئَةِ وَ إِنَّ أَبْغَضَ الْمَذَاهِبِ إِلَى اللهِ الْإِرْجَاء، یعنی جہنم کے سات دروازے ہیں، ان میں سے ایک دروازہ مرجئہ کے لیے ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے برا مذہب مرجئہ کا ہے۔ میں نے ان سے کہا: لیث! تمھیں معلوم ہے کہ مرجی کسے کہتے ہیں؟ وہ بولے: آپ ہی بتایئے وہ کون ہیں؟ میں نے کہا: وہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم مومن ہو؟ تو وہ کہیں: ''أرجو''یعنی مجھے امید ہے۔ ایسا کہنے والا مرجی ہے، اسے نہیں معلوم کہ وہ مومن ہے یا کافر؟ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے اور کچھ دنوں بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ میرے والد ان کے جنازے میں شریک ہوئے، اور مجھے وہاں نہ دیکھ کر فرمایا: بیٹے! تم نظر نہیں آئے؟ میں نے انھیں اس تعریض کے بارے میں بتایا جو لیث نے میری طرف کی تھی۔ یہ سن کر میرے والد نے فرمایا: أَتُرِيْدُ أَنْ يَّجْمَعَ النَّاسُ كُلُّهُمْ عَلَى رَأْيِ أَبِيْكَ؟ إِنَّ النَّاسَ مَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ وَ نَحْنُ كُلُّنَا أَهْلُ مِلَّةٍ وَاحِدَةٍ. فَلَا يَحِلُّ لَكَ إِذَا رَأَيْتَ مِنْ أَخِيْكَ اِخْتِلَافاً فِي بَعْضِ الأَمْرِ أو تناوُلاً أن تعادِيَ أو تقطعُه۔ یعنی کیا تم یہ چاہتے ہو کہ سارے لوگ تمہارے والد کی رائے سے اتفاق کر لیں؟ لوگوں کا اختلاف ہمیشہ رہے گا، ہم سب ایک ہی دین کے لوگ ہیں، لہذا اگر تم بعض معاملات میں اپنے کسی اسلامی بھائی کا اختلاف دیکھو تو تمہارے لیے یہ روا نہیں کہ اس سے دشمنی کرو یا اس سے تعلق ختم کر دو۔ (اصول حدیث اور حالات محدثین، ص: ۲۷۲، ۲۷۳)

مگر آج المیہ یہ ہے کہ دین کو بنیاد بنانے کے بجائے، اپنے مسلک، مشرب اور

پیر خانے سے اختلاف کو بنیاد بنا کر دوسرے مسلمان کی تذلیل، تحقیر بلکہ بسا اوقات تکفیر تک بھی کر دی جاتی ہے، لیکن جیسا کہ آپ نے سمجھا کہ دین اور ضروریات دین کے انکار سے انسان خارج از اسلام ہوتا ہے، نا کہ کسی مسلک و مشرب سے اختلاف رائے کی وجہ سے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس شریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ان صاحب مزار کے علاوہ ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی۔ (فتاویٰ رضویہ: ۲۰/ ۲۹۶)

لطائف المنن میں امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۹۷۳ھ) نقل فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کسی عالم سے نفرت رکھتے تھے ایک شب خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی حضور علیہ السلام جلال میں نظر آئے شیخ محی الدین ابن عربی سے پوچھا کہ تم فلاں عالم سے کیوں نفرت رکھتے ہو تو کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ میرے مرشد شیخ ابو مدین مغربی (غوث پاک کے خلیفہ ہیں) کو نہیں مانتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مجھے مانتا ہے کہ نہیں؟۔ دین تو مجھے ماننے کا نام ہے تیرے شیخ کو ماننا کب سے دین بن گیا؟ تب جا کر صبح میں نے اس عالم سے معافی طلب کی۔ کیا خیال ہے؟ یہ روایت پڑھ کر ہم داخلی و آپسی انتشار جو کہ پیروں، خطیبوں اور خانقاہوں کی وجہ سے ہے، وہ ختم کرنے کی کوشش کریں گے؟

عہد حاضر میں ایک وبا یہ بھی چل پڑی ہے کہ لوگوں نے اپنے بعض ممدوحین کو غیر اعلانیہ طور پر معصوم بنا ڈالا ہے۔ اور اپنے علما و مشائخ کے بعض فتاوے پر دوسروں سے جبراً تصدیق کرائی جاتی ہے۔ اگر کوئی اس سے انکار یا احتیاط کرے، اپنا علمی موقف بتائے تو اس پر سخت حکم لگا کر سوشل بائیکاٹ کی مہم چھیڑ دی جاتی ہے۔ یاد رکھیں! یہ صرف نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب ہے کہ جو ان کی ذات اور قول کو مانے وہ مومن، نہ مانے تو کافر۔ اس لیے اس طرح کا عمل دین و شریعت کی روح کے منافی اور جرم عظیم ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ اس طرز فکر کے شدید مخالف ہیں۔ شاہ عبد

العزیز محدث دہلوی کے ایک فتوے کے بارے میں فاضل بریلوی سے استفسار ہوا تو آپ نے برجستہ طور پر ان کے فتوے کو غلط کہا اور اس کے ساتھ یہ اصولی بات لکھی:

''شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی، اور وہ نہ فقط فتاوی بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے، اور نہ ایک ان کے فتاوے بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں سے کچھ متروک نہ ہو، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کل ماخوذ من قوله ومردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ (رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے سوا ہر ایک کی بات قبول کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ: ۲۰/۲۹۶)''

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''ہر عاقل مسلمان جانتا ہے کہ نوع بشر میں عصمت خاصہ انبیاء ہے، نبی کے سوا کوئی کیسے ہی عالی مرتبے والا ایسا نہیں جس سے کوئی نہ کوئی قول ضعیف خلاف دلیل یا خلاف جمہور نہ صادر ہوا ہو۔ کل ماخوذ من قوله ومردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے سوا ہر ایک کی بات قبول کی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے۔) (فتاویٰ رضویہ: ۲۶/۵۷۷)''

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی شخصیت کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں پر آنکھیں بند ہیں، یا ان کی تحریر حرف آخر ہے یا فلاں کی تحریر پر شک کا پرندہ پر نہیں مار سکتا وغیرہ مقام رسالت تک پہنچانے کے مترادف ہے۔ ''لا ریب فیه'' قرآن کے لیے ہے، ہم حدیث پاک کے لیے بھی یہ نہیں کہہ سکتے ورنہ اس کے جانچ و پرکھ کی ضرورت کیا تھی۔ سند، راوی، ضبط، عدالت اور اتصال پر التزام واہتمام کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس لیے اس طرح کی شخصیت پرستی سے بچنا بھی بہت ضروری ہے، کیوں کہ شخصیت پرستی کا عمل غلوئے عقیدت اور گمرہی کی طرف لے جاتا ہے۔

مومن کی قدر و منزلت اور دینی قائدین

اللہ و رسول کے نزدیک ایک مومن کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مومن کی حرمت کو کعبے کی حرمت سے زیادہ محترم قرار دیا ہے اس حدیث پاک کو ملاحظہ فرمائیں: عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ، وَيَقُولُ: مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ، مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ، وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلَّا خَيْرًا (ابن ماجہ، کتاب الفتن، الرقم: ۳۹۳۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا: (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہیے۔

یہی وجہ ہے کہ صوفیاے کرام جو اللہ و رسول کے حقیقی منشا کو سمجھنے والے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت و سیرت کے عکس جمیل ہوتے تھے، ان کی اپنی زندگی اور تعلیمات میں اس بات پر بہت زور دیا جاتا تھا کہ کسی کا دل نہ دکھے، کسی کی دل آزاری نہ ہو، کسی کا دل نہ ٹوٹے۔ وہ دل جوئی کے لیے بڑی سے بڑی محنت اور قربانیوں کے لیے ہمہ وقت خود کو تیار رکھتے تھے۔ صوفیانہ فکر و مزاج رکھنے والے شعرا نے بھی اس پر بہت کچھ کہا ہے۔ جناب سہیل آفندی کہتے ہیں ؎

دل کو کعبہ کہہ رہا ہوں بات سمجھا کیجیے
میرا مطلب ہے کسی کا دل نہ توڑا کیجیے

عارف باللہ حضرت شاہ عبد العلیم آسی غازی پوری فرماتے ہیں ؎

دل عاشق میں قلق حد سے سوا ہوتا ہے
ذکر محبوب بھی اندوہ فزا ہوتا ہے
دل جو تھا خاص گھر اس کو نہ بنایا افسوس
مسجد و دیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے

ایک دوسری روایت کچھ یوں ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. رضی الله عنه. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا، أَوْلِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ جل شانہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ منھ سے اچھی بات نکالے یا خاموش رہے اور جو اللہ جل شانہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے ہمسائے کو نہ ستائے ،اور جو اللہ جل شانہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، الرقم: ۶۱۱۰)

ان فرامین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اب آیئے ہم اپنے علما وخطبا کا جائزہ لیتے ہیں، جنھیں قائدین ملت اسلامیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہمارے ان علما کے دینی جلسے اور کانفرنسز اس وقت تک مکمل نہیں سمجھے جاتے جب تک کہ دوسروں پر طنز وتعریض کے نشتر نہ چلا لیے جائیں۔ دوسرے مسلک ومشرب کے مقتدا اور رہنماؤں کو جو جتنی زیادہ دشنام

طرازیوں سے نوازے، وہ اتنا ہی زیادہ کامیاب خطیب گردانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج وعظ وخطابت کی مارکیٹ میں گالی بازوں کی ہوڑ مچی ہے۔ ہر ایک دوسرے پر بازی مارلے جانے کی تاک میں ہے،اور مارکیٹ میں قسم قسم کی گالیاں لانچ ہورہی ہیں۔ بھائیوں نے اپنے اپنے یوٹیوب چینلز بنا کر اسلام کی مسلمہ عظیم شخصیات تک کو ہدف تنقید بنانے سے نہیں چوک رہے ہیں۔کمال تو یہ ہے کہ جس قدر ہفوات وبکواس ہو، جانوروں کے ریوڑ کی طرح زندگی گزارنے والے لوگوں کی جانب سے اتنا ہی زیادہ لائیک، کمنٹس اور شاباشی ملتی ہے۔سوشل میڈیا چوں کہ آمدنی کا ایک ذریعہ بھی بن چکا ہے،اس لیے حشرات الارض کی طرح ایسے یوٹیوبرز (youtubers) پیدا ہورہے ہیں جو اپنے سننے والوں کی تعداد بڑھانے کے لیے اسلامیات واخلاقیات کی ساری حدیں پھلانگ جارہے ہیں۔ان باتوں سے ہمارے معاشرے کے انحطاط اور اخلاقی زوال کے گراف کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہوگی کہ ''اِذَا لَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا'' امت کے آخری زمانے کے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔ (جامع ترمذی،ابواب الفتن،الرقم:۲۲۱۱)

آج جس طرح اسٹیجوں، ٹی وی چینلوں،سوشل میڈیا اور عام محفلوں سے اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین، بزرگان دین اور قابل قدر علما ومشائخ کو ہدف تنقید بنایا جارہا ہے، یہ ہمارے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ قیامت قریب ہے۔جس احترام مومن ومسلم کے اسباق سے قرآن وحدیث کے صفحات کے صفحات بھرے ہوئے ہیں، المیہ یہ ہے کہ ان سب سے نظریں چرالی جاتی ہیں یا پھر ان کے ساتھ تاویل درتاویل کا معاملہ کیا جاتا ہے۔اپنے مطلب کی کچھ مخصوص آیات و

احادیث جو مخصوص صورت حال میں مخصوص لوگوں کے لیے، مخصوص اوقات میں نازل ہوئی تھیں، اسے لے کر کفر وشرک، گستاخ ومنافق، خارجیت ورافضیت اور گمراہیت و صلح کلیت کے فتوے دین کی بڑی خدمت سمجھ کر ایک دوسرے پر اچھالے جا رہے ہیں۔ اور اس معاملے میں ہر مکتبۂ فکر اور مسلک ومشرب کے کچھ جیالے ہمہ وقت کمر باندھ کر تیار ملیں گے۔

جناب مولانا عاصم چشتی نے ایسے ہی نام نہاد قائدین کے لیے خوب کہا ہے۔

ہو لیاقت تو قیادت کیجیے
ورنہ پھر یہ بند حرکت کیجیے
نعرہ بازی آپ کا ہے مشغلہ
دین کی بھی کچھ اشاعت کیجیے
دین کا نقصان کافی ہوگیا
للہ اب کچھ کم یہ شدت کیجیے
حسن اخلاق نبی بھی سیکھیے
بعد میں اصلاح امت کیجیے
بہر اعدا شدت غیظ و غضب
اہل سنت سے محبت کیجیے
سنت سرکار پہ کیجیے عمل
اور پھر تبلیغ سنت کیجیے
اسلام پہ کفر کی یلغار ہے
مل کے سب اس کی حمایت کیجیے

جس میں رد ہو داعیان دین کا
بند ایسی اب خطابت کیجیے
منبر سرکار کا کیجیے خیال
کچھ تو اظہار شرافت کیجیے
ہے اسی نعرہ سے واضح سنیت
یا رسول اللہ کی کثرت کیجیے
جو بھی عاصم دین سے بے زار ہیں
ان کو سمجھانے کی زحمت کیجیے

علمائے حق، اللہ جل شانہ سے ڈرنے والے، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت اور اطاعت کرنے والے اور امت مسلمہ کی قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنے والے ہوتے ہیں۔ آج اسلام اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جو دنیا کے لیے مرکز نگاہ بنا ہوا ہے، اس میں ان ہی مخلص علمائے حق کا کلیدی کردار ہے۔ انھوں نے دین حق کی آبیاری کے لیے ہر طرح کی قربانیاں دیں اور اپنے خون جگر سے اسے سینچا ہے۔ بر خلاف اس کے علمائے سو نے دنیاوی منفعت کے پیش نظر دین کا سودا کیا۔ خود رسوا ہوئے اور اسلام کو بھی رسوا کیا۔

ع حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے

علماے سو کی مذمت

قرآن وحدیث اور تاریخ وسیر میں علمائے حق کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔ انھوں نے اس دین اسلام کے لیے بڑی قربانیاں دی ہیں، آج قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور دین کا خوب صورت چہرہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے تو یہ سب انھیں علمائے حق کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ لیکن اس بات کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دین کے ظاہری علوم کو لے کرامت میں انتشار وافتراق پھیلانے اور اسلام کو نقصان پہنچانے میں بھی علما ہی کہے جانے والے طبقے کا بڑا کردار ہے۔ اسی علما کی جماعت اور گروہ کو علماے سو کہتے ہیں۔ علماے حق کے واقعات تو آپ نے بہت پڑھی اور سنی ہیں مگر علماے سو کے حوالے سے کم سنا اور پڑھا ہوگا۔ دین کو مکمل سمجھنے کے لیے اسے بھی پڑھنا، جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔

اپنی دنیا سنوارنے کے لیے حق کو چھپانے والے اور اپنے مفاد کے لیے حیلہ سازی کرنے والے علما کو قرآن مجید نے ”ثمن قلیل“ کے عوض آیات الٰہیہ کو بیچ دینے والے سے تعبیر فرمایا ہے: فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا (المائدہ: ۴۴) تو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی قیمت نہ لو۔

آقاے کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: جس نے دین کا علم اس لیے حاصل کیا کہ علما سے مباحثہ کرے یا کم علم لوگوں سے کٹ حجتی کرے یا لوگوں کی عقیدت کا رخ اپنی جانب پھیرے، تو (ایسا علم) اسے جہنم میں داخل کردے گا۔ (سنن ترمذی، ابواب العلم، الرقم: ۲۶۵۴)

اور فرمایا: وہ علم جسے صرف اللہ کی رضا کے لیے حاصل کرنا چاہیے، جس نے اسے اپنی دنیا سنوارنے کے لیے حاصل کیا، وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں

سونگھے گا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب العلم، الرقم: ۳۶۶۴)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شر کے بارے میں سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے شر کے بارے میں سوال نہ کرو، بلکہ خیر کے بارے میں سوال کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو! سب سے بڑا شر "شرارِ علما" اور سب سے بڑا خیر "خیارِ علما" ہیں۔ (مسند دارمی، الرقم: ۳۸۲) یعنی شر میں بدتر شر علماے سو کا شر ہے اور تمام بھلائیوں میں اعلیٰ درجے کی بھلائی علما کا خیر ہے۔

علما جب اپنے مقام سے گرتے ہیں تو پوری کی پوری قوم، حکومت اور سلطنت تباہی و بربادی کی طرف چلی جاتی ہے۔ اپنے وقت کے جید عالم دین، محدث و فقیہ اور صوفی مشرب شخصیت حضرت امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۱۸۱ھ) نے عناصر فساد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ؎

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ

وَ اَحْبَارُ سُوْءٍ وَ رُهْبَانُهَا

یعنی دین کو سلاطین، علمائے سوء اور زاہدان دنیا دار کے سوا کس نے بگاڑا ہے؟۔

(الجواب الکافی عن الدواء الشافی۔ لابن القیم، ص: ۱۱۴)

معروف مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر (م: ۱۶۰۵ء) کی گمرہی اور لادینیت کے پیچھے کون نہیں جانتا کہ ان ہی علماے سو کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ اکبری دربار کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ملا عبدالقادر بدایونی (م: ۱۶۱۵ء) نے اپنی مشہور کتاب "منتخب التواریخ" میں علمائے دربار اکبری کی ایسی تصویر کشی ہے کہ جسے پڑھ کر کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ یہ پوری تاریخ چونکہ حلفیہ شہادت کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ بغیر ثبوت و دلیل کے اس کا انکار کیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

عبادت خانہ میں ہر شب جمعہ سادات و مشائخ اور علما و امرا کی طلبی ہوتی، آگے پیچھے بیٹھنے میں مشائخ و علماء سے نفسانیت کا اظہار ہوا، ہر ایک دوسرے سے آگے اور ممتاز جگہ بیٹھنا چاہتا تھا، بادشاہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ حکم جاری کیا کہ امرا جانب مشرق بیٹھیں، سادات جانب مغرب، علما جنوب میں اور مشائخ شمال میں، بادشاہ خود ایک حلقہ میں آتا اور مسائل کی تحقیق کرتا۔

مزید لکھتے ہیں کہ ایک رات علما بڑے زور زور سے بولنے اور بحث کرنے لگے، بادشاہ کو ناگوار گزرا اور اس نے اس کو بدتمیزی اور دنیا داری پر محمول کیا۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں: ''باہم دگر تیغ زبان کھینچ کر مدمقابل ہو گئے، اختلافات یہاں تک بڑھ گئے کہ ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل پر اتر آئے، اس وقت علما کے گردنوں کی رگیں پھولی ہوئیں اور آوازیں بہت بلند تھیں، اس بات سے خاطر اشراف پر گرانی ہوئی۔''

اعلیٰ دینی عہدیداروں میں ایک اہم رکن ملا عبداللہ سلطان پوری تھے، جن کا عہدہ اور خطاب مخدوم الملک تھا، انھوں نے محض اس لیے کہ حج نہ کرنا پڑے فریضہ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا تھا اور زکوٰۃ کے سلسلے میں بھی حیلے بہانے سے کام لیتے تھے، اور اس کی ادائیگی سے بچ جاتے تھے، انھوں نے عہد اکبری اور اپنے عروج کے زمانے میں بہت دولت جمع کر لی تھی۔

اسی زمانے میں دربار میں ملا مبارک ناگوری کی آمد و رفت شروع ہوئی اور اس کے دونوں بیٹوں فیضی اور ابوالفضل کو بادشاہ کے دربار میں ایسا اعزاز حاصل ہوا جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا تھا۔

ملا مبارک، ابوالفضل اور فیضی تینوں بلا کے ذہین اور علوم عقلیہ و ادبیہ پر گہری دسترس رکھنے والے تھے اور اس زمانے میں علوم و فنون کے لحاظ سے فاضل اور دانش مند

شمار کیے جاتے تھے۔کاش!اگر اس علمی تبحر اور ذہن کی دراکی کے ساتھ،ان میں رسوخ فی الدین، خدا ترسی اور اخلاص وللّٰہیت بھی ہوتی تو وہ اس عہد میں ایسی خدمت انجام دیتے جس کی نظیر ملنا مشکل ہوتی۔

ابوالفضل نے اکبر کے مذہبی عقائد میں اچھا خاصا دخل پیدا کیا چنانچہ جب اکبر نے ۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری میں مذہبی علما کے مباحثے سننے کے لیے عبادت خانہ قائم کیا، تو ابوالفضل علما کے ان باہمی مباحثوں میں شریک ہوتا اور ہمیشہ اکبر کے عقائد کی طرف داری کرتا، یہاں تک اس نے اکبر کو یہ سمجھایا کہ مذہب کے متعلق اس کے نظریات معاصر علما سے کہیں افضل اور برتر ہیں۔۱۵۷۹ء میں دربار شاہی سے ایک حکم نامہ جاری کیا گیا جس کی رو سے مذہبی علما کے اختلافات نپٹانے کے لیے آخری حَکَم اکبر کو بنا دیا گیا، انھیں مناظروں کے درمیان ہی اکبر کو ایک نیا مذہب ایجاد کرنے کا شوق چڑھا اور اس نے ۱۵۸۲ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی۔

بادشاہ اکبر کو لا مذہب اور ملحد بنانے میں اس زمانے کے علما کا بڑا دخل رہا، ان میں سے بعض تو وہ جو کم علمی کے باوجود اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے اور طبیعت کو شریعت پر فوقیت دی اور بعض ذہانت وقابلیت اور علوم وفنون میں ماہر ہونے کے باوجود خشیت الٰہی سے عاری ہونے کے سبب اکبر اور عہد اکبری کے گمراہی کی وجہ بنے۔

ملا صاحب اپنی کتاب میں کئی مواقع پر کسی مولوی حاجی ابراہیم صاحب سرہندی کا تذکرہ کرتے ہیں، جو اکبر کے زمانے میں صوبۂ گجرات کی منصب صدارت پر فائز تھے۔انھوں نے گجرات سے بادشاہ کے لیے کچھ تحفے بھیجے تھے،ان میں ایک تحفہ یہ بھی تھا کہ: ایک جعلی عبارت حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ (م:۱۲۴۰) کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے نامانوس حروف میں نقل کر کے بھیجی، جس کا مطلب یہ تھا کہ ”صاحب زمان“

کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور وہ دڑھ منڈا ہوگا۔ اس طرح کہ چند صفات جو ''خلیفۃ الزمان'' میں تھے، اس میں درج تھے۔ (منتخب التواریخ اردو، جلد دوم، ص:۲۷۸)

ایک اور مولانا صاحب تھے، جن کا ذکر ملا صاحب نے مولانائے خواجۂ شیرازی کے لقب سے کیا ہے۔ ان مولانا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں: شرفائے مکہ کے پاس سے یہ ایک رسالہ لائے کہ صحیح حدیثوں میں دنیا کی پوری مدت عمر سات ہزار سال ہے اور یہ مدت پوری ہوچکی، تو یہی وقت اس مہدی کے ظہور کا ہے جن کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خود ان مولانائے خواجہ شیرازی صاحب نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ مرتب فرمایا تھا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کی تائید میں صرف سنی علما ہی نہیں تھے بلکہ شیعی علما کے بھی بعض افراد پیش پیش تھے۔ ان شیعی عالموں کے بھی کچھ اشعار و اقتباسات پیش کرنے کے بعد مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ: بہر کیف اکبر کے زمانہ میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گزرنا ایک ایسا واقعہ بنالیا گیا، جس پر الف ثانی کے نظریہ کی یاروں نے بڑی بڑی تعمیریں کھڑی کردیں اور مستقل طور پر یہ طے کردیا گیا کہ ''محمدی اسلام'' کی عمر پوری ہوگئی۔ (الفرقان لکھنؤ، مجدد الف ثانی نمبر، ص:۵۲)

مختصر تبصرہ

شب معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن عذاب وثواب کے مشاہدات کرائے گئے، ان میں سے ایک یہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جارہا ہے، میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا: (یارسول اللہ!) یہ آپ کی امت کے وہ خطبا ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور اپنے آپ کو فراموش کردیتے ہیں۔ (سنن بیہقی: ۱۷۷۳)

یہ امت کے خطبا ہی ہیں جنھوں نے ایک محدود ٹولی کے علاوہ ہر دوسرے شخص کے خارج از اسلام ہونے کا تصور عام کر دیا ہے۔ بہت ہی سچ کہا ہے کسی نے ؎

واعظ شہر تیری چرب لسانی کی قسم
تو نہ ہوتا تو یہاں سب مسلماں ہوتے

بعضوں نے مسلکی ومشربی بغض وعناد میں اللہ ورسول کے فرامین کو پس پشت ڈال کر اپنی نفسانی خواہشات کو خدا بنالیا ہے۔ اسی کو قرآن نے کہا ہے: أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (الفرقان: ۴۳) اب ذرا آیئے اور اپنے رب کا فرمان عالی شان ملاحظہ فرمایئے: وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام، الآیۃ: ۱۰۸)

اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنھیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا کوئی اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ایک اس کے باپ کو گالی دے گا تو دوسرا اس کے باپ کو۔ ایک اس کی ماں کو گالی دے گا تو دوسرا اس کی ماں کو۔ (ترمذی، باب ماجاء حقوق الوالدین)

یعنی دوسرے کے ممدوحین، ماں باپ اور قابل تعظیم ہستیوں کو گالی دینا، خود اپنوں کو ہی گالی دینے کی طرح ہے۔ اسی طرح ہر تنظیم وتحریک، دینی ادارے اور اس کے سربراہان اپنی ہی فکر ونظر اور منشور ومنصوبے کو وقت کی اہم ضرورت بتانے میں مصروف ہیں اور دوسروں کے کاموں اور نیتوں پر شکوک وشبہات کے ذریعہ سوالیہ نشان لگائے

جاتے ہیں۔تعجب ہے کہ زبانی دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ اللہ کی ذات ہی علیم وخبیر ہے، وہی دلوں کا حال جاننے والا ہے اور وہی لوگوں کی نیتوں سے واقف ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔مگر جب ہم کسی کی مخالفت پر اترتے ہیں تو سارے حدود پھلانگتے ہوئے ان ساری خدائی صفات سے خود کو متصف کر لیتے ہیں۔(العیاذ باللہ تعالیٰ) بے چارا ایک سیدھا عام مسلمان جو دین اسلام اور دستورِ شریعت کو سمجھنا چاہتا ہے، راہ حق اور اچھی صحبت کا متلاشی ہوتا ہے، وہ ہماری ان کیفیات کو دیکھ کر یا تو دین سے ہی دور ہو جاتا ہے یا پھر کسی ایسی جماعت کی زلف گرہ گیر کا اسیر بن جاتا ہے جو اسے تباہی کی راہ پر ڈال دیتی ہے۔

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

ان حالات میں اب عام پڑھے لکھے شخص یا اَن ٹرینڈ نوجوان علما سے کسی خیر کی توقع کرنا ببول کے پودے سے گلاب کے پھول کی امید کرنے کے مترادف ہے۔یقین نہ ہو تو ذرا سوشل میڈیا پر نظر ڈالیے اور اس پڑھے لکھے دین دار طبقے کی فکر و نظر، بے مروتی و بے حسی اور اخلاقی دوالیہ پن کا ماتم کیجیے۔ جو دین کے بڑے اہم مسائل حل کرنے میں لگے ہیں کہ کون مسلم ہے اور کون مشرک! —— کون بدعتی ہے اور کون سنی! —— کون بریلوی ہے اور کون صلح کلی! —— کون صراط مستقیم پر ہے اور کون گمراہ! —— کون جنتی ہے اور کون جہنمی! —— کون مومن ہے اور کون کافر!

ذات، برادری، مسلک، مشرب اور فرقہ بندی کی لعنت نے اس امت کو تباہی و بربادی کے قعر مذلت میں دھکیل دیا ہے۔علامہ اقبال نے برسوں پہلے بڑے درد و کرب کے ساتھ کہا تھا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

قرآن پاک میں علمائے یہود کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ''ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہو گئے تھے، اللہ کے کلام کا ان کے دل پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا، کلام الٰہی میں وہ تحریف کر دیتے، اپنی طبیعت کے مطابق کچھ قبول کرتے اور کچھ چھپا لیتے۔ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے اور خود کو بھول جاتے۔ اس طرح کی بہت ساری دھاندھلیاں تھیں جو وہ اپنی کتاب اور اپنے دین میں کرتے تھے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۴۲) اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

۲۔ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ (البقرہ:۴۱) اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت نہ وصول کرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔

۳۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرہ:۴۴) کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

۴۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۷۵) تو اے مسلمانو! کیا تم یہ امید رکھتے ہو کہ یہ تمہاری وجہ سے ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ وہ تھا کہ وہ اللہ کا کلام سنتے تھے اور پھر اسے سمجھ لینے کے بعد جان بوجھ کر بدل دیتے تھے۔

ان کے ان ہی جرائم کی وجہ کر ان پر ذلت وخواری اور در بدر کی ٹھوکریں مقدر

کردی گئیں۔ ارشاد باری ہے: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ''ان پر ہر جگہ ذلت مسلط کردی گئی ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں۔ یہ غضب الٰہی کے ساتھ پھریں گے اور ان پر ذلت و مسکنت ڈال دی گئی یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر کرتے اور بلا جواز انبیا کو قتل کرتے تھے'' (آل عمران:۱۱۲)

افسوس! آج اسی سے کچھ ملتی جلتی کیفیت اس امت کے علما کی بھی ہوچکی ہے۔ اللہ و رسول نے جن چیزوں کے بارے میں صراحت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے، ان برے اعمال سے بچنے کی نہ کوئی کوشش ہوتی اور نہ ہی اس جانب کوئی توجہ دی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف گروہی مولویوں، مفتیوں اور پیروں کے فرامین وفتاوے کو سر آنکھوں پر رکھا جاتا ہے اور یہ طبقہ عملی طور پر اسے ہی کُل دین وایمان سمجھتا ہے۔ سورۃ الحجرات میں اللہ پاک نے کس وضاحت کے ساتھ ان برے اعمال کی ممانعت فرمائی ہے، ذرا جھلک ملاحظہ فرمائیں:

فَتَبَيَّنُوا (الآیۃ:٦) یعنی خبر کی خوب تحقیق کرلیا کرو۔

فَاَصلِحُوا (الآیۃ:٩) مسلمانوں کے درمیان صلح کراؤ۔

وَاَقسِطُوا (الآیۃ:٩) انصاف سے کام لیا کرو۔

لَایَسخَر (الآیۃ:١١) ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔

وَلَاتَلمِزُوا (الآیۃ:١١) ایک دوسرے کو طعنے نہ دیا کرو۔

وَلَاتَنَابَزُوا بِالاَلقَابِ (الآیۃ:١١) ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو۔

لَایَغتَب (الآیۃ:١٢) ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

لَا تَجَسَّسُوْا (الآیۃ:۱۲) کسی کی ٹوہ میں نہ لگو۔

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (الآیۃ:۱۲) بدگمانیوں سے بچو۔

ان تمام فرامین خداوندی کے خلاف سب سے زیادہ ملوث وہی طبقہ نظر آئے گا جسے جھوٹی دین داری اور خوش عقیدگی کا غرہ ہے۔سنی سنائی باتوں کا پھیلانا،صلح کی جگہ چنگاری لگانا،انصاف کے دوہرے پیمانے قائم کرنا،اپنے مدمقابل کا تمسخر اڑانا،انھیں طعنے،غیبت اور برے القابات سے نوازنا،سخت بدگمانی کی بنا پر دوسروں کو صلح کلی،گستاخ رسول،راہِ حق سے بھٹکا،گمراہ یہاں تک کہ کافر ومشرک کہہ دینا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے اپنے اردگرد کے ماحول میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (الانعام،الآیۃ:۱۱۷) بے شک! آپ کا رب ہی اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے (بھی) خوب واقف ہے۔

سورۂ نحل میں اسی طرح فرمایا گیا: اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (النحل،الآیۃ:۱۲۵) بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے اور پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے۔

امت کے اس شدت پسند ٹولے کا عالم یہ ہے کہ کسی اجنبی کو سلام کرنا تو جانے دیں،سلام کرنے والے کے ایمان پر شک وشبہ کر کے جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ایسے لوگوں کو اپنے رب کے اس فرمان کو ایک بار نہیں،بار بار پڑھنا چاہیے: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء،الآیۃ:۹۴) اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔

غضب تو یہ ہے کہ اگر کوئی ان کی اس بے راہ روی کی طرف توجہ دلائے،اصلاح

کی کوشش کرے اور قرآن وحدیث کا حوالہ دے تو وہ یا تو اس مصلح کے خلاف ہی ننگی تلوار لے کر کھڑے ہوجائیں گے یا پھر اس کی ایسی تاویل کریں گے کہ شاعر مشرق کی روح تڑپ کر پکار اٹھے گی۔

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

اس قرآن مخالف روش نے امت مسلمہ کو سخت نقصان پہنچایا ہے، توحید اور رسالت کے الگ الگ جھنڈے لے کر ایک دوسرے کو خارج از دین کرنے میں لگ گئے۔جس سے ملت کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی، ہمارے اقبال کے سورج کو گرہن لگادیا، ہمارا علمی وقار مجروح ہوا، عوام علما سے بدظن ہوئی، زمانے میں وہ طنز و تمسخر کا نشانہ بنے اور دوسری قوموں کے مقابل عزت وعظمت اور طاقت وقوت سے محروم ہوکر رہ گئے۔
اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ائمہ دین فرماتے ہیں: ''اے گروہ علماء! اگر تم مستحبات چھوڑ کر مباحات کی طرف جھکو گے (تو) عوام مکروہات پر گریں گے، اگر تم مکروہ کرو گے (تو) عوام حرام میں پڑیں گے، اگر تم حرام کے مرتکب ہوگے (تو) عوام کفر میں مبتلا ہوں گے۔ یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد فرمایا'' بھائیو! للہ! اپنے اوپر رحم کرو، اپنے اوپر رحم نہ کرو (تو) اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم کرو، چرواہے کہلاتے ہو بھیڑیئے نہ بنو۔ (فتاوی رضویہ، ۲۴/ ۱۳۲-۱۳۳)

اس سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ پہلے ہم اصل دین کو سمجھیں۔ اگلے صفحات میں توحید وشرک کے حوالے سے بنیادی باتوں کی مختصر تشریح کی جارہی ہے، تاکہ عام لوگوں کا مغالطہ ختم ہو، ان کی اصلاح ہو اور وہ سمجھیں کہ حقیقتاً توحید وشرک کیا ہے۔

توحید و شرک کی مختصر تعریف و توضیح

''عقیدۂ توحید'' اسلام کا سب سے پہلا بنیادی عقیدہ ہے۔ توحید تمام عقائد واعمال کی اصل اور جڑ ہے۔ بغیر عقیدۂ توحید کے درستگی کے نہ تو کوئی موحد ہو سکتا ہے اور نہ ہی مومن و مسلم۔ اس لیے ہر شخص کے لیے توحید اور عقیدۂ توحید کا سمجھنا ضروری ہے۔

توحید کا معنی و مفہوم

لغوی معنی: کسی چیز کو ایک جاننا ایک ماننا۔ شرعی معنی: اللہ کو اس کے افعال، اسماو صفات میں اکیلا اور یکتا ماننا۔

مفہوم: توحید صرف یہ نہیں ہے کہ ہم اللہ کو اپنا خالق و مالک سمجھیں تو بس کافی ہو گیا بلکہ توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک بندہ اللہ کو اس کے افعال کے ساتھ ساتھ اس کے لائق عبادت ہونے اور اسماو صفات میں بھی اکیلا نہ مان لے۔ جو لوگ ایک سے زیادہ خدا ہونے کے قائل ہیں اللہ پاک نے اُن کے کُفر کا صاف اعلان فرمایا ہے، ارشادِ باری ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (المائدہ:۷۳)

یعنی: بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں سے تیسرا ہے، حالاں کہ سوائے ایک معبود کوئی مستحق عبادت نہیں، اور اگر وہ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو نہایت دردناک عذاب پہنچے گا۔

توحید کی اہمیت

توحید کا معنی ومفہوم اور اس کی قسمیں جان لینے کے بعد آیئے اب یہ جانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں توحید کی کیا اہمیت ہے، تو دیکھیں یوں تو کائنات کا ذرہ ذرہ توحید کی اہمیت بتانے کے لیے ہی ہے اگر آنکھیں دیکھتی ہوں اور دل سمجھتے ہوں، لیکن بطور نمونہ ذیل کے سطور میں اس کی اہمیت کے تعلق سے چند جہات قلمبند کیے جا رہے ہیں:

۱۔ دنیا میں جتنے بھی انبیا ورسل آئے سبھی کا مشن ایک تھا اور وہ ہے اللہ کی توحید کا اعلان اور تمام معبودان باطلہ سے برأت کا اظہار۔

۲۔ انسان کی نیکیوں اور اچھائیوں کے قبول کیے جانے کی سب سے بڑی بنیاد توحید ہی ہے۔

۳۔ توحید نہ ہو تو کسی نبی سے قرابت ورشتہ داری بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بھی طوفان میں ڈبو دیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابولہب کی رشتہ داری بھی کسی کام نہیں آئی۔

۴۔ اللہ نے خود اپنی معرفت یعنی توحید کا علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔

۵۔ قرآن کی ابتدا وانتہا اسی توحید پر ہے۔

۶۔ توحید اللہ کا بنیادی حق ہے جس کا ادا کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔

شرک کی تعریف اور اس کی مذمت

شرک کے لغوی معنی ہے ''حصہ اور ساجھا''۔ شریک بمعنی حصہ دار وساجھی۔ لہٰذا شرک کے معنی ہوئے اللہ کی طرح کسی اور کو خدا ماننا یا خدا کی ذات وصفات میں کسی کو شریک مان کر کہنا کہ یہ بھی اس صفت میں اللہ کی طرح ہے۔ مثال کے طور پر کہ اللہ تعالیٰ

خالق حقیقی ہے اور فلاں بھی خالق حقیقی ہے، تو یہ شرک ہے۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ خالق حقیقی ہونے میں کسی کا محتاج نہیں، مگر فلاں خالق ہونے (یعنی کسی چیز کو بنانے، تعمیر کرنے اور ایجاد کرنے) میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، تو یہ شرک نہ ہوگا۔

(۱) رب تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَھُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ (سورہ فاطر: ۴۰) آپ کہیے مجھے بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن شرکا کی پرستش کرتے ہو، مجھے دکھاؤ انھوں نے زمین کے کسی حصہ کو بنایا ہے، یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کا کچھ حصہ ہے۔

(۲) شریعت اسلامیہ میں کسی کو اللہ کے برابر اور اس کے مثل سمجھنا شرک ہے، خواہ کسی کو اللہ جل شانہ کی طرح مستقل خالق و مالک مانے جیسے مجوسی "اہرمن اور یزدان" کو خیر وشر کے دو مستقل خدا مانتے ہیں۔ یا کسی کو خدا کی اولاد مانے جیسے مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ اسی طرح یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں کہ اولاد باپ کے مثل ہوتی ہے۔ یا پھر کسی کو خدا کا بندہ ہی مانے مگر خدائے تعالیٰ کو اس بندے کا حاجت مند سمجھے جیسے مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کا بندہ سمجھتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان زمین بنا کر تھک گیا ہے، اب وہ دنیا کا انتظام اکیلا نہیں کرسکتا، اس لیے اب یہ کام ہمارے بُت کر رہے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کی تردید کے لیے سورۂ اخلاص نازل ہوئی جس میں اللہ جل شانہ نے اپنی وحدانیت، بے نیازی، اولاد اور والد کی نفی کے ساتھ بالکل واضح انداز میں ارشاد فرمایا:

وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ (الاخلاص، الآیۃ: ۴) یعنی اللہ کے کوئی مثل اور برابر نہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا: الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (الفرقان، الآیۃ: ۲) وہ

ذات جس کی سلطنت میں تمام آسمان اور تمام زمینیں ہیں، اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو مقرر کردہ اندازے پر رکھا۔

سورۂ اسرا میں ارشاد فرمایا: وَلَمۡ يَكُن لَّهُۥ شَرِيكٌ فِي الۡمُلۡكِ وَلَمۡ يَكُن لَّهُۥ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل، الآیۃ:۱۱۱) اور نہ ہی سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کسی کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار ہے۔

سورہ ق میں ہے: وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ (ق، الآیۃ:۳۸) اور بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں بنایا اور تکان ہمارے پاس نہ آئی۔

(۳) یا اس طرح کہ کسی کو خدا کے مقابل لائقِ اطاعت سمجھے کہ اللہ رب العزت کی نہ مانے اس کی مانے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: اِتَّخَذُوۡا اَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَانَهُمۡ اَرۡبَابًا مِّن دُوۡنِ اللّٰهِ وَالۡمَسِيۡحَ ابۡنَ مَرۡيَمَ ۚ وَمَا اُمِرُوۡا اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبۡحٰنَهُ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ (التوبۃ، الآیۃ:۳۱)

انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علما اور پیروں کو اپنا رب بنا لیا ہے، اور اسی طرح مسیح ابنِ مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، وہ ان کے خودساختہ شرکاء سے پاک ہے۔

(۴) اور فرمایا: مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوٰىهُ۔ (الفرقان، الآیۃ:۴۳) جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

مگر افسوس! آج ایک طبقہ مسلمانوں کو بات بات پر مشرک کہہ کر خود کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ اللہ پاک ایسے لوگوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ خیال رہے کہ اسلام میں

شرک نا قابلِ معافی جرم ہے۔ جرم جس قدر سخت ہوگا، اس کے دلائل اتنے ہی مضبوط اور قوی دینے پڑیں گے۔ ورنہ معمولی شبہ پر ملزم کو اس کا فائدہ دے دیا جاتا ہے۔ آٹو اور بائیک والوں کا چالان دس منٹ میں معمولی گواہی سے کر دیا جاتا ہے مگر قتل کا مقدمہ کئی سال چلتا ہے۔ بڑی تحقیق، ٹھوس دلائل اور مضبوط گواہی کے بعد پھانسی کی سزا ہوتی ہے۔ اسلام میں ہر جرم دو گواہوں سے ثابت ہو جاتا ہے مگر زنا کا جرم چار گواہوں سے ثابت ہوتا ہے۔ اور ان جرموں کا فیصلہ بھی کوئی عام بندہ نہیں سنا سکتا بلکہ کورٹ کے فاضل جج اور عدالت کے ذمہ دار قاضی کا یہ منصب ہے۔ یہ بات اگر سمجھ میں آگئی ہو تو اب یہ سمجھیں کہ شریعت اسلامیہ میں شرک سخت ترین جرم ہے مگر آج وہ شخص جس نے بنیاد دین سے متعلق کوئی ایک کتاب نہ پڑھی ہے اور نہ ہی پڑھنے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر وہ انتہائی ڈھٹائی سے دوسروں کو کافر و مشرک کہہ رہا ہے۔ کسی نے محبت سے یارسول اللہ کہا مشرک، بارگاہ رسالت میں درود تاج کا ہدیہ نذر کیا مشرک، ایصال ثواب اور فاتحہ کی محفل سجائی مشرک، بزرگوں کے مزارات پر عقیدت کا نذرانہ پیش کیا مشرک۔ اور نہ جانے کن کن مواقع پر اس سنگین جرم کا مسلمانوں پر الزام عائد کر کے لوگ اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ الامان والحفیظ!

ہاں! یہ خیال بھی ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام، اہل بیت وصحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی عقیدت ومحبت میں غلو اور شرک کے شائبہ وشبہ سے بھی بچنا ہر مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ بہت سارے علما وائمہ کو میں نے خود دیکھا کہ دعا کے لیے انھوں نے ہاتھ اٹھایا مگر دعا کے نام پر صرف استغاثہ اور بزرگوں سے استعانت ومدد کے ہی الفاظ وجملے ادا کرتے رہے۔ اسی طرح بزرگوں کے مزارات پر بھی صرف عام مجاورین نہیں بلکہ بعض شیوخ طریقت اور سجادہ نشین حضرات بھی ان بزرگوں سے ہی براہ راست مانگتے نظر آتے ہیں۔ ہاں! یہ شرک نہیں! لیکن شائبہ شرک تو ضرور ہے، کم پڑھے لکھے

مسلمانوں کے لیے تو یہ دلیل بھی ہے اور تعلیم بھی۔اس لیے اس طرح کی باتوں سے بچنا بھی بے حد ضروری ہے۔علماے اہل سنت نے اس طرح کی چیزوں پر ضرور رخصت دی ہے،لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان تمام امور کو، چاہے وہ مباح میں سے ہی کیوں نہ ہوں،انھیں فرض وواجب کی جگہ دے دیں۔اس لیے ان بے احتیاطیوں کی طرف علما و مشائخ اور ذمہ داران کی توجہ بہت ضروری ہے۔ ہمارے مخالفین ایسی باتوں کا پروپیگنڈہ کر کے لوگوں کو جماعت اہل سنت سے متنفر کرتے ہیں۔عام عوام بھی اس سے ان کے دام فریب میں آجاتے ہیں۔دعا عبادت ہی نہیں مغز عبادت ہے "اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ" (سنن الترمذی،۱/۳۴۳) یعنی عبادت کا حاصل و نچوڑ دعا ہے۔تو بھلا یہ اللہ کے سوا کسی اور سے کیسے کی جاسکتی ہے؟۔ہاں!اللہ کے نیک بندوں سے استغاثہ تو جائز ہے مگر اس کے محل اور موقعے سے بھی واقفیت ضروری ہے۔اسی طرح دعا میں اللہ والوں کو واسطہ ووسیلہ بنانا ہر طرح سے ثابت ہے اور یہ تو قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح اللہ رب العزت کی عظمت وقدرت، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے آل واصحاب، ائمہ مجتہدین، بزرگان دین اور اہل اللہ کے حوالے سے کوئی بات زبان پر لانے سے پہلے ہزار بار سوچنا چاہیے کہ یہ ''خلاف ادب'' تو نہیں!!۔"اَلدِّيْنُ كُلُّهُ اَدَبٌ" کا قاعدہ مسلم ہے، ہر سمجھدار جانتا ہے کہ دنیا وآخرت کی تمام کامیابیوں کا دارومدار ''ادب واحترام'' پر ہے۔تاریخ عالم پر نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ان ہی شخصیات کو مقام ومرتبہ نصیب ہوا، جنھوں نے اللہ ورسول کے ساتھ ساتھ اپنے والدین، اساتذہ، مشائخ، اکابرین اور بزرگان دین کے احترام کو ہر مقام پر ملحوظ رکھا ہے ؎

کیوں نہ ہر شخص کو جینے کی صدا دی جائے
پیار کی شمع ہر اک دل میں جلا دی جائے

اپنے اسلاف کی عظمت کا نہیں پاس جنھیں
ان کو تعظیم بزرگوں کی سکھا دی جائے

تکفیر مسلم اور اسلامی شریعت

کسی شخص کے عقائد و نظریات کی بنیاد پر اس کو کافر قرار دینا اسلامی اصطلاح میں تکفیر کہلاتا ہے۔ مسلح بغاوت اور دہشت گردی کرنے والے خوارج جیسے سخت متشدد اور گمراہ فرقے کی تکفیر سے متعلق بھی علما کی دو آرا ہیں، لیکن ہاں! ان کے قتل پر کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وہ پہلا گروہ ہے جس نے حضرت مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک کو نہیں چھوڑا اور ان پر کفر کا فتویٰ نافذ کر دیا۔ انھوں نے کردار و عمل سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔

تکفیر ایک بہت بڑا فتنہ ہے جو ملت اسلامیہ کے لیے خطرے کا باعث ہے، اس کے وحدت و قوت کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اور اس کے جمعیت کو منتشر کر دیتا ہے۔ اس کا ضرر جان و مال پر زیادتی، معاشرے میں حقوق کے ضائع کرنے اور امن و امان کو بگاڑنے کا سبب بنتا ہے، اور اسلام نے فتنۂ تکفیر کے خلاف سخت ترین الفاظ میں تنبیہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ یعنی: اور جو تمھیں سلام کہے اسے یہ نہ کہو کہ تو ایمان والا نہیں۔ (النسا: ۹۴)

بخاری و مسلم کی روایت ہے: وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللّٰهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلَّا حَارَ عَلَيْهِ۔ جو شخص کسی کو کافر کہہ کر بلائے یا اللہ کا دشمن کہہ کر مخاطب کرے پھر وہ (جس کو اس نام سے پکارا ہے) ایسا نہ ہو تو وہ پکارنے والے پر پلٹ آئے گا۔

(صحیح بخاری: ۳۵۰۸)

ایک دوسری حدیث پاک میں حضور ﷺ فرماتے ہیں: كُفُّوْا عَنْ اَهلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ. لَا تُكَفِّرُوْ هُمْ بِذَنْبٍ، فَمَنْ اَكْفَرَ اَهْلَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَهُوَ اِلَى الْكُفْرِ اَقْرَبُ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر) یعنی: لا الہ الا اللہ پڑھنے والے سے زبان روک لو، انھیں کسی غلطی کی بنا پر کافر نہ کہو، تو جس نے لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کو کافر کہا تو کہنے والا خود کفر سے قریب ہے۔

ذرا اس حدیث پاک کو بھی ملاحظہ فرمائیں: عَنْ اَنَسِ بنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ. فَلَا تُخْفِرُوْا اللهَ فِيْ ذِمَّتِهٖ. (صحیح بخاری، حدیث: ۳۹۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو ہماری طرح نماز پڑھتا ہے اور ہماری طرح ہی قبلہ کا استقبال کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے تو وہ مسلمان ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ میں ہے، لہذا تم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی پناہ میں خیانت نہ کرو۔

اس حوالے سے ایک اور اہم حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک چھوٹے لشکر میں (جنگ کے لیے) بھیجا، ہم نے صبح صبح قبیلہ جہینہ کی شاخ حرقات پر حملہ کیا، میں نے ایک آدمی پر قابو پالیا تو اس نے لا إله إلا الله کہہ دیا، لیکن میں نے اسے نیزہ مار دیا، اس بات سے میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا تو میں نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَقَتَلْتَهٗ "کیا اس نے لا إله إلا الله کہا اور تم نے اسے قتل کر دیا؟" میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے اسلحے کے ڈر سے کلمہ پڑھا، آپ نے فرمایا: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ، حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا "تو نے اس کا

دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تا کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے (دل سے) کہا ہے یا نہیں۔" پھر آپ میرے سامنے مسلسل یہ بات دہراتے رہے یہاں تک کہ میں نے تمنا کی کہ (کاش) میں آج ہی اسلام لایا ہوتا (اور اسلام لانے کی وجہ سے اس کلمہ گو کے قتل کے عظیم گناہ سے بری ہو جاتا) (صحیح البخاری:۴۲۶۹)

کتب احادیث میں اختلاف روایات کے ساتھ ان معانی ومفاہیم کی کئی حدیثیں موجود ہیں، جو چیخ چیخ کر ہمیں کسی کلمہ گو کو کافر ومشرک کہنے سے روکتی ہیں اور ہمارے لیے ایک رہنما اصول پیش کرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اپنے اپنے وقت کے تمام اکابر ائمہ وفقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہنے سے احتراز کیا جائے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اپنے وقت کی وہ عظیم ہستی جن کی علمی جلالت کے سامنے آج بھی ہر مکتبہ فکر کے جید علما سر تسلیم خم کر دیتے ہیں یعنی حجۃ الاسلام سیدنا امام محمد غزالی رحمہ اللہ (م:۵۰۵ھ) فرماتے ہیں: تکفیر میں بہر حال مناسب یہی ہے کہ حتی المقدور اس سے پرہیز کیا جائے، جب تک کہ کوئی گنجائش اس کو بچانے کی نکلتی ہو۔اس لیے تکفیر کرنا اگر چہ یہ غلطی سے ہو در اصل ایک ایسے شخص کے جان ومال کو مباح کرنا ہے جو قبلہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتا ہے اور جس کے ایمان کی صراحت اس کے قول "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه" سے ہوتی ہے۔ (الاقتصاد فی الاعتقاد،ص:۱۵۴)

حضرت محمد بن عبد الباقی المالکی الذہری المعروف امام زرقانی (م:۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں: ہمارے علما کا یہ فیصلہ ہے کہ جب کسی بات میں ننانوے احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس ایک کو اس کے اچھے احتمال کی طرف پھیرا جائے گا اور وہ یقیناً ایمان ہے، اور یہ ایک ایسا موضوع ہے جسے سنجیدگی سے لینا چاہیے اور اس پر بحث کرنا چاہیے۔ (مناھل العرفان: ج:۲،ص:۱۵۴)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا، تو واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلام کو محمول کیا جائے، جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو۔ (فتاوی رضویہ، ج:٦،ص:١١٤)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: احتمال اسلام چھوڑ کر احتمالاتِ کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں، والعیاذ باللہ رب العالمین۔'' (فتاویٰ رضویہ:١٢/ ٣١٧)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''اہل لا الہ الا اللہ پر بدگمانی حرام، اور ان کے کلام کو جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں خواہی نخواہی معاذ اللہ معنی کفر کی طرف ڈھال لے جانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (حجرات:١٢) اے ایمان والو! بہت گمانوں کے پاس نہ جاؤ، بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ:٢١/ ٣٢٩)

ہاں! اس کا مطلب قطعی یہ نہیں کہ کوئی بھی شخص اسلامی شریعت کا مذاق بناتا رہے مگر اس کے اسلام و مسلمانی پر کسی طرح کا کوئی حرف نہیں آئے گا۔ یہاں پر کہنے کا مقصد صرف یہ ہے اللہ ورسول کے اتنے واضح فرامین کے باوجود ہر کسی کو یہ اختیار کس نے دیا کہ وہ جسے چاہے کافر ومشرک بنا کر جہنم واصل کر دے۔

آج اعلیٰ حضرت کے مسلک کا نعرہ لگا کر ان کی تعلیمات کی کھلے عام دھجیاں اڑائی جارہی ہیں۔ ان نام نہاد محبین کے اقوال و کردار سے اعلیٰ حضرت کی شخصیت مجروح ہو رہی ہے اور دوسروں تک یہ پیغام جارہا ہے کہ واقعی فاضل بریلوی کے افکار ونظریات تکفیری تھے۔ بریلوی مکتبۂ فکر کے ذمہ داران کو چاہیے کہ ایسے لوگوں پر سخت لگام لگائیں جو اسلاف کی روش سے ہٹ کر دین و مسلک کو بدنام کر رہے ہیں۔ نظیرؔ اکبر آبادی نے اسی فاسد نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے خوب کہا تھا ؎

بندے کے قلم ہاتھ میں ہوتا تو غضب تھا
وہ تو کہیے کہ ہے کاتب تقدیر کوئی اور

آج حد تو یہ ہے کہ وہ شخصیات جن کے علمی وفقہی بصیرت کا ایک زمانہ معترف ہے، ہزاروں علما جن کے شاگرد ہیں، جنھوں نے برسوں درس گاہوں اور منصب افتا وقضا پر فائز ہو کر سینکڑوں پیچیدہ مسائل حل کیے ہیں، جن کی تحقیق وتدقیق پر بڑی بڑی علمی شخصیتیں توثیق وتصدیق کرتی ہیں۔ کچھ تکفیری ذہنیت کے مولوی اور مولوی نما، جوان عظیم شخصیات کے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں، انھیں نشانہ بنانے اور ان کے ایمان پر بھی سوالیہ نشان لگانے سے نہیں چوک رہے ہیں۔ صرف اس لیے کہ ان کی بعض تحریر وتقریر اور فتاوے ان صاحب کی تکفیری ذہنیت پر پورے نہیں اترتے، یا ان کی فہم سے بالاتر ہیں، الامان والحفیظ۔ کئی ایسے صاحبان میری نظروں میں ہیں کہ جن کے نوکِ قلم سے باتیں نکلتی ہیں تو تکفیری، تحقیق ہوتی ہے تو تکفیر پر، مضامین کے عناوین ہوتے ہیں تو تکفیری۔ علامہ شبلی نعمانی نے کبھی ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا تھا ؎

کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

اللہ اکبر! ایسے لوگوں سے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں دوسروں کا ایمان ناپتے ناپتے یہ خود ایمان سے محروم ہو کر دنیا سے رخصت نہ ہوں۔ معاذ اللہ من ذالک۔

ایسے لوگوں نے قرآن وحدیث کی اصل تعلیمات کو خوش نما غلافوں میں لپیٹ کر رکھ دیا ہے اور اپنی ممدوح شخصیات، ان کی انفرادی رائے اور قیاسیات کے پیچھے اندھا دھند دوڑ رہے ہیں۔ تاریخ اسلام کی عظیم ترین شخصیات نے اپنا کوئی قول قرآن وسنت سے ذرہ برابر بھی ہٹا پایا تو بغیر کسی تاویل کے اس سے رجوع کرنے میں قطعاً کوئی عار محسوس نہ کیا۔

مگر افسوس! یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان عظیم ہستیوں کے مقابلے میں جن کی کوئی حیثیت ووقعت نہیں، وہ نہ اپنی خلاف شریعت باتوں سے رجوع کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے ماننے والوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں۔آج ہم نے نفس پرست مفتیوں، حب جاہ کے شکار مولویوں اور خواب خرگوش میں مست اپنے پیروں کو مکمل دین بنا رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب قرآن وحدیث کی ایسی تعلیمات سامنے آتی ہیں جو ہمارے مذہبی پیشواؤں کے ذاتی خیالات کا رد کرتی ہوں، تو ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بجائے اتہامات والزامات اور طوفان بدتمیزی کا ایک بازار گرم ہوجاتا ہے۔قرآن وسنت کی روشنی میں بات کرنے والوں پر لعنتیں بھیجی جاتی ہیں اور ان قرآنی آیات واحادیث کی من گڑھت تاویلیں پیش کی جاتی ہیں۔

ع خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

یاد رکھیں! اللہ جلّ شانہ نے ایسے ہی لوگوں سے متعلق ارشاد فرمایا ہے: اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ (الجاثیۃ، الآیۃ:۲۳)

یعنی کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ ٹھہرا دیا ہے اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کے آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، پھر اسے اللہ کے بعد کون ہدایت کرسکتا ہے، سو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔شاعر مشرق علامہ اقبال نے سچ کہا ہے ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ جو مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایمان کی اہمیت اور فتنۂ ارتداد

ہم اللہ کے بندے ہیں، ہم پر اسی کی بندگی واجب ہے، اس کے علاوہ کسی کی بندگی جائز نہیں، یہی توحید ہے، بندگی سکھانے کے لیے اللہ نے نبیوں کو بھیجا یہی رسالت ہے، پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام اور آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اللہ اور رسول کی باتوں کو ماننا ہی ''اسلام'' ہے، اسلام ہر انسان کا اصلی مذہب ہے، اسی پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے، مگر ماں باپ اور مخالفِ اسلام ماحول کی وجہ سے انسان اپنے اصل مذہب سے ہٹ جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے: كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ أَوْ يُنَصِّرَانِهٖ أَوْ يُمَجِّسَانِهٖ (بخاری: ۱۳۸۵) ''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اُسے یہودی بنا لیتے ہیں، یا نصرانی بنا لیتے ہیں، یا مجوسی بنا لیتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو اس کے اصلی مذہب پر چلنے کا حکم فرمایا ہے، اس کے لیے ''عہد الست'' میں اپنی معرفت کی ایک جھلک دکھا کر دلوں میں ایمان کی ایک چمک ڈال دی تھی، اگر انسان اپنے خراب ماحول سے متاثر نہ ہو تو وہ بلا تکلف اسلام ہی کو مانے گا، اسی کو یاد دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (الروم: ۳۰) تو آپ اپنا رخ اللہ کی اطاعت کے لیے کامل یک سُوئی کے ساتھ قائم رکھیں۔ (اے لوگو!) اللہ کی (بنائی ہوئی) فطرت (اسلام) ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے (اسے اختیار کرلو)، اللہ کی پیدا کردہ (سرِشت) میں تبدیلی نہیں ہوگی، یہ صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ (ان حقیقتوں کو) نہیں جانتے۔

ابتدا سے سارے انسانوں کا مذہب اسلام ہی رہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کے آٹھ سو سال بعد حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے گمراہی آئی اور چند لوگوں نے بتوں کی پوجا شروع کر دی، اس لیے اللہ نے جنت کی خوش خبری دینے والے اور جہنم سے ڈرانے والے نبیوں کو بھیجا۔ (البقرہ: ۲۱۳ / روح البیان)

اصلی مذہب یعنی اسلام کو قبول نہ کرنے والے جہنم میں جائیں گے، اس لیے ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ پوری کائنات کے انسانوں کی خیر خواہی کریں اور اُن کو فطری مذہب کی طرف بلائیں، اسی کا نام ''دعوت'' ہے۔ اگر وہ سارے انسانوں کو دعوت نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم اپنے مسلمان بھائیوں کو سنبھالیں کہ وہ بھٹک نہ جائیں۔

ایمان سب سے بڑی نعمت

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جتنی نعمتیں اُتاری ہیں، اُن میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہے، اس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے، فقہائے کرام نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اگر اسلام کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کو جان، مال اور نسل (اولاد) سب کچھ قربان کر دینے کی نوبت آئے تو بھی اس میں دریغ نہ کرے۔ (موافقات امام شاطبی)

آج ہم دنیا کو دیکھ رہے ہیں، لذت لے رہے ہیں، اس لیے اس کی قدر ہے، آخرت میں جنت کو دیکھیں گے اس کی لذت لیں گے تو سمجھ میں آئے گا کہ جنت کے مقابلے میں دنیا کی لذت کی کوئی حیثیت نہیں، لیکن یہ دنیا اسی حد تک مفید ہے، جب تک کہ اس کے ذریعے اللہ کی فرماں برداری کی جائے، اگر اس کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی ہونے لگے تو دنیا کو تھوک دینا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

قارون کو اللہ تعالیٰ نے ''حافظِ تورات'' بنایا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ چچا زاد

بھائی تھا، اللہ جل شانہ نے اسے بے پناہ دولت اور نعمت عطا فرمائی تھی مگر دنیا کی محبت اس میں اتنی داخل ہوگئی کہ وہ زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے لگا اور دین سے پھر گیا، اللہ نے اُسے پوری دولت کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا، اس کے دھنسنے سے پہلے بہت سے لوگ اس کی دولت پر رال ٹپکا رہے تھے، مگر جب معلوم ہوا کہ وہ عذاب میں گرفتار ہوگیا تو لوگوں نے کہا: توبہ توبہ، دنیا کوئی چیز نہیں، مال و دولت سب فانی ہیں، باقی صرف اللہ کی ذات ہے اور آخرت کا ثواب سب سے بہتر ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح پر جمنے کے بعد ہی نصیب ہوگا۔ (القصص:۷۹-۸۰)

ایمان کے لیے نبیوں کی فکر

دنیا میں اللہ کا پیغام نبیوں نے پہنچایا ہے، خود اس پیغام پر ایمان لائے اور عمل کر کے دوسروں کو بتایا، لوگوں کو ایمان کی دعوت دی، ماننے والوں کو جنت کی خوش خبری دی اور نہ ماننے والوں کو جہنم سے ڈرایا، اللہ نے انھیں معصوم بنایا ہے، ان کے ایمان کی ضمانت اور گارنٹی ہے، پھر بھی انبیائے کرام علیہم السلام نے ایمان کی فکر کی، ایمان کے ضائع ہونے سے ڈرنے اور ڈرتے رہنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو ایمان پر جمے رہنے اور ایمان پر ہی مرنے کی وصیت فرمائی:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ:۱۳۲)

اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب (علیہ السلام) نے بھی (یہی کہا:) اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے اس دین (اسلام) کو پسند فرمایا ہے، اس لیے تم مرتے دم تک مسلمان رہنا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے ایمان پر باقی رہنے کا وعدہ لیا

تھا، انھیں فکر تھی کہ میں تو مسلمان ہوں، زندہ ہوں تو اولاد کی نگرانی کر رہا ہوں، لیکن چوں کہ نبیوں کی اولاد کے ایمان کی کوئی گارنٹی نہیں تھی کہ وہ ایمان پر باقی رہے گی یا نہیں؟ اس لیے انھوں نے وعدہ لیا، جب سب نے مسلمان رہنے کا اقرار کیا اور ان کو اطمینان دلایا تب اُن کی پریشانی دور ہوئی، آیت ملاحظہ ہو: أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (البقرہ: ۱۳۳) (اے یہودیو!) کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے وصال کا وقت آیا، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: (اے بیٹو!) میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اس کے فرماں بردار ہیں۔

یہ آیت یہودیوں کو مخاطب کر کے نازل ہوئی، انھوں نے کہا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے روز اپنی اولاد کو یہودی رہنے کی وصیت کی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بہتان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔

(خازن، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۱۳۳، ۱/ ۹۳)

آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے بنی اسرائیل! کیا تمہارے پہلے لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کے آخری وقت ان کے پاس موجود تھے جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلا کر ان سے اسلام و توحید کا اقرار لیا تھا اور یہ اقرار لیا تھا جو آیت میں مذکور ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی: تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (یوسف: ۱۰۱) یعنی: مجھے اسلام کی حالت میں موت عطا فرما اور مجھے اپنے قرب کے لائق بندوں کے ساتھ شامل فرما۔

بلاشبہ! انبیائے کرام کی دعائیں امت کی تعلیم کے لیے بھی ہوتی ہے مگر باوجود اس کے ماننا پڑے گا کہ انبیائے کرام کو ایمان کی کتنی فکر تھی کہ وہ اپنے ایمان اور اپنی اولاد کے ایمان کے لیے دعائیں کرتے تھے، ایمان کی حالت میں جینا اور ایمان کی حالت میں مرنا چاہتے تھے اور ایمان کی دولت کو اپنی نسل اور آنے والی اولاد میں باقی رکھنا چاہتے تھے، اس لیے ہم مسلمانوں کو سب سے زیادہ ایمان کی فکر ہونی چاہیے، بار بار اس طرح کی آیات کی تلاوت کرنی چاہیے، ایمان کے ساتھ ہی دنیا اچھی ہے اگر ایمان نہ ہو تو دنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں، ہمیں ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے اور ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ایمان ضائع نہ ہو جائے، خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ایمان چلا جائے اور ہمیں پتہ بھی نہ چلے، حدیث شریف میں ہے کہ ''ایمان کے لیے مومن فکر مند رہتا ہے اور منافق بے فکر رہتا ہے''۔ (بخاری ۱/ ۲۱۹)

انبیائے کرام علیہم السلام کو امت اور اولاد کے ایمان کی فکر اسی لیے تھی کہ ایمان کا باقی رہنا ہی جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے، دنیا تو بس دھوکے کا سامان ہے: ''فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ'' (آل عمران: ۱۸۵)

''چنانچہ جو دوزخ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہ کامیاب ہو چکا اور دنیوی زندگی بس دھوکے کا سامان ہے''۔

ایمان کے لیے دعائے نبوی

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایمان ویقین کی دعا مانگتے، حالانکہ ان کو ماننے کا نام ہی ایمان ہے۔ کچھ دعائیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیں اور ان دعاؤں کو اپنی زندگی کا لازمی حصہ بنائیں، کیوں کہ حضور علیہ السلام کی یہ دعائیں ہماری ہی تعلیم کے لیے تھیں:

۱- اللّٰهُمَّ أَعْطِنِي إِيمَانًا صَادِقًا وَيَقِينًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ (صحیح ابن خزیمہ، حدیث: ۱۱۱۹)

اے اللہ! مجھے ایسا سچا ایمان اور یقین عطا فرما جس کے بعد کفر (وارتداد) نہ ہو۔

۲۔اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ (نسائی:۷۴۴ ۱۳)

اے اللہ! میں کفر (وارتداد) سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

۳۔یَا مُقَلِّبَ القلوبِ ثَبِّتْ قَلْبِی عَلٰی دِیْنِکَ (ابن ماجہ:۱۹۹)

اے دلوں کو الٹنے پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جمادے۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین اور بزرگان دین خاتمہ بالخیر کے لیے بے چین رہتے ،خود بھی دعا کرتے اور دوسروں سے بھی دعاؤں کی درخواست کیا کرتے تھے۔اس لیے اپنے ساتھ اپنی نسلوں کے ایمان کی دعا کا التزام ہمیں بھی کرنا چاہیے۔کسی صوفی شاعر نے بڑی ایمان افروز بات کہی ہے کہ ''قبر کے باہر تو کرامت کی کیا ڈینگیں ہانکتا ہے، اصل کرامت تو ایمان، قبر میں لے کر جانے کا نام ہے'' ؎

بیرون گور لاف کرامت چہ می زنی
ایماں اگر بگور بری صد کرامت است

قیامت کے قریب مسلمانوں کی آزمائش

ہم لوگ آج جو صورتِ حال دیکھ رہے ہیں، اس کی پیش گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کر دی تھی کہ اخیر زمانے میں مسلمانوں کو ایمان پر رہنا بڑا مشکل ہوگا، ایمان پر باقی رہنا ایسا ہوگا جیسے ہاتھ میں انگارہ لینا، بہت سے لوگ صبح کو مسلمان رہیں گے اور شام کو کافر ہوجائیں گے جس طرح لوگ جُھنڈ کے جُھنڈ ایمان میں داخل ہوئے اسی طرح جُھنڈ کے جُھنڈ ایمان سے نکل بھی جائیں گے؛ یہاں تک کہ قیامت سے پہلے مسلمانوں کی بہت ساری جماعتیں مورتی پوجا کرنے لگیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے! ذیل

میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: يأتي على الناس زمانٌ، الصابرُ فيهم على دينه كالقابض على الجمر (ترمذی:۲۲۶۰) ’’مسلمانوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر جمے رہنے والا انگارے کو پکڑنے والے کی طرح (پریشان) ہوگا‘‘۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَادِرُوا بالأعمال فِتَنًا، كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا۔

’’فتنوں کی وجہ سے نیکیاں جلدی جلدی کرو، (فتنے) تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ہیں؛ آدمی صبح کو مسلمان رہے گا اور شام کو کافر ہوجائے گا یا شام کو مسلمان رہے گا اور صبح کو کافر ہوجائے گا، وہ اپنے دین کو دنیا کے سامان کے بدلے بیچے گا‘‘۔

۳۔ ایک موقع سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگ اللہ کے دین میں جُھنڈ کے جُھنڈ داخل ہوے ہیں؛ لیکن آگے (ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ) جُھنڈ کے جُھنڈ اسلام سے نکلیں گے۔ (مسند احمد ۳/ ۳۴۳)

فتنۂ ارتداد کی خوف ناک لہر

ایک طرف غیر مسلموں کی تعداد اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر اسلام کے دامن میں پناہ لے رہی ہے وہیں دوسری طرف برصغیر کے خاندانی مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ کفر وارتداد کے دلدل میں ڈوبتا جارہا ہے۔ اس وقت سب سے اہم ترین اور خطرناک مسئلہ نئی نسل میں بڑھتے اسی فکری ارتداد کا ہے۔ میری گناہ گار آنکھیں دیکھ رہی

ہیں کہ اگر اس کی نزاکت کا امت کو احساس نہیں ہوا تو یہ تہذیبی وفکری ارتداد امت کو اندر سے کھوکھلا کر کے رکھ دے گا۔ بالخصوص اس بھارت میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کچھ دنوں کے بعد نام کی مسلمان رہ جائے گی اور غیر شعوری طور پر وہ بتدریج ایمان وتوحید کی نعمت سے محروم ہوجائے گی۔

ارتداد کی صورتیں

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرتد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مسلمان یہودی ہوجائے، عیسائی ہوجائے، یا مندر میں جائے، بھجن گائے، پوجا پاٹ کرے، گھنٹی بجائے اور بتوں کو سجدہ کرے؛ حالاں کہ ایسی بات نہیں، آدمی روزہ نماز کے ساتھ بھی مرتد ہوسکتا ہے، قرآن کی تلاوت کے ساتھ بھی مرتد ہوسکتا ہے، حدیث شریف کے پڑھنے پڑھانے کے ساتھ بھی مرتد ہوسکتا ہے، جب کہ وہ اللہ کو ایک نہ مان رہا ہو، اللہ کے حکم کو نہ مان رہا ہو، قرآن کا مذاق اڑا رہا ہو، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقارت سے دیکھ رہا ہو، متواتر احکام کا انکار کررہا ہو، مثلاً زکوٰۃ کا انکار کرتا ہو، نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی نہ مان رہا ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کا انکار کررہا ہو، آج قادیانی اس کی مثال ہیں، شکیل بن حنیف جیسے دعویداران مہدی اور ان کے متبعین بھی اسی زمرے میں آتے ہیں، یہ لوگ قرآن وسنت کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، روزہ نماز کرتے ہیں، زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں پھر بھی وہ اسلام میں داخل نہیں۔

آج کے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی خوب گمراہ ہورہے ہیں، ان کی گمراہی کو ''فکری ارتداد'' کا نام دیا جانا بہتر ہے:

(۱) کوئی عورتوں کو دیے ہوئے اسلامی حقوق کو کم سمجھ رہا ہے۔

(۲) یا عورتوں کی حق تلفی تصور کر رہا ہے۔

(۳) کوئی میراث میں بعض صورتوں میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں آدھا دینے پر اعتراض کر رہا ہے۔

(۴) کوئی عورتوں کو میراث دینے ہی کو غلط تصور کر رہا ہے کہ جب اسلام میں ان کے ذمے خرچ نہیں ہیں تو ان کو میراث کیوں دی جا رہی ہے؟

(۵) کوئی مردوں کو طلاق کا حق دیے جانے پر اعتراض کر رہا ہے۔

(۶) کوئی ازواجِ مطہرات پر اعتراض کی تائید کر رہا ہے۔

(۷) کوئی اہل بیت اطہار اور اور امام عالی مقام سیدنا امام حسین پر سوالیہ؟ نشان لگا رہا ہے۔ اور یزید پلید کو ترجیح دے رہا ہے۔

(۸) کوئی صحابۂ کرام کی عظمت و بزرگی کو نشانہ بنا رہا ہے۔

(۹) کوئی اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ سمجھ رہا ہے۔

(۱۰) کوئی مرد کو چار شادیوں کے حق دینے پر اعتراض کر رہا ہے۔

(۱۱) کوئی روزہ کو بے فائدہ سمجھتا ہے اور کوئی نماز کو بے کار تھکنے سے تعبیر کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ

ایسے سارے لوگ گمراہی اور ارتداد کا شکار ہیں، ہمیں ان سب کے ایمان کی فکر کرنی ہے، ان سب کو خالص اسلام کی طرف بلانا ہے، بہ ظاہر مسلمان کی صورت میں مرتد کی مثال حدیث شریف میں آئی ہے کہ اخیر زمانے میں لوگ نماز روزہ ادا کریں گے، حج کریں گے، مگر مرتد ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: سَيَأْتِي عَلَى أُمَّتِي زمانٌ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ، مِنْهُمْ أَلْفُ رَجُلٍ وزيادةٌ لَا يَكُونُ فِيهِمْ مؤمنٌ (دیلمی: ۳۲۶۵) یعنی: ”آگے میری امت پر ایسا

زمانہ آئے گا کہ لوگ مسجد میں نماز پڑھیں گے، ان میں سے ہزار آدمی اور اس سے زیادہ ہوں گے (مگر) ان میں کوئی ایمان والا نہ ہوگا۔''

ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ حج کررہے ہوں گے، نماز روزہ کررہے ہوں گے، لیکن ان میں کوئی ایمان والا نہ ہوگا۔ (اتحاف الجماعۃ ۲/۶۸)

غیروں کی خواہش ہے کہ تم بھی غیر مسلم ہوجاؤ!

آج عالمی پیمانے پر غیر مسلمین، مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنا چاہ رہے ہیں وہ اپنے کفر پر جمے ہوئے ہیں، وہ کیا اسلام قبول کریں گے؛ البتہ وہ اپنے جیسا سارے مسلمانوں کو بنانا چاہ رہے ہیں، وہ برابر اسی کوشش میں لگے ہیں۔ قرآن مجید نے اس کی صراحت فرمائی ہے:

۱۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (النساء:۸۹)

وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہوکر برابر ہوجاؤ۔

۲۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرہ:۲۱۷)

وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کا بس چلے۔

۳۔ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرہ:۱۰۹) ''بہت سے اہل کتاب تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح سے تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا کرلے جائیں''۔

۴۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ:۱۲۰)

''اورتم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی؛ یہاں تک کہ تم ان کے مذہب پر چلنے لگو''۔

مسلمانوں کا جواب

سارے غیر مسلمین، مسلمانوں کو اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں، یہود ونصاریٰ اپنے مذہب کی پیروی کرانا چاہتے ہیں اور دوسرے مشرکین اپنے مذہب کی تو اس کا کیا جواب ہونا چاہیے؟

اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب مذکورہ بالا آیت کے بعد دیا ہے: قُلْ إِنَّ هُدَى اللهِ هُوَ الْهُدىٰ (البقرہ:۱۲۰) یعنی: (ان سب سے) کہہ دیجیے کہ جو راستہ اللہ دکھائے وہی راستہ ہے۔(یعنی جو دین اللہ کی طرف سے عطا ہو وہی دین ہے)

یعنی سارے مذاہب غلط اور منسوخ ہیں اُن کے یہاں اللہ تعالیٰ کی ہدایت موجود نہیں، صرف قرآن میں اللہ کی ہدایت ہے، اس لیے اسی کی پیروی کی جا سکے گی، کسی اور کی پیروی گمراہی ہوگی۔

غیر مسلم کی بات ماننے والا جہنم میں

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی شرما حضوری میں سامنے والے کی بات مان لیتا ہے، اس لیے اس کی وضاحت قرآن نے کردی ہے کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مذہب کو مانے گا اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں کی ہاں میں ہاں ملائے گا تو اس کی خیر نہیں؛ اس لیے کہ اسلام کی قطعیت کھل کر سامنے آچکی ہے، اگر کوئی اسلام کو چھوڑے گا تو آخرت میں اس کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا: ''وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ، مَا لَكَ مِنَ

اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ‘‘(البقرہ:۱۲۰)’’اور (اے مخاطب!) اگر تونے ان کی خواہشوں کی پیروی کی اس علم کے بعد جوتمہارے پاس آچکا ہے (تو) اللہ سے (بچانے والا) تیرا نہ کوئی یار ہوگا اور نہ مددگار‘‘۔اور نہ یہ ممکن ہے کہ بیک وقت اسلام پر بھی عمل ہو اور دوسرے ادیان پر بھی۔

مکمل اسلام کو مانو!

ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم اپنے کو مسلمان بھی کہیں اور اسلام کے خلاف ہونے والے شبہات پر بھی مشکوک ہوجائیں، قرآنی آیات اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کے خلاف نرم گوشہ رکھیں، انبیاورسل، صحابہ واہل بیت، اولیا وصوفیہ اور اکابرین اسلام پر اعتراض کرنے والوں کا ساتھ دیں اور ’’رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی‘‘ والی دنیا میں رہیں، بلکہ اللہ جل شانہ نے مکمل اسلام میں داخل ہونے کا حکم فرمایا ہے، یکسو ہوکر اللہ والے ہوجائیں، یہی مطلوب ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (البقرہ:۲۰۸) اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دین سے پھر جانے والا اصل کافر سے بدتر

ایک ہے اسلام قبول نہ کرنا، یہ بہت بڑی محرومی کی بات ہے، اس لیے کہ کلمہ کے بغیر انسان کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوتا، چاہے وہ خیرات میں اپنی پوری دولت دے دے تب بھی اس کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، جو ملنا ہے اسی دنیا میں مل جائے گا، آخرت کی کامیابی کے لیے ایمان شرط ہے، کافر محروم ہوتا ہے، مگر ایمان لانے

کے بعد کفر اختیار کرنا، اس سے زیادہ بُرا ہے۔

الردۃُ: ھِیَ أَفْحَشُ أنوَاعِ الکفرِ ویُحْبَطُ بِھَا العَمَلُ (اعانۃ الطالبین: ۱۴۹/۴)

''اسلام سے پھر جانا، کفر کی قسموں میں سب سے بُری قسم ہے اور اس کی وجہ سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں''۔

اسلام سے پھر جانے والوں کے چہرے قیامت کے دن کالے کلوٹے ہوں گے، انھیں ہمیشہ کے لیے جہنم کی سزا ہوگی، قرآنِ پاک میں اس کی وضاحت ہے: فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ (آل عمران: ۱۰۶) اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے تھے؟ تو اب اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھو۔

اسلام سے پھرنے والا جہنم میں

اسلام سے پھرنے والا بدبخت ہو جاتا ہے، اس کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں، دنیا میں کیا ہوا کوئی اچھا عمل اُسے کام نہیں آئے گا، نہ تو مرتد ہونے سے پہلے کی نیکی کام آئے گی اور نہ ہی مرتد ہونے کے بعد کی نیکی کام آئے گی، بلکہ وہ دیکھنے میں ہی نیکی ہوگی حقیقت میں نیکی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ نیکی وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نیک کہہ دے اور قبول فرمالے۔

مرتد جہنم میں جائے گا، اس کی صراحت بھی آیت کریمہ میں ہے: وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ج وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ: ۲۱۷) ''اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے پھر کافر ہی مر جائے تو ان لوگوں کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں برباد ہو گئے اور وہ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اسبابِ ارتداد

اسلام کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا، اس کی حقانیت آفتاب کی طرح روشن ہے، البتہ عالمی منظرنامے پر مسلمان مغلوب نظر آرہے ہیں، یہ ہمارے شامتِ اعمال کی وجہ سے ہے، اس کے اسباب اور عوامل پر اگر غور کیا جائے اور تفصیل لکھی جائے تو بڑی طویل ہوجائے گی، ذیل میں چند اسباب اور وجوہ ذکر کیے جارہے ہیں، جس سے آج کی حالتِ زار کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ا۔ سب سے پہلی وجہ اسلامی اقتدار کا زوال ہے، ''عثمانیہ حکومت'' کے زوال کے بعد سے اب تک مسلمان مظلوم ومقہور ہیں اور ان کو دبانے کی عالمی کوششیں ہوتی رہی ہیں، آج کی عالمی طاقتیں مسلمانوں کے برسرِ اقتدار آنے سے خوف زدہ ہیں، اس لیے وہ مختلف مسائل اور مصائب میں مسلمانوں کو مبتلا کرکے اپنے مقصد کو حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

یہودی سازش اور عیسائی مشنریاں سب سے آگے ہیں، یہ سب مسلمانوں کو اصل دین سے پھیرنا چاہتی ہیں، چرچ کے تحت چلنے والے ''این جی اوز'' کی سرگرمیاں بھی مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوششوں میں پیش پیش ہیں، وہ ایک طرف مسلمانوں کو کھلے طور پر عیسائی بنانے کی مہم چلارہے ہیں، دوسری طرف وہ عام مسلمانوں کو فکری ارتداد کی طرف لے جارہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اگر مکمل نہ بدل سکے تو کم ازکم قرآن وسنت میں شک وشبہ پیدا ہوجائے، جس سے اسلام بیزاری کی راہ ہموار ہوجائے، اس کے لیے وہ قرآن کو بدلنے کی مہم بھی چلارہے ہیں، قرآن کے مقابلے ''البرہان الحق'' نامی نقلی قرآن کا لانچ کرنا اسی کی کڑی ہے۔ بہت سے ممالک میں ارتداد کی لہر چل رہی ہے، مثلاً الجزائر، افریقہ، لبنان، انڈونیشیا، بنگلہ دیش ان سب میں سرفہرست ہندوستان ہے۔ جہاں مختلف طریقوں سے لوگوں

کو مذہب سے دور کیا جارہا ہے۔ تمل ناڈو، تلنگانہ، آندھرا پردیش، مہاراشٹرا، کشمیر، یوپی، بہار اور جھارکھنڈ سب ارتداد کی زد میں ہیں ۔ یہاں ''قادیانی'' بھی اسلامی لباس پہن کر اسلام سے پھیرنے کا کام کررہے ہیں، ''شکیل بن حنیف'' کا فتنہ بھی قادیانی فتنہ کا نیا ایڈیشن ہے، اس کا مقصد بھی مرتد بنانا ہے، اس کے ماننے والے مسجد میں لمبی لمبی نمازیں پڑھتے ہیں، سفید کرتا پاجامہ پہن کر ہاتھوں میں تسبیح رکھ کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ بھی مسلمان ہیں، حالاں کہ وہ اسلام سے خارج ہیں، حدیث شریف میں نماز روزہ کرنے والے مرتد کا ذکر موجود ہے، یہ سب اسی کے مصداق ہیں۔ جن کی تمثیلات گذشتہ صفحات میں موجود ہیں۔

۲۔ شدت پسند ہندو یہ چاہتے ہیں کہ بھارت سے جمہوریت ختم ہوجائے، اصول وقوانین ختم ہوجائیں ، ''آئینِ ہند'' کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور پورا ملک ''ہندوراشٹر'' کے نام پر فرقہ پرست طاقت کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائے، اس کے لیے وہ کوششیں کررہے ہیں، اسلام کے مختلف احکامات پر اعتراض کرتے ہیں، قرآن کی آیتوں پر اعتراض کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر اعتراض کرتے ہیں، ازواجِ مطہرات کو نشانہ بناتے ہیں، محمد بن قاسم اور اورنگ زیب عالم گیر کے کارناموں میں عیوب نکالتے ہیں، مسلم پرسنل لا کو نشانۂ تنقید بناتے ہیں۔ مسلم نام والے شہروں کے نام تبدیل کیے جاتے ہیں، جمہوریت پسند لیڈران پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں اور مسلمان اسلام کے تعلق سے شکوک وشبہات میں پڑ کر پہلے فکری ارتداد میں مبتلا ہوں، اسلام سے نفرت کریں پھر اسلام کو چھوڑ دیں۔

مسلمان لڑکیوں کو مرتد بنانے کی سازش بھی یہی لوگ کررہے ہیں، آر، ایس، ایس، سے وابستہ ''ہندو جاگرن منچ'' نے سیکڑوں مسلمان لڑکیوں کو ہندو گھرانوں کی بہو بنانے کا ہدف بنا رکھا ہے اور مسلم لڑکیوں سے شادی کرنے پر انعامات دیئے جارہے ہیں۔ لاکھوں مسلم

لڑکیاں مرتد ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ تبدیلیٔ مذہب کے بعد بھی نہ انھیں عزت مل رہی ہے اور نہ جینے کا حق دیا جا رہا ہے۔ مسلم لڑکیوں اور خواتین کو یہ سمجھانا ہماری ذمہ داری ہے کہ اسلام چھوڑنے والے کے لیے نہ دنیا میں عزت وسکون ہے اور نہ ہی آخرت میں۔

مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کی سازش کے لیے جو تدبیریں کی جا رہی ہیں ان میں سے ''وندے ماترم'' کو اسکولوں میں لازم کرنا ہے، ''جے شری رام'' کے نعرے لگوانا اور اس کے لیے مجبور کرنا ہے، ''این، آر، سی اور سی، اے، اے'' بھی اسی کی ایک کڑی ہے اور ''گھر واپسی'' نام کی تحریک تو کھلے طور پر اسلام سے پھیرنے کی تحریک ہے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو کلمہ پڑھنے والوں کے لیے بنایا ہے اور جب تک کلمہ پڑھنے والے رہیں گے تبھی تک یہ دنیا رہے گی اور ہم سب کے باوا آدم مسلمان تھے۔ اس دنیا میں رہنے والا جب تک آدم علیہ السلام کے مذہب پر ہے تب تک وہ اپنے ہی گھر میں ہے واپسی کی ضرورت اس کو ہے، جس نے آدم کے گھر کو چھوڑ دیا ہے۔

آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک سارے لوگ مسلمان رہے اور انسان کا اصل مذہب اسلام ہی ہے اس لیے گھر واپسی کا صحیح مطلب یہ ہونا چاہیے کہ سارے انسان دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کے سائے میں آجائیں اور اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی عبادت کر کے اور اس کے قانون پر عمل کر کے زندگی کو پرسکون بنائیں اور مرنے کے بعد جنت کے مستحق ہو جائیں، تا کہ مرنے کے بعد افسوس نہ ہو کہ کاش اسلام کو مانا ہوتا تو جہنم کی سزا نہ ہوتی!

۳۔ اسکول و کالج اور فتنۂ ارتداد

علم حاصل کرنے سے کسی کو انکار نہیں، مگر کوئی مسلمان یہ نہیں چاہتا کہ علم حاصل کرنے میں ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، جو علم ایمان کے لیے خطرہ ہو وہ لعنت ہے، ہندوستان

میں بہت سے اسکول ہیں، جہاں اسباق کے بعد پانچ منٹ ''شلوک'' پڑھایا جاتا ہے اور اسکول انتظامیہ اس پر اصرار کرتی ہے، مسلمان بچوں کو الگ کرنے کے مطالبے کو قبول نہیں کرتی، بعض اسکولوں میں ''وندے ماترم'' ضروری ہے، وہاں بھی مسلمان بچوں کو الگ رکھنے کی بات مانی نہیں جاتی، بعض اسکولوں میں ''سرسوتی'' کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بچوں کو کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ اس مورتی کو تعلیم کی دیوی کہا جاتا ہے۔ اس پر پھول چڑھائے جاتے ہیں اور پانی بھی۔ بعض اسکولوں میں ''سوریہ نمشکار'' کرایا جاتا ہے، یہ سب اعمال شرک ہیں، ان سے بندہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یہ صریح ارتداد ہے، ایسے اسکولوں میں تعلیم دلانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

اور بعض اسکولوں میں اسلام کے خلاف مواد داخل نصاب ہے، شرکیہ باتیں کتابوں میں جبراً پڑھائی جاتی ہیں، جب کہ یہ جمہوری ملک ہے، یہاں ہر مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہب پر رہنے کی اجازت ہے، مگر یہ باتیں اب صرف کاغذی رہ گئی ہیں۔

بعض اسکولوں میں قرآن کی آیات کے خلاف بچوں کا ذہن بنایا جاتا ہے، خصوصاً جہاد کی آیتوں کو نکالنے کی بات کی جاتی ہے، جب کہ کوئی مسلمان کسی مذہب کی کتاب کے خلاف کچھ نہیں کہتا، اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ تم کسی کے معبود کو بُرا نہ کہو کہ وہ بدلے میں اللہ کو بُرا کہنے لگیں: لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام:۱۰۸) ''اور اُنہیں برا بھلا نہ کہو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ زیادتی کرتے ہوئے جہالت کی وجہ سے اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے''۔

۴۔ مفلسی کی وجہ سے ارتداد

آج بہت سے علاقوں میں مسلمان غریب و نادار ہیں، ان کی مفلسی نے انھیں

پریشان کر رکھا ہے۔اس لیے بعض عیسائی مشنریاں ان کو مال کا لالچ دے کر عیسائی بنالیتی ہیں ،مشرکین انھیں مشرک بنالیتے ہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح کفر سے پناہ مانگی ہے اسی طرح فقروفاقے سے بھی پناہ مانگی ہے،اس لیے کہ بہت مرتبہ غریبی انسان کوکفر سے قریب کردیتی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے: كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْراً.(البرهان في تفسير القرآن ،الجزء۵ ص:۸۱۲)اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غربت انسان کو بہت سی مشکلات میں مبتلا کر سکتی ہے،اور بعض اوقات یہ اتنی شدید ہوسکتی ہے کہ انسان مایوسی اور ناامیدی میں مبتلا ہوکر ایمان سے دور ہوسکتا ہے۔اس حدیث میں غربت کی سنگینی اور اس سے بچنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غریب ہونا خود کفر ہے، بلکہ یہ ہے کہ غربت انسان کو کفر کے راستے پر ڈال سکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلہ میں دعا بھی منقول ہے: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ (حصن حصین) اے اللہ! میں (اسلام کا) انکار کرنے اور محتاج ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

۵۔عشق میں ارتداد

مخلوط تعلیم کی وجہ سے لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ رہتے ہیں ، اس پر سیکس کی تعلیم کا لزوم پٹرول میں آگ لگانے کا کام کرتی ہے،آن لائن تعلیم نے بھی تعلقات کی پاکیزگی ختم کردی ہے۔ بے پردگی کی وجہ سے بھی گندے تعلقات ہوجاتے ہیں ،معاشقے میں ذات پات کی کوئی قید نہیں ہوتی ،جس کی وجہ سے مسلم اور غیر مسلم لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کے مذہب کو محض شادی کے لیے قبول کر لیتے ہیں ، ان میں نہ تو مسلمان ہونے والوں کو اسلام سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ غیر مسلم ہونے والوں کو،دونوں مذہب بے زار ہوتے ہیں ،

مسلمانوں کو اپنی اولاد پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے، تا کہ وہ فتنۂ ارتداد سے بچ سکیں۔

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ ارتداد کا مقابلہ کرنا مسلمانوں کے لیے بہت ضروری ہے، مرتد ہونے والا اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کے اعتراض کو سنا جائے گا اس کا جواب دیا جائے گا، اس لیے کہ اسلام مدلل مذہب ہے، اس میں داخل ہونے کے لیے کوئی زبردستی نہیں، اسلام جبر اور تلوار سے نہیں پھیلا ہے، اسلام کے کسی حکم میں کسی کو شبہ ہو تو اس شبہ کو دور کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، بھارت ایک جمہوری ملک ہے، یہاں مذہب کی آزادی ہے، یہاں مرتد کو قتل کرنے اور ان سے جہاد کرنے کی بات تو نہیں کہی جاسکتی، اس لیے کہ سزاؤں کے نفاذ کی ذمہ داری حکومت کی ہوتی ہے، البتہ دلائل سے سمجھایا جائے گا اور مسلمان بھائیوں بہنوں کے فکری ارتداد کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ مسلمانوں کی مذہبی ذمہ داری ہے۔ اس میں جمہوریت رکاوٹ نہیں ہے۔

ارتداد سے بچنے کی تدبیریں

اب سوال یہ ہے کہ آج بھارت کے موجودہ ماحول میں ہمیں فتنۂ ارتداد کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اپنے بھائیوں کو جہنم سے بچانے کی تدبیریں سوچنی چاہیے اور اس کے لیے مناسب اقدامات سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے، اگر چہ ہم تعداد میں کم ہیں، مگر مایوس نہیں ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللهِ. وَ اللهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ'' بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہیں اور اللہ جمے رہنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ:۲۴۹)

مسلمانوں کو ارتداد سے کیسے بچایا جائے؟ ان کے ایمان کی حفاظت کس طرح کی جائے؟ تو اس سلسلے میں چند صورتیں ذہن میں آرہی ہیں، اللہ کرے کہ اس پر عمل ہو

اور وہ مفید ثابت ہو جائیں:

۱۔ارتداد کی عالمی اور ملکی سازش کا جائزہ لیا جائے اور ممکن حد تک اپنے مسلم بھائی بہنوں کے ایمان بچانے کی کوشش کی جائے۔

۲۔ اہلِ وطن سے بحث و مباحثہ نہ کیا جائے، اس سے بات الجھتی ہے، نتیجہ ہاتھ نہیں آتا۔

۳۔غریب مسلمانوں کے لیے تعاون کا نظام بنایا جائے، جو کہ نظام زکوۃ کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے صرف مستحقین تک پہنچانا ہے۔

۴۔ایسے اسکول اور کالج سے بچا جائے جہاں نونہالانِ امت کے ارتداد کا خطرہ ہے۔

۵۔مسلمان اپنے اسکول کھولیں اور پاکیزہ ماحول میں نونہالان کو تعلیم دیں۔ مخلوط تعلیم سے بچا جائے، اسی طرح ''مکاتب'' کے قیام پر توجہ دی جائے، اگر مستقل مکاتب نہ قائم کرسکیں تو مساجد میں مکاتب کا نظام بنائیں۔جو ماضی میں ہمارے پاس موجود تھے، بلکہ اب بھی بہت ساری جگہوں پر جاری ہیں۔

۶۔دینی تعلیم کے فروغ کی کوشش کی جائے، عقیدے سمجھائے جائیں، عموماً عقیدہ نہ جاننے کی وجہ سے لوگ گمراہ ہوجاتے ہیں۔

۷۔مسلمانوں کے اندر دینی غیرت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، دین اسلام کی اہمیت کو سمجھایا جائے۔

۸۔نماز کا اہتمام کیا جائے اور اپنے اہل خانہ، احباب اور دوستوں کو مسجد سے قریب کرنے کی ہر ممکن کوشش ہو۔

۹۔اگر محسوس ہو کہ کوئی ایمان پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو اس سے دور رہا جائے،

ایسوں کی صحبت ہرگز اختیار نہ کی جائے۔

۱۰۔اپنی اولاد اور خاندان پر گہری نظر رکھی جائے، غلط صحبتوں سے بچایا جائے۔

۱۱۔معاشرے میں پردے کا التزام کیا جائے، تاکہ گندے تعلقات نہ ہونے پائیں۔

۱۲۔اسلام پر ہونے والے اعتراضات نہ سنے جائیں، عموماً موبائل پر بہت سے لوگ اسلام کے خلاف باتیں کرتے رہتے ہیں، اُن کو نہ سنا جائے، صرف قابلِ اعتماد اور صحیح العقیدہ لوگوں کی باتیں سنی جائیں۔

۱۳۔علما اعتراضات کا جواب تیار کریں اور ان کو شائع کریں، اس کا ایک نظام بنایا جائے، اسلام کے خلاف اعتراضات جمع کیے جائیں پھر جواب تیار کر کے مختلف زبانوں میں انھیں پھیلایا جائے، تاکہ شکوک وشبہات والوں کے لیے شفا کا ذریعہ ہو۔

۱۴۔مدارسِ اسلامیہ میں باقاعدہ دفاعِ اسلام کا نظام بنایا جائے۔

۱۵۔تعارفِ اسلام کے مختلف زبانوں میں کتابچے تیار کیے جائیں اور وہ اپنوں کے ساتھ غیروں کو بھی دیے جائیں۔

۱۶۔جمعہ کی تقریروں میں ایمان کی اہمیت اور اس کے عقیدے بیان کیے جائیں۔

۱۷۔جہاں ارتداد کا خطرہ ہو وہاں مبلغین بھیجے جائیں، مساجد میں اس کا نظام مضبوط انداز میں بنایا جائے، اس کے لیے مساجد میں باصلاحیت اور اچھے اماموں کا تقرر کیا جائے جو وقت پر کام آسکیں، جن کے اندر تقریر کی صلاحیت بھی ہو اور قوم کی فکر بھی۔

۱۸۔کفریہ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کیا اور کرایا جائے، اس لیے کہ ان الفاظ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے، یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے اور اسے پتہ بھی نہیں چلتا۔

۱۹۔مختصر کورس تیار کیا جائے جس میں ایمانیات کی باتیں ہوں، اسلام کا تعارف، اہمیت، عقیدے، ارکانِ اسلام، دعائیں اور دیگر ضروری معلومات ہوں کہ اس کا پڑھنے

والا، عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت سب کو سمجھ لے۔

۲۰۔عوام اور علما کے تعلقات کو مضبوط کیا جائے، ان کا قرب جتنا رہے اتنا ہی ارتداد سے بچ سکیں گے۔ صحبت صالحین کی ترغیب دی جائے، اس کے بڑے فائدے ہیں۔ ماضی میں صحبت صالحین کے ہی ذریعہ ایک بڑا طبقہ صادق الاسلام لوگوں کا پایا جاتا تھا۔

۲۱۔کالجوں میں تعارفِ اسلام اور اسلام پر اعتراضات سے متعلق محاضرات کا نظام بنایا جائے۔

۲۲۔اسکول اور کالج کی چھٹیوں کے موقع کو غنیمت جان کر طلبہ وطالبات کو دین سمجھانے کا نظام بنایا جائے! سنڈے کلاس کا نظام بنایا جائے۔

۲۳۔حفاظتِ اسلام کے لیے دعاؤں کی محافل منعقد کی جائے: اَللّٰھُمَّ أرنا الحَقّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتباعَہٗ وأرِنَا الباطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجتِنَابَہ وَلَا تَجْعَلْہُ مُلْتَبِسًا عَلَیْنَا فَنُضِلَّ (اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا، ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں۔)

یہ فہرست اور تفصیلات جو پیش کی گئیں اس کو نافذ کرنے کی ساری ذمہ داریاں صرف علما وائمہ کی نہیں ہیں، بلکہ سماج کے مختلف طبقات کے ذمہ داران کی ایمانی واسلامی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے دائرۂ اثر میں جو کچھ کر سکتے ہیں وہ ضرور کریں کیونکہ اس کے لیے ہر ایک بندۂ مومن اللہ کے حضور جواب دہ ہے۔

تاخیر کا موقع نہ تذبذب کا محل ہے
یہ وقتِ عمل، وقتِ عمل، وقتِ عمل ہے

محبت رسول: اصل ایمان ہے

اسلام کے بنیادی عقائد میں ایک اہم اور بنیادی عقیدہ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جس کا تعلق انسان کے ایمان، دین، اور عمل سے ہے۔ ضروریاتِ دین (یعنی دین کی وہ بنیادی باتیں جن کا جاننا اور ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن وحدیث اس محبت کو نہ صرف ایمان کا حصہ بلکہ اس کے بغیر ایمان کے نامکمل ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (سورہ توبہ: آیت ۲۴)

ترجمہ: کہہ دو! اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری آبائی قوم، وہ دولت جو تم نے حاصل کی ہے، وہ تجارت جس کے مندی سے تم ڈرتے ہو، اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو! یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ جاری فرمائے، اور اللہ نافرمانوں (فاسقوں) کی ہدایت نہیں کرتا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (الاحزاب:۲۱)

فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات) میں

نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) کی اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

مسلمانوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو تعلق ہے، وہ تعلق تمام دوسرے انسانی تعلقات سے بالاتر ہے۔ دنیا کا کوئی رشتہ اُس رشتے سے اور کوئی تعلق، اس تعلق سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کے درمیان ہے، ذرہ برابر بھی کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لیے ان کے ماں باپ سے بھی بڑھ کر شفیق و رحیم اور ان کی اپنی ذات سے بڑھ کر خیر خواہ ہیں، لہٰذا وہی سب سے زیادہ قریب بھی ہیں یہاں تک کہ جان سے بھی زیادہ قریب، حق دار اور ولی بھی ہیں۔

اس طرح کی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت، اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ لازمی ہے، بلکہ ہم نے اللہ کو جانا پہچانا اور اس کی بندگی بھی کی ہے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے واسطے اور وسیلے سے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی نہ ہوتی تو بھلا کون مومن و مسلم ہوتا!! اسی لیے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (صحیح بخاری: حدیث: ۱۵) یعنی: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والد، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے اندر تھا جب ایک آدمی جو شاید بیابان سے آیا تھا، دروازے پر آیا اور پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کب ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس شخص نے عرض کیا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں نے اس کے لیے نہ تو بہت زیادہ نماز پڑھی، نہ روزے رکھے؛ وَإِنَّمَا أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ: البتہ میں اللہ

اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكَ مَا احْتَسَبْتَ ، یعنی: تم اُس کے ساتھ ہو جس سے تم محبت کرتے ہو، اور تمھیں وہی ثواب ہوگا جس کا تم نے ارادہ کیا ہے۔ (صحیح بخاری:۳۶۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد کسی بات پر اِتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا، جتنا اِس بات پر وہ خوش ہوئے۔ کیسی عظیم اور خوش نصیب جماعت تھی! صحابۂ کرام کے نزدیک تو اللہ کے رسول ﷺ سے محبّت، اُن کا اتباع اور اُن پر جان نچھاور کرنا ہی زندگی کا حاصل تھا۔ غزوۂ تبوک کے موقعے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گھر کا سارا سامان خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کر دیا۔ حضرت عُمر رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا سامان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان آپ ﷺ کی نذر کیے۔ (جامع ترمذی:۳۶۷۵، سنن ابی داود:۱۶۷۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صلح حدیبیہ کے موقعے پر جب مکّہ بھیجا گیا، تو قریش نے کہا کہ ''آپ چاہیں تو عُمرہ ادا کر سکتے ہیں'' لیکن وفا کے پیکر کا جواب تھا کہ ''اگر ایک سال تک بھی عُمرہ ملتوی کرنا پڑا، تب بھی مَیں رسول اللہ ﷺ کے بغیر عُمرہ نہیں کروں گا۔

غار ثور میں سیدنا ابوبکر نے حضور کی نیند پر اپنی جان اور مقام صہبا میں مولا علی نے اسی نیند پر اپنی نماز قربان کر کے زمانے کو بتا دیا کہ حضور ﷺ کی ذات جان ایمان اور روح ایمان ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں واقعات کو اشعار کی لڑی میں پرو کر کیا ہی خوب ترجمانی فرمائی ہے۔

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر، سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدّیق بلکہ غار میں جان اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جان فروضِ غُرر کی ہے

ہاں تو نے اِن کو جان، اُنھیں پھیر دی نماز
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

محبت رسول: ضروریاتِ دین کا حصہ

ضروریاتِ دین وہ عقائد واعمال ہیں جن کا انکار کفر کے زمرے میں آتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ ان کی ذاتِ مقدس سے محبت، اطاعت، اور ادب ہر مسلمان پر فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت، ایمان کی شرط ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت یا محبت سے انکار کرے، یا دل میں بغض رکھے، یا ادنیٰ سی بھی گستاخی کرے تو یہ ایمان کے منافی اور دائرۂ اسلام سے باہر لے جانے والا عمل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت صرف جذباتی وابستگی نہیں بلکہ عقیدۂ اسلام کا لازمی جز وہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دین کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ دل، زبان اور عمل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت رکھے، ان کی اطاعت کرے اور ان کے قدموں سے وابستہ رہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی، تمام بولہبی است

(تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قدموں تک پہنچ جا کہ ان کی ذات ہی مکمل دین ہے اگر تو ان تک نہ پہنچ سکا تو پھر تیرے سارے اعمال ابولہبی ہیں)

تحفظ ناموس رسالت

یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ اپنا سب سے بڑا محسن جان کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی اعلیٰ درجے کی تعظیم کریں، ان کی سیرت وسنت کو اپنائیں، ان کی سچی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔لیکن آج ہمارے پاس بلند بانگ دعوے اور کھوکھلے نعرے کے سوا اور کیا ہے! ''ہمیں غلامیٔ رسول میں موت بھی قبول ہے، جو ہو نہ عشق مصطفیٰ زندگی فضول ہے'' اور ان کے لیے جان ودل قربان کرنے کو تیار رہیں اور اگر ان کی عزت وناموس پر کوئی بدبخت ملعون حملہ آور ہو تو اس کا دندان شکن جواب دیا جائے، (شرعی وفقہی طور پر گستاخ رسول کی وہی سزا ہے جو مرتد کی سزا ہے، عہد رسالت میں یہ سزا جن ملعونوں پر نافذ کی گئی، احادیث، سیرت النبی اور فقہی کتابوں میں اس کی مکمل تفصیل مذکور ہے، اس موضوع پر حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م:۵۴۴ھ) کی ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفی'' اور علامہ ابن تیمیہ (م:۷۲۸ھ) کی ''الصارم المسلول'' میں مفصل کلام موجود ہے۔لیکن موجودہ حالات میں اقلیتی ودیگر جمہوری ممالک میں چونکہ ان سزاؤں کی تعمیل کروانے میں مشکلات ہیں اس لیے سردست عملی وفکری طور پر بھی ایسے افراد اور ایسی ذہنیت کا تعاقب کیا جائے، (اگر ایسے ملعون کی بات پہلے مشتہر ہو چکی ہو،) اگر ان کے ہفوات پہلے سے مشتہر نہ ہو تو ایسے آڈیو، ویڈیو اور گستاخانہ تحریروں اور خاکوں کی تشہیر وترویج سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے۔مگر افسوس! ہم خود اس طرح کی چیزوں کی تشہیر میں غیر سنجیدگی کی بنیاد پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

قانونی وجمہوری طور پر ہمارے لیے جو کچھ بھی کرنا ممکن ہو اس میں دریغ نہ کیا جائے، اور جمہوری انداز میں متحد ہو کر ہر قسم کے فروعی اختلاف کو پس پشت ڈال کر، سیسہ

پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور مذہبی شخصیات بالخصوص حضرت رسالت مآب ﷺ کی اہانت و گستاخی پر پھانسی کی سزا کے لیے قانون بنانے کا مطالبہ ملکی طور پر بھی کریں۔ اس کے لیے مختلف ذرائع ابلاغ کے ذریعے فضا بھی ہموار کی جائے اقوام عالم کو بھی اپنی قلمی، اخلاقی وفکری طاقت سے اس سمت میں قانون سازی کے لیے مجبور کیا جائے۔

آج ملعون بھاجپا ترجمانوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی شان میں ہفوات بکے گئے ہیں، اور اس کی وجہ سے اپنے رسول سے محبت کرنے والے جیالوں میں زبردست اشتعال پیدا ہوا ہے اور کئی شہروں میں اس کی وجہ سے ناخوش گوار واقعات پیدا ہوئے ہیں۔ ان حالات کے سد باب کے لیے قانون بنانے یا کم از کم موجودہ قانون کے مطابق سخت سے سخت کارروائی کا متحدہ طور پر بیک آواز مطالبہ کرنا چاہیے۔ نہیں تو ایسے واقعات آئندہ بھی پیش آتے رہیں گے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا (الاحزاب:۵۷)

بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید نے ایک موقع پر حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ: اگر دنیا میں کسی جگہ حضور اکرم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا واقعہ رونما ہو جائے تو ایسے حالات میں آقا ﷺ کی امت کی کیا ذمہ داری ہے؟

حضرت امام مالک نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ: ’’امت مسلمہ اس سے بدلہ لے‘‘۔ پوچھا گیا: اگر حالات ایسے ہوں کہ ایسا نہ کر سکے تو پھر؟ امام مالک رحمہ اللہ نے وہ تاریخی جملہ کہا جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، آپ نے فرمایا: ’’پھر حضور ﷺ کی ساری امت

مرجائے، اس کو جینے کا بھی کوئی حق نہیں"۔ ("الاعتصام" از امام شاطبی، جلد اول، ص ۵۴) علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنی مشہور و معروف کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں نقل فرمایا ہے۔

اللہ اکبر! اس واقعہ سے مسئلے کی حساسیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ واقعی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و ناموس پر حملے ہوتے رہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حرم پاک کو نشانہ بنایا جاتا رہے، حضرات امہات المومنین پر ہفوات بکے جاتے رہیں اور ہم خواب خرگوش کے مزے لیتے رہیں تو واقعتاً یہ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

ایسے مواقع پر قانون کے دائرے میں جو کوشش ہمارے لیے ممکن ہو وہ کر گذریں تو ضرور اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (سورہ محمد: ۷) یعنی: اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہیں ثابت قدم کردے گا۔

مشکل حالات میں ناموس رسالت کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا اہل ایمان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ یہ ضمانت خود اللہ رب العالمین نے دی ہے: فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اعراف: ۱۵۷) ترجمہ: وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ وَرُوْحِيْ وَقَلْبِيْ يَاسَيِّدِيْ يَارَسُوْلَ اللّٰه ﷺ

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

بغداد کی تباہی ایک درسِ عبرت

امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (متوفی:۱۸۱ھ) کے قول کے مطابق دین کو بگاڑنے میں سلاطین، علمائے سوا ور زاہدانِ دنیا کا ہی اہم کردار ہوتا ہے ؎

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ

وَ اَحْبَارُ سُوْءٍ وَ رُهْبَانُهَا

آیئے اب ذرا سلاطینِ اسلام کی بے راہ روی کا جائزہ لیتے ہیں: چودہ سوسالہ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کی پانچ عظیم الشان حکومتوں کے بارے میں بہت کچھ سن پڑھ کر جہاں مسلمانوں کا سینہ چوڑا اور سر فخر سے بلند ہوتا ہے وہیں ان کی حالتِ زار اور زوال کی داستان سے آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔ان پانچ حکومتوں میں پہلی حکومت بنو امیہ (۶۶۱ءتا۷۵۰ء) دوسری سلطنت عباسیہ (۷۵۰ءتا۱۲۵۸ء) تیسری حکومت اندلس (۷۱۱ءتا ۱۴۹۲ء) چوتھی سلطنت مغلیہ (۱۵۲۶ءتا۱۸۵۷ء) اور آخری خلافت عثمانیہ (۱۵۱۷ءتا۱۹۲۴ء)۔

یہاں ہم صرف ایک سبق اور درس عبرت کے لیے مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت، سلطنت عباسیہ کی تباہی اور ان کے دارالسلطنت شہر بغداد کے سقوط کی جھلک دکھاتے ہیں اور ساتھ ہی اس کی وجوہات پر طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

معروف مؤرخ ومصنف اور عالم دین مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م:۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں: تاتاری یورش عالم اسلام کے لیے ایک بلاء عظیم تھی (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر)

بغداد عالم اسلام کا سب سے بڑا شہر علوم وفنون کا مرکز، ہزار ہا علما وصلحا کا مسکن اور دارالخلافت ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی آبرو تھا لیکن تاتاری وحشی عالم اسلام کو زیرو

زبر کرتے ،خون کے دریا بہاتے اور آگ لگاتے ہوئے ۶۵۶ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کی سرکردگی میں دنیائے اسلام کے دارالخلافت اور اس زمانہ کا سب سے بڑا علمی مرکز اور متمدن شہر بغداد میں داخل ہوئے اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی، بغداد کی تباہی اور مسلمانوں کے قتل عام کی تفصیل بہت ہی دردناک ہے، کچھ اندازہ ان مورخین کے بیانات سے ہوگا جنہوں نے اس حادثہ کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

ابن اثیر(م:۶۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ: بغداد میں چالیس دن تک قتل وغارت کا بازار گرم رہا، چالیس دن کے بعد یہ گلزار شہر جو دنیا کا پر رونق ترین شہر تھا ایسا ویران و تاراج ہوگیا کہ تھوڑے سے آدمی دکھائی دیتے تھے، بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ ٹیلے نظر آتے تھے، ان لاشوں پر بارش ہوئی تو صورتیں بگڑ گئیں اور سارے شہر میں بدبو پھیلی ،جس سے شہر کی ہوا خراب ہوگئی ،اور سخت وبا پھیلی جس کا اثر شام تک پہنچا، اس ہوا اور وبا سے بکثرت مخلوق مری، گرانی، وبا اور فنا، تینوں کا دور دورہ تھا۔

شیخ تاج الدین السبکی (م:۷۷۱ھ) کے قول کے مطابق ہلاکو خان نے خلیفہ بغداد مستعصم باللہ کو ایک خیمہ میں اتارا اور وزیر العلقمی نے علما اور اعیان شہر کو دعوت دی کہ خلیفہ اور ہلاکو خان کے صلح نامہ پر گواہ بنیں جب وہ آئے تو اس نے سب کی گردن اڑادی، اسی طرح یکے بعد دیگرے بلایا جاتا اور سب کی گردن اڑادی جاتی ،خلیفہ کو قالین میں لپیٹ کر گھوڑوں کی سموں سے ہلاک کیا گیا۔ شہر بغداد میں ایک مہینہ سے زیادہ قتل عام جاری رہا، ہلاکو نے مقتولین کو شمار کرایا تو ۱۸ رلاکھ مقتول شمار ہوئے۔ اس عباسی حکومت کے زوال پر شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ (م:۱۲۹۲ء) نے بڑا ہی دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ جس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

اے محمد گر قیامت می بر آری سر ز خاک
سر بر آور وین قیامت در میانِ خلق بین
نازنینانِ حرم را خونِ خلق بے دریغ
ز آستان بگذشت و ما را خونِ چشم از آستین

(اگر آسمان امیرالمومنین مستعصم کی بادشاہت کے زوال پر زمین پر خون برسائے تو یہ اُس کے لیے روا ہے —— اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ قیامت کے وقت اپنی تربت سے سر باہر نکالیں گے، تو ابھی سر باہر نکالیے اور لوگوں کے درمیان یہ قیامت دیکھیے —— حرم (محل) کے نازنینوں کی دہلیز سے بے دریغ لوگوں کا خون بہہ گیا اور (اُس کے غم میں) ہماری آستین خونِ چشم سے رنگین ہوگئی)

تباہی کی اصل وجہ

سوال یہ ہے کہ وہ کیا وجہ ہوئی جس نے تاتاریوں کو وحشی بنادیا تھا، جس کی وجہ سے یہ قوم ظلم و بربریت میں ایک نئی مصیبت بن کر ابھری، اس کے جواب میں تاریخ کا طالب علم تو یہی کہے گا کہ اس منحوس واقعہ کا سبب سلطان وقت علاء الدین محمد خوارزم شاہ کی بظاہر ایک غلطی اور بے تدبیری تھی کہ اس نے پہلے ان تاتاری تاجروں کو قتل کروادیا، جو اس کے ملک میں تجارت کے لیے آئے تھے، پھر جب چنگیز خان نے اس کا سبب دریافت کرنے کے لیے ایک سفارت بھیجی تو خوارزم شاہ نے سفیر کو بھی قتل کرادیا، اس پر تاتاری خاقان چنگیز خان نے برافروختہ ہوکر خوارزم شاہ کی شاہی سلطنت اور پھر پورے عالم اسلام پر حملہ کردیا۔

لیکن قرآن مجید میں اعمال و اخلاق کے نتائج اور اقوام و ملل کے عروج و زوال کا جو، ابدی اور عالمگیر قانون بتایا گیا ہے اس کے پس منظر میں مولانا ابوالحسن علی ندوی (م:۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں: اس فتنہ عالم آشوب اور اس وقت کی دنیائے اسلام کی اس قیامت

صغریٰ کا حقیقی سبب صرف اتنا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک بادشاہ نے کوتاہ نظری اور بے تدبیری سے کام لیا، اور اچانک سیلاب عالم اسلام پر امنڈ پڑا، اور ایک فرد کی غلطی سے ساری ملت اسلامیہ کو روز بد دیکھنا پڑا جس کے لیے وہ نہ تیار تھے اور نہ اس کے مستحق، قرآن مجید کا چراغ اگر ہاتھ میں لے کر اس وقت کے مسلمانوں کے اخلاقی، دینی، تمدنی، سیاسی حالات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ یہ منحوس واقعہ اچانک پیش نہیں آیا، اس کے اسباب اس سے کہیں زیادہ وسیع، گہرے اور ٹھوس ہیں جتنے سمجھے اور بیان کیے گئے ہیں، اس کے لیے ہم کوئی سال پیچھے جا کر اپنا محاسبہ کرنا پڑے گا اور اس وقت کی اسلامی سلطنتوں، اہم ترین تمدنی مراکز اور اسلامی معاشرہ پر ایک اجمالی نگاہ ڈالنی چاہیے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۱،ص:۳۰۴)

قرآن مجید کا ابدی قانون وہ ہے جو سورہ اسراء میں اللہ پاک نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِي الْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا (بنی اسرائیل، الآیۃ: ۴، ۵) اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں وحی بھیجی کہ ضرور تم زمین میں دوبار فساد مچاؤ گے اور ضرور بڑا غرور کرو گے، پھر جب ان میں پہلی بار کا وعدہ آیا ہم نے تم پر ایسے بندے مسلط کر دیئے، تو وہ شہروں کے اندر تمہاری تلاش کو گھسے، اور یہ کہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا۔

آیت مذکورہ میں بنی اسرائیل کے متعلق حق تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا تھا کہ دین سے انحراف کریں گے ذلیل وخوار کیے جائیں گے اور کافر دشمنوں کے ہاتھوں مار ڈالے جائیں گے۔ اور صرف یہی نہیں کہ دشمن ان پر غالب ہو کر ان کی جان و مال کو نقصان پہنچائیں گے بلکہ ان کے ساتھ ان کی عبادت گاہ اور قبلہ جو بیت المقدس ہے اس میں گھس

کر اس کی بے حرمتی اور توڑ پھوڑ کریں گے۔

مذکورہ آیت میں ان دو واقعات کی طرف اشارہ ہے جس میں بنی اسرائیل نے اپنے وقت کی شریعت الٰہیہ سے انحراف کر کے سرکشی اختیار کی تو پہلے واقعہ میں ایک مجوسی کافر بادشاہ کو ان پر اور بیت المقدس پر مسلط کر دیا گیا جس نے تباہی مچائی اور دوسرے واقعہ میں ایک رومی بادشاہ کو مسلط کیا جس نے ان کو قتل وغارت کیا اور بیت المقدس کو منہدم اور ویران کیا۔

اس آیت کے حوالے سے علما لکھتے ہیں کہ: بنی اسرائیل کے یہ واقعات قرآن کریم میں بیان کرنے اور مسلمانوں کو سنانے سے بظاہر مقصد یہی ہے کہ مسلمان بھی اس ضابطہ الٰہیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے، دین و دنیا میں ان کی عزت وشوکت اور مال و دولت، اطاعت خداوندی کے ساتھ وابستہ ہیں جب وہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کریں گے، تو ان کے دشمنوں اور کافروں کو ان پر غالب اور مسلط کر دیا جائے گا جن کے ہاتھوں ان کے معبد، مساجد کی بے حرمتی بھی ہوگی۔

فرمان خداوندی کی روشنی میں یہ بات ہمیں سمجھنی چاہیے کہ تاتاری حملہ کوئی اتفاقی نہیں تھا، اور نہ ہی صرف سلطان وقت کی کوتاہی اور کوتاہ نظری تھی بلکہ حقیقی اسباب تو اس وقت کے مسلمانوں کی تعیش پسندی، دین بیزاری، ظلم وزیادتی اور اخلاقی بے راہ روی تھی جو غضب خداوندی کو مسلسل دعوت دے رہی تھی۔ اسی لیے سنت الٰہی کے مطابق آسمانی تنبیہات کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا جو مسلمانوں کو ہوش کے ناخن لینے کے لیے بالکل کافی تھا، لیکن باوجود اس کے مسلمان غفلت اور دین بیزاری سے رجوع الی اللہ کے لیے تیار نہ تھے۔ ظالموں اور فاسقوں پر نزولِ عذاب سے پہلے، تنبیہ کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ قدرت بھٹکے ہوئے انسانوں کو اپنے انوکھے انداز سے متنبہ کرتی رہتی ہے۔ اور پھر نہ سمجھنے والوں کو آنے والے زمانوں کے لیے تماشۂ عبرت بنا دیتی ہے۔

خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد عربوں کی قائم کردہ دو عظیم ترین سلطنتوں میں سے پہلی امویوں کی اور دوسری سلطنت عباسیوں کی ہے۔ خاندان عباسیہ کے دو بھائیوں السفاح اور ابوجعفر المنصور نے ۱۳۲ھ میں خلافت عباسیہ کو قائم کیا اور ۶۵۶ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ خلافت بنوامیہ کے خلاف ایک تحریک کے ذریعے قائم ہوئی۔ تحریک نے ایک عرصے تک اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کی اور بالآخر بنوامیہ کو شکست دینے کے بعد برسر اقتدار آ گئی۔

حضور علیہ السلام کے فرمان: اَلْخِلاَفَةُ فِي أُمَّتِي ثَلاَثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَلِكَ (یعنی خلافت میری امت میں تیس سال رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت ہوگی) (سنن ترمذی:۲۲۲۶) کے مطابق تیس سالہ مدت کے بعد خلافت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر ختم ہو گئی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اول بادشاہ اسلام ہوئے مگر خلیفہ اور امیر المومنین کی اصطلاح اس کے بعد بھی برقرار رہی۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۹۱۱ھ) کی تاریخ الخلفا کے اردو مترجم علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (م: ۱۴۱۷ھ) لکھتے ہیں: ان ظالموں، سفاکوں، عدل دشمنوں، شراب خواروں، عیش ونشاط کے متوالوں اور سلطنت الٰہیہ کو ملوکیت سے بدلنے والوں کے عہد کو عہد خلافت کہتے ہیں پھر ان کے سیاہ کارنامے گنواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''دل گوارا نہیں کرتا اور قلم تحریر کرنے سے رکتا ہے کہ ان سلاطین اور ملوک کو خلیفہ جیسے پاکیزہ اور مقدس لفظ سے ذکر کیا جائے''۔ (حاشیہ تاریخ الخلفا،ص:۳۷۰)

عباسی خاندان کی بے راہ روی

عباسی ایک خاندانی نام ونسبت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا سیدنا عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی نسل واولاد کی وجہ سے انھیں حاصل تھی۔ خلافت عباسیہ سے ان کی اسی نسلی نسبت کی طرف اشارہ ہے۔ عالم اسلام کی عظیم الشان خلافت عباسیہ بھی اسی

خاندان نے قائم کی جہاں ۷۴۸ء سے لیکر ۱۲۵۸ء تک، تقریباً ۵۱۰ر سال تک عباسی خلفا بغداد سے دنیا کے ایک وسیع وعریض خطہ پر خلافت وحکمرانی کرتے رہے۔

اس عباسی دور میں ۳۷ر خلفا ہوئے اور عہد عباسیہ کو تاریخ کا ایک نہایت شان دار دور کہا گیا۔ خصوصاً علمی وادبی، تہذیب وثقافت اور صنعت وحرفت کے حوالے سے یہ دور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مگر چند خلفا کو چھوڑ کر اکثریت لہوولعب، عیش وعشرت اور ظلم وزیادتی میں مبتلا تھے۔ انھوں نے حکومت بنوامیہ کے زوال سے بھی کچھ سبق حاصل نہ کیا جو ظلم وعدوان، ناانصافی وحق تلفی، قبائلی ونسلی وتفاخر، اخلاقی پستی اور جذبۂ جہاد سے خالی ہونے کی وجہ کر صرف ۹۰ر سالوں میں اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ جن میں صرف حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۰۱ھ) کا دور خلافت روشن وتابناک ہے۔ ان کی صرف ڈھائی سالہ مدت خلافت ایسی تھی کہ جسے خلفائے راشدین کے دور سے تشبیہ دی گئی۔ بقیہ سارا اموی دور کچھ خاص کاموں کے سوا مکمل تاریک نظر آتا ہے۔ ان اموی شاہوں کے تمام غلط کاموں کی تاویل تو کی جاسکتی ہے مگر کربلا کے میدان میں یزید اموی اور اس کے ہم نواؤں نے نواسۂ رسول سیدنا امام عالی مقام، خانوادۂ رسول اور جانثاران اہل بیت پر ظلم وجور کے جو پہاڑ توڑے اور جس بے دردی کے ساتھ انھیں شہید کیا اس کے لیے بھی اگر کوئی تاویل کرے اور عذر تراشے تو یوم آخرت سخت جواب دہی کے لیے اسے تیار رہنا چاہیے۔ اصلاً یہی خون حسین ان کے حکومتی خاتمے کا سبب بنا اور دنیا سے لے کر آخرت تک ان کے دامن داغ دار ہیں اور رہیں گے۔ بہر حال! بنوامیہ کے بعد یہی حال شاہان عباس کا بھی تھا۔ ان میں مختلف خیال وفکر کے حاملین بھی ہوئے۔ کوئی اگر سنی صحیح العقیدہ تھا تو کوئی مائل بہ شیعت، کوئی ناصبی ہوا تو کوئی خارجی، کوئی معتزلہ سے متاثر تھا تو کوئی قدریہ وجہمیہ فکر ومزاج رکھنے والا تھا اور کوئی آزاد فلسفیانہ طبیعت کا مالک ہوا۔ ان اموی اور عباسی خلفا کے ظلم وتشدد کی تاریخ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

عباسی خلافت کے دور میں لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا، مسلم لاشوں کی بے حرمتیاں کی گئیں، عوام وخواص پر ریاستی مظالم وبربریت کی کوئی انتہا نہ رہی تو مالک کائنات بھی انہیں مختلف طریقوں سے جھنجوڑتا رہا۔ دسویں خلیفہ متوکل علی اللہ (م:۸٦۱ء) کے دور میں کچھ ایسے عجیب وغریب واقعات پیش آتے رہے، جو اہل حق کی نظر میں قدرت کی طرف سے مسلسل تنبیہ تھے۔ شہر حلاط کے باشندوں نے آسمان سے ایسی ہولناک چیخ کی آواز سنی کہ جس کی ہیبت سے ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے، مگر ظالم حکمرانوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ مصر کے ایک علاقے میں آسمان سے قوم لوط پر عذاب کی طرح پتھر برسے مگر عیاش شاہوں نے اس خدائی چتاؤنی پر قطعی دھیان نہ دیا۔ یمن میں ایک پہاڑ نے کچھ اس طرح حرکت کی کہ ملحقہ کھیت وکھلیان بھی اپنی جگہ سے سرک گئے۔ لیکن رنگیلے تاجوروں کے اندازِ جہالت نہ بدلے۔ اور پھر شام کے شہر حلب میں سفید پروں والا ایک عجیب وغریب پرندہ انسانوں کی بولی میں "اے لوگو اللہ سے ڈرو" کی مسلسل چالیس صدائیں لگا کر غائب ہو گیا۔ مگر حکمرانوں اور اشرافیہ کے ظلم وناانصافی قتل وغارت گری اور عیش وعشرت پرستی کا سلسلہ اس وقت بھی نہ رکا، یہاں تک کہ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ، دہشت وبربریت کی علامت ہلاکو خان کے منہ زور گھوڑوں کے بے رحم ٹاپوؤں تلے کچل کر قیمہ نہ بن گیا۔

دور قدیم و جدید کی سیاسی تاریخ کھنگال کر دیکھیں تو یہ جان کر آپ حیران وششدر رہ جائیں گے، حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ عوامی امیدوں اور جذباتوں سے کھیلنے کے ماہر سارے سیاست دان ہمارے آج کے سیاسی کرداروں سے کچھ مختلف نہ تھے۔ ان کے سیاسی وعدوں پر جینے والے احمق عوام الناس ہمیشہ ہی گھاٹے میں رہے۔ یاد رہے کہ عباسی خلافت کے قیام کی وجہ یہ سیاسی وعدے تھے کہ وہ خاندان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہونے کے ناطے، قرآن وشریعت کا نظام اور حدود اللہ قائم کریں گے۔ لیکن

حصول اقتدار کے بعد وہ سب وعدے سیاست کے روایتی فریب ثابت ہوئے۔ انہوں نے بھی دنیائے سیاست کی ازلی روایات برقرار رکھتے ہوئے فتح دمشق کے موقع پر پچاس ہزار مسلمانوں کا ویسے ہی قتل عام کیا، جیسے سقوط بیت المقدس کے دوران صلیبی لشکروں نے کیا تھا۔ رعب و دبدبہ قائم کرنے کے لیے جامع مسجد بنی امیّہ کو ستر دن تک گھوڑوں کا اصطبل بنا کر وہی کچھ کیا گیا، جو مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے بعد انگریزوں نے شاہی جامع مسجد دہلی اور دیگر مساجد کے ساتھ کیا۔ تخت و تاج کی ہیبت اور اپنی طاقت کی نمائش کے لیے سیاسی مخالفین کا ویسا ہی وحشیانہ قتل عام کیا گیا جیسا خدائی کے دعویدار شاہ بخت نصر، شاہ نیرو اور یونانی تاجداروں کا وحشیانہ وطیرہ تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام اکابرین بنی امیّہ کی قبریں کھود ڈالی گئیں۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش کو قبر سے نکال کر کوڑے مارے گئے۔ اور پھر لاش کو کئی دن تک سرِ بازار لٹکانے کے بعد جلا دینے کا ویسا ہی سلوک کیا گیا جیسا مابعد دوسری جنگ عظیم میں امریکی حواریوں نے شکست خوردہ اطالوی ڈکٹیٹر مسولینی کے ساتھ کیا۔ خاندان بنی امیہ کا بچہ بچہ قتل کر کے لاشوں کے فرش پر اسی طرح شاہی دسترخوان سجائے گئے جس طرح قدیم روم کے شاہ نیرو نے عیسائی آبادی کے قتل عام پر بچھائے تھے۔ بنو امیہ اور ان کے حواریوں کی لاشوں کو اسی طرح بازاری کتوں کے آگے ڈالا گیا جس طرح قدیم یونان کے دیوتا پرست حکمران اپنے سیاسی مخالفوں کو ڈالتے تھے۔ انتہائے بربریت کہ ان لوگوں نے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس شہروں میں بھی ویسا ہی حشر بپا کیا، جیسا شاہ بخت نصر نے ہیکل سلیمانی اور مقدس شہر یروشلم کو تباہ و برباد کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا۔

خاندان بنی ہاشم کے دعویدار خلفا کے سیاہ کارنامے ہر لحاظ سے نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کے برعکس تھے۔ بنو عباس کا وحشیانہ انداز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی

ریاست مدینہ اور خلفائے راشدین کا طریق نہیں بلکہ خوں خوار تاتاریوں اور سفاک رومیوں کی بربریت کا خاصہ خباثت تھا۔

خلیفہ ابوجعفر منصور (م:۱۴۸ھ) نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۵۰ھ) کو کوڑے لگوائے اور قید میں ڈال کر اس قدر سخت اذیتیں دی گئیں کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م:۲۴۱ھ) نے خلیفہ کے غیر شرعی موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کیا، تو انھیں بھی سخت اذیتیں دی گئیں۔ حکمرانوں کی ضد اور جہالت کا یہ عالم تھا کہ معتصم باللہ (م:۲۲۷ھ) مکمل ان پڑھ ہونے کے باوجود خلق قرآن کے حساس علمی مسئلہ پر علما سے الجھتا رہا۔ خلیفہ واثق باللہ (م:۲۳۲ھ) کے وزیر ابن زیات نے علمائے کرام کو اذیت دینے کے لیے ایک ایسا آہنی تنور بنایا تھا جس کے اندر نوکیلے کیل لگائے گئے تھے۔ لیکن مکافات عمل دیکھیے کہ مابعد جب وہ خود زیر عتاب آیا، تو اپنے ہی بنائے ہوئے اسی تنور میں ڈالا گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر ہل چلوانے والا بدبخت خلیفہ متوکل علی اللہ (م:۲۴۷ھ) اپنے ہی بیٹے منتصر باللہ (م:۲۴۸ھ) کے ہاتھوں اس وقت قتل ہوا کہ جب وہ شراب نوشی اور جنسی عیاشی میں مدہوش و بدمست تھا، خلیفہ متوکل کی عیش پسندی کا یہ عالم تھا کہ اس کے حرم میں بھی ایران کے کسریٰ خسرو پرویز کی طرح چار ہزار لونڈیاں اور خوب صورت کنیزیں مقیم تھیں۔ یہ قدرت کا مکافات عمل ہی تھا کہ تاج و تخت کے لیے اپنے باپ ظاہر باللہ (م:۶۲۳ھ) کا قتل کرنے والا مستنصر باللہ (م:۶۴۰ھ) صرف چھ ماہ کی حکمرانی کے بعد منگول تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ ملوکیت پر قائم عباسی خلافت کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ (م:۶۵۶ھ) مرتے دم تک سرکاری وظیفہ خوار رقاصاؤں کی محافل میں شراب و شباب میں مدہوش و بدمست رہا۔ دوست ریاستوں کے عیاش شاہوں کو "جنسی تحائف" بھیجنے والے عیاش حکمران کو اس بات کی خبر تک نہ ہوئی کہ بغداد کو تیرہ و تاراج کرنے والا ہلاکو خان اسی

کے ایک معتمد وزیر ابوالعلقمی کی دعوت پر بھیانک موت بن کر اس کے سر پر آن پہنچا ہے۔

زیر عتاب حکمرانوں کے لیے یہ تاریخِ زوال بڑی ہی تلخ ہے کہ نادر شاہ درانی کے سپاہیوں کے ہاتھوں دہلی کے گلی کوچوں میں قتل عام کے بعد ''ہنوز دلی دور است'' کا ورد کرنے والے محمد شاہ رنگیلے کی باقیات گداگری کی پہچان بن گئی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد محلاتی شہزادیاں اپنے ملازموں کی بیویاں بن کر شہر چھوڑنے اور بعد میں کسمپرسی کی زندگیاں گزارنے پر مجبور ہوئیں۔ ہائے کہ آج بغداد شریف میں ان شاہانِ حشمت عیاش عباسی خلفا اور سیاسی آمروں کے مجسموں کا نام ونشان بھی موجود نہیں، جو عوامی فلاح اور عنانِ ریاست سے بے نیاز اپنی رنگ رنگیلی دنیا میں مست و گم تھے۔ آنے والے وقت کا مورخ ہمارے مسلم ممالک کے رنگیلے شاہوں کا انجام بھی شاہی قالین میں لپٹے اس آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ جیسا لکھنے پر مجبور ہوگا، جو ہلاکو خان کے گھوڑوں کے ٹاپوں تلے ایسی صفائی سے کچلا گیا کہ بغداد کی زمین پر اس کے ''خون'' کا ایک قطرہ بھی قالین سے باہر نہ گرا۔ لیکن ہاں! سفاک تاتاریوں کے ہاتھوں تاخت وتاراج ہونے والے اسی بغداد میں نہتے عوام کے لہو کے دجلہ وفرات جابہ جا رواں تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اس عظیم حکومت عباسیہ کے زوال وسقوط کی وجوہات بھی بڑی تفصیل کے ساتھ لکھی ہے جس کا خلاصہ میں یہاں نظر قارئین کرتا ہوں۔

صحیح قیادت کا فقدان اور آپسی خانہ جنگی

سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات (۵۸۹ھ) پر اس کی وسیع وزرخیز سلطنت اس کی اولاد و خاندان میں تقسیم ہوگئی تھی، جو کہ اس کی صلاحیت کی وارث اور اس کی صحیح جانشین ثابت نہ ہوسکے اور ایک دوسرے سے دست وگریباں اور برسرِ پیکار رہے، ان میں سے بعض نے اپنے ہی قرابت داروں کے خلاف صلیبی حکمرانوں، فرنگی فریقوں سے بھی مدد لینے

سے احتراز نہ کیا اسی خانہ جنگی کے سبب زیر فرماں ممالک میں سیاسی انتشار، انتظامی ابتری، اخلاقی زوال رونما تھا لوگ ایک بے یقینی کی فضا میں زندگی گزار رہے تھے، انتظامی و اخلاقی دونوں طرح کی کوتاہیوں اور بے راہ روی کا نتیجہ تاتاری حملوں کی شکل میں رونما ہوا۔

مادہ پرستی کا شکار

جس وقت تاتاری قوم بخارا، سمرقند، نیشاپور، ہمدان جیسے اسلامی ملکوں کو تباہ کرتی ہوئی طوفان کی طرح اسلامی مرکز بغداد کی طرف بڑھ رہی تھی اس وقت تک بغداد میں سلطنت کی ظاہری شان وشوکت، عجمی تکلفات اور دولت وتمدن کے کھو کھلے مظاہر اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گئے تھے۔ خلیفہ الظاہر کے زرخرید علاء الدین الظاہری کی سالانہ آمدنی جو اس کو اپنی جائداد سے حاصل ہوئی تھی تین لاکھ دینار تھی، شہر بغداد میں اس کے محل کی نظیر نہ تھی، ان لوگوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی میں جو جہیز دیا تھا جو تحائف تقسیم کیے ان کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

بے جا رسوم ورواج اور دین بیزاری

شان وشوکت کے اظہار کے لیے عید اور جانشینی کے موقع پر جو شاہانہ جلوس بغداد میں نکلتے تھے تو سارا شہر ان میں شرکت کرنے، ان کا تماشا دیکھنے میں محو اور خود فراموش ہو جاتا تھا، نمود ونمائش کے ماسوا جس طرح بے تکلف دینی فرائض ان میں نظر انداز ہوتے تھے اور نمازیں قضا ہوتی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ۶۴۴ھ کی عید الاضحیٰ کو اہل بغداد شہر کے باہر خلیفہ کا شاہی جلوس دیکھنے نکلے اور نماز عید انھوں نے غروب آفتاب کے وقت پڑھی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت؛ ج۱ ص؛ ۳۰۷) (اناللہ وانا الیہ راجعون)

اخلاقی بے راہ روی

اخلاقی بے راہ روی اتنی زیادہ بڑھ چکی تھی کہ دل بہلانے والے مشاغل کا زور تھا، مغنیات کی کثرت تھی اور دولت جمع کرنے کا شوق حد سے زیادہ تھا، رشوت کی گرم بازاری تھی، باطنیوں اور ٹھگوں کی سرگرمی تیز ہوگئی تھی۔ (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص: ۳۰۷)

یہ وہ حقیقی اسباب تھے جو سنت اللہ کے مطابق تاتاری عذاب کے لیے پیش خیمہ ثابت ہوئے اور عالم اسباب ظاہری میں وہ سبب ثابت ہوا جس میں سلطان خوارزم شاہ نے تاتاری تاجروں کو قتل کروادیا تھا جو بغرض تجارت اس کی سلطنت میں آئے تھے، پھر تاتاری سفیر کو بھی قتل کروادیا جس پر تاتاری برانگیختہ ہوکر سلطان خوارزم پر ٹوٹ پڑے پھر عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ مؤرخین نے علما اور اہل علم طبقہ کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ فروعی مسائل میں مناظرے، مجادلے اور غیر ضروری مباحث میں مشغول تھے، شام ہوتے ہی دونوں طرف ایک اسٹیج لگتا اور پھر عوام کو اپنی تفریح کا ایک بہترین موقع میسر آتا۔

اب ہم خود فیصلہ کریں کہ کیا آج کا مسلمان بھی ان اسباب وعوامل سے گھرا ہوا ہے یا نہیں!! ہمارے اعمال بھی اللہ رب العزت کے عذاب کو دعوت دینے کے لیے کافی ہیں، مذکورہ تحریر کا مقصد حالات حاضرہ میں صرف حکومت وقت کو مورد الزام ٹھہرانے اور غیروں کی سازش بتانے کے بجائے، خود کی غلطیوں کی اصلاح کرنا بھی ہے۔

ہم اس وقت تک حکومت وقت کی پریشانیوں سے نجات نہیں پاسکتے جب تک کہ ہم مومن کامل نہ بن جائیں جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران، الآیۃ: ۱۳۹) تم نہ ہمت ہارو اور نہ غم کھاؤ، اگر تم ایمان رکھتے ہو تو تم ہی غالب رہوگے۔ اللہ پاک ہم سب کو تاریخ سے سبق لینے کی توفیق نصیب فرمائے۔

علما و قائدین کی ذمہ داریاں

موجودہ دور میں مسلمان جن حالات سے گذر رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایسے میں ہمارے خطبا، دانشوران اور قلم کاروں کا بس دشمنوں پر لعنت ملامت کرنا، ان کے جرائم بیان کرنا اور ان کا ہی شکوہ، اپنے علما و مشائخ کو کوسنا اور برا بھلا کہنا ہی کام رہ گیا ہے۔ بلاشبہ! ان کی سازشیں اور جرائم اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن کافر دشمن اس قسم کی محض چیخ وپکار اور واویلا کرنے سے نہیں بھاگ سکتے۔ کفار و مشرکین تو شروع زمانے سے ہی اسلام کی شمع کو گل کر دینا چاہتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے: يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (التوبۃ، الآیۃ:۳۲) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کیے بغیر ماننے والا نہیں ہے، خواہ کافروں کو ناگوار ہو۔

اور ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو کچھ یوں بیان فرمایا ہے: وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرۃ، الآیۃ:۲۱۷)

یعنی وہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کے بس میں ہو تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم مسلمانوں نے ان کے مقابلے اور ان کی زیادتیوں کو روکنے کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟

آج مسلمانوں پر چند چیزیں لازم و واجب ہیں

(۱) دین کے تعلق سے اپنی موجودہ صورت حال پر غور کریں، کیونکہ جو کچھ مصائب کا ہمیں سامنا ہے وہ ہماری دین میں کوتاہی کے سبب ہی ہے۔

ایک حدیث پاک میں ہے: اِذَا عَصَانِي مَن يَّعرِفُنِي سَلَّطتُ عَلَيهِ مَن

لَا يَعرِفُنِي (حلیۃ الاولیا:۱/۹۱) اگر وہ میری نافرمانی کرے جو مجھے جانتا ہے (یعنی مسلمان وصاحب ایمان) تو میں اس پر اسے مسلط کردوں گا جو مجھے نہیں جانتا (یعنی کافر ومشرک اور فاسق وفاجر)۔

بنی اسرائیل، وہ قوم ہے، جو انعام یافتہ، عزت مآب اور فضائل ومناقب کے منصب عظیم پر فائز تھی، مگر جب انھوں نے اپنے دین سے لاتعلقی اختیار کی اور زمین میں فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مجوسی کافروں کو مسلط کر دیا، جنھوں نے ان کے گھروں کے اندر تک گھس کر تباہی مچائی، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ بھی وعید سنائی کہ اگر تم اپنی اس حالت نافرمانی کی طرف واپس لوٹو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر پھر سے غضب فرمائے گا۔ اس لیے ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی موجودہ صورت حال پر نظر کریں اور دین کے تعلق سے ہمارے اعمال میں جو فساد آ گیا ہے اس کی اصلاح کریں۔

یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی سزا کا ارادہ فرمالیتا ہے تو وہ بدلا نہیں کرتا اور سوائے اس کے کوئی ان کا کارساز بھی نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا (الاحزاب، الآیۃ:۶۲)

جو لوگ اس سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور تھا اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

(۲) ہمیں چاہیے کہ ایسی قوت اور اسباب تیار کریں کہ جس کے ذریعہ ہم اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرسکیں، جیسا کہ اللہ جل شانہ نے حکم ارشاد فرمایا ہے: وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال، الآیۃ:۶۰) تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کی کھیپ بھی، کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ انھیں خوب جانتا ہے۔

یعنی حالات اور ضرورت کے مطابق کارگر قوت مدافعت پیدا کر کے یہ تیاری کی جائے۔ بلکہ اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہمیں یہ بھی سمجھایا جا رہا ہے کہ تمہارا دشمن تم پر جس

راہ سے یلغار کررہا ہے تم بھی اسی راہ سے اس کا جواب دو۔آج جدید تعلیم ،سائنس وٹکنالوجی، پریس ومیڈیا اور انٹرنیٹ کے ذریعہ بھی اسلام اور مسلمانوں پر حملے ہورہے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ آج مسلم نوجوانان ان ہی ہتھیاروں سے لیس ہوکر میدان میں اتریں اور اسلام کا دفاع کریں۔

(۳) مسلمانوں کی جماعت کوکلمہ طیبہ،عقیدۂ توحید ورسالت اور قرآن وسنت پر متحد ویکجا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے: وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا (آل عمران:۱۰۳) اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور آپس میں تفرقہ بازی نہ کرو۔

اور فرمایا: وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَ تَذۡہَبَ رِیۡحُکُمۡ وَ اصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ (الانفال:۴۶) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازع نہ کرو ورنہ تم بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا (قوت) اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ حقیقی اتحاد تب ہوگا جب ایمان ویقین کا قبلہ درست ہو اور اہداف ومقاصد اس طور پر یکساں ہوں کہ خلوص وللّٰہیت،حق کی نصرت کا جذبہ اور اللہ رب العزت کا کلمہ بلند کرنا ہر ایک کی اولین ترجیح ہو۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے رہبران وقائدین،اساتذہ ودانشوران اور صاحبان قرطاس وقلم کو نہ یہ کہ اپنے خطبوں ،وعظوں،نصیحتوں، درسوں اور تحریروں میں ان نکات پر توجہ مرکوز رکھنا ہوگا بلکہ نوجوانوں کی ذہن سازی،خود اعتمادی،ہمت وحوصلہ اور منزل تک پہنچنے کے لیے کڑی محنت کرنے کا جذبہ وجنون ان کے اندر خود زمین پر اتر کر پیدا کرنا ہوگا۔یہ ایسی ذمہ داری ہے کہ جس کے لیے دنیا سے لے کر آخرت تک وہ جواب دہ ہیں۔اگر خدانخواستہ قوم مکمل تباہ وبرباد ہوگئی تو آنے والی نسلیں بھی ان سے یہ پوچھتی نظر آئیں گی۔

تو اِدھر اُدھر کی بات نہ کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تری رہبری کا سوال ہے

زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

امت مسلمہ کے زوال و انحطاط کے اسباب و وجوہات میں ایک زمانے سے صرف مادی اسباب وسائل کی عدم فراہمی اور سیم وزر کی قلت کا شکوہ کیا جاتا رہا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مادی وسائل سے زیادہ جس چیز سے نقصان ہوا ہے وہ ہے ہمارے عزم و حوصلے کی ناپختگی، فکر ونظر کی کوتاہی، اپنے فرائض منصبی سے چشم پوشی اور ذات باری تعالیٰ و ذات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری و مہجوری۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حکیم الامت علامہ اقبال نے کہا تھا۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور وغیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ کسی قوم کو نعمت و انعام دے کر اس وقت تک اس سے نہیں چھینا جاتا جب تک وہ قوم خود اپنی ناشکری اور بداعمالیوں کی وجہ سے اپنے آپ کو اس نعمت کے لیے نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔ قرآن نے اس فلسفے کو اپنے انداز میں کچھ یوں

بیان فرمایا ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (انفال:۵۳) یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز نہیں بدلتا جو اس نے کسی قوم کو عطا فرمائی ہو جب تک وہ خود ہی اپنی حالت کو نہ بدلیں اور بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

گزری ہوئی اور موجودہ قوموں کے عروج و زوال کے لیے یہی نظام قدرت ہے کہ نعمت کا شکر اور حق ادا کرنے پر نعمت بڑھ جاتی ہے اور ناشکری کرنے پر سزا دی جاتی ہے۔ اعلان خداوندی ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم:۷) اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ عطا کروں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب کی معرفت رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر اور ان کا حق ادا کرتے رہے تب تک عُروج کے اس مقام پر فائز رہے کہ دنیا کی بڑی بڑی سپر پاورز ان کے زیر نگیں رہیں۔ اور کفار و مشرکین ان کا نام سن کر لرزتے رہے۔ اور اسلام دشمنوں کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ لیکن جب سے مسلمانوں نے نعمت کے شکر اور اس کے حق کی ادائیگی سے منھ موڑا تب سے ان کی طاقت وقوت، وقار وتمکنت، شوکت وہیبت کا خاتمہ اور کفار و مشرکین کا ان پر غلبہ بڑھتا چلا گیا۔

آج اعداد وشمار کے لحاظ سے تو کہا جاتا ہے کہ اسلام مسیحیت کے بعد دنیا کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے لیکن حقیقتاً آبادی کے لحاظ سے عیسائیت پر بھی غالب ہیں۔ حالیہ جائزہ کے مطابق دنیا بھر میں مسلم آبادی "۱.۹۲" بلین افراد پر مشتمل ہے، اس لحاظ سے دنیا کی ۲۹ رفیصد آبادی صرف مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مسلم ممالک کی مجموعی تعداد ۵۷ ر

ہے مسلمانوں کی مجموعی تعداد ایک ارب ۴۰ رکروڑ سے زائد ہے۔ غیر مسلم ممالک میں بھی مسلمان آباد ہیں اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اقوام عالم کے مقابلہ میں مسلمان تعداد، رقبہ اور وسائل کے اعتبار سے ہر قوم ہر مذہب اور ہر علاقہ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مسلم ممالک کے زیر قبضہ رقبہ ۹ رکروڑ مربع میل سے متجاوز ہے۔ دنیا بھر کا ۷۰ رفیصد تیل (پٹرولیم) مسلمانوں کے پاس ہے۔ دنیا کی ۲۵ رفیصد زرعی زمین مسلمانوں کے پاس ہے۔ تانبے لوہے کوئلے کے علاوہ سونے، چاندی اور زمرد ہیرے اور یورینیم کے ذخائر بھی مسلمان ممالک کے پاس دیگر ممالک سے زیادہ ہیں اور مواصلاتی طور پر بھی سب آپس میں مربوط ہیں۔ لیکن ان مسلم ممالک کے سربراہان کا حال یہ ہے کہ فلسطین، شام، عراق، میانمار یا کسی بھی ملک میں ہونے والے مسلمانوں پر مظالم کے خلاف ایک لفظ نکالنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ کفار و مشرکین انھیں بڑے بڑے ناموں سے یاد کرتے ہیں اور یہ ان کے اشارۂ ابرو پر رقصاں رہتے ہیں۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا مسلم ملک ہوگا جو کافروں کا دست نگر نہ ہو۔ اس کا ذمہ دار کوئی اور نہیں بلکہ مسلمان خود ہیں۔

جیسا کہ اللہ نے سورۂ رعد میں بھی ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ (الرعد:۱۱)

مولانا ظفر علی خان نے گویا اپنے ایک شعر میں اس آیت کا ترجمہ پیش کر دیا ہے، کہتے ہیں ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اسلامی تاریخ میں اس قانون کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جیسے ماضی بعید میں دنیا کے تین براعظموں پر نافذ مسلم حکومت کا ختم ہو جانا، ۸۰۰ رسال تک اسپین پر حکومت

کے بعد وہاں سے سلطنتِ اسلامیہ کے سورج کا غروب ہو جانا، اسی طرح صدیوں حکومت کرنے کے بعد اپنے وطن عزیز کا غیروں کے ہاتھوں میں چلا جانا، اَسلاف کی بے شمار قربانیوں کے بعد حاصل ہونے والا مسلمانوں کا پہلا قبلہ ''بیت المقدس'' پر پنجۂ یہود کا گڑ جانا، اسلام کی متحدہ حکومت ''خلافت عثمانیہ'' کا بیسیوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جانا اور مسلم دنیا کا کافر حکومتوں کی دست نگر بن جانا اس قانونِ قدرت کی واضح مثالیں ہیں۔

آج ساری دنیا میں مسلمان ذلت وپستی اور تباہی وبربادی کے جس دہانے پر کھڑے ہیں، یہ ہم سب کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم میں کا ہر بندہ اپنے اپنے طور پر اس کی وجوہات بیان کرتا ہے۔ خود کا محاسبہ کر کے اپنی زندگیوں میں تبدیلی لانے کے بجائے ہم اس کی الٹی سیدھی تاویلیں کرتے ہیں۔ اس بڑی غلط فہمی کے بھی ہم شکار ہیں کہ فتح ونصرت بالآخر ہماری ہی ہونی ہے کیوں کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلام کا جھنڈا ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کا دعویٰ تو ضرور ہمارے پاس ہے لیکن کیا اسلام ہمارے رگ وپے میں اترا بھی ہے؟ جناب اقبالؔ کہتے ہیں ؎

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!
حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قُرآں ہو کر
ہر مسلماں رگِ باطل کے لیے نشتر تھا
اُس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا

جو بھروسا تھا اُسے قوّتِ بازو پر تھا
ہے تمھیں موت کا ڈر، اُس کو خدا کا ڈر تھا
باپ کا عِلم نہ بیٹے کو گر اَزبر ہو
پھر پِسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو!

ہمیں یہ بالکل نہیں بھولنا چاہیے کہ ہم اسلام کے محتاج ہیں، اسلام ہمارا محتاج نہیں۔ وہ رب العزت اس بات پر قادر ہے کہ ہماری جگہ ہمارے دشمنوں کو لے آئے اور ان سے اپنے دین کا کام لے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبكُم عَذَابًا اَلِيمًا وَّيَستَبدِل قَومًا غَيرَكُم وَلَا تَضُرُّوهُ شَيئًاؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ (سورہ توبہ:۳۹) (اگر تم (اللہ کی راہ میں) نہیں نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اس کو بالکل نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

اسی طرح سورہ انعام کی آیت ۱۳۳ر میں ہے: وَرَبُّكَ الغَنِيُّ ذُو الرَّحمَةِ اِن يَّشَا يُذهِبكُم وَيَستَخلِف مِنۢ بَعدِكُم مَّا يَشَآءُ كَمَا اَنشَاَكُم مِّن ذُرِّيَّةِ قَومٍ اٰخَرِينَ یعنی (اے محبوب) تیرا رب ہی غنی، رحمت والا ہے، اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھالے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جس طرح تمہیں ایک دوسری قوم کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ اس لیے اپنے اسلام اور رسمی مسلمان ہونے پر صرف فخر و ناز کرنے کے بجائے اپنی مسلمانی کا محاسبہ بھی ضروری ہے کہ ہم کس قدر مقصد حیات کی طرف گامزن اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔

مقصد زندگی اور مسلمان

ایک زمانہ وہ تھا کہ بندۂ مومن کے ہاتھوں میں توحید الٰہی کا پرچم اور سنت نبوی ﷺ کی ڈور ہوا کرتی تھی۔ وہ شریعت کے سانچے میں ڈھلے ہوتے اور دین کی سربلندی اور حق کی سرفرازی کے لیے جیتے اور مرتے تھے۔ ان ہی عظیم نفوس قدسیہ کے لیے خوب کہا گیا ہے ؎

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

اس کے بالکل خلاف ہماری زندگی کا مقصد طلب دنیا، ہوس دنیا اور خواہش دنیا کے سوا کچھ نہیں۔ دنیاوی مقصد کے لیے جینا بھی بے مقصد ہی ہے۔ کیوں کہ ایک مومن کا مقصد دنیا نہیں آخرت ہوتی ہے۔ کسی دانشور نے بہت خوب کہا ہے کہ ''جو مقصد کے لیے مرتے ہیں وہ مرتے نہیں ہیں اور جو بے مقصد جیتے ہیں، وہ جیتے نہیں ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ فَرَّقَ اللهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ، وَمَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَمَعَ اللهُ لَهُ أَمْرَهُ، وَجَعَلَ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ (ترمذی ۲۴۶۵)

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس شخص کی سوچ وفکر کا محور دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے معاملات کو بکھیر دیتا ہے اور اس کے فقر کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے۔ اور اسے دنیا سے اتنا ہی ملتا ہے جو اس کے لیے لکھا جا چکا ہے۔ اور جس آدمی کی سوچ وفکر کا محور آخرت ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے

معاملات کو سمیٹ دیتا ہے اور غنا اس کے دل میں رکھ دیتا ہے۔ اور دنیا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پاس چلی آتی ہے۔

حضرت مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ فقرا سے دشمنی رکھیں، دنیاوی شوکت وحشمت کا اظہار کریں، روپے جمع کرنے پر حریص ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان پر چار مصیبتیں نازل فرماتا ہے: قحط سالی، ظالم بادشاہ، خائن حاکم اور دشمنوں کی ہیبت۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الزہد والرقائق'' میں حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہما کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ :لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ هَمُّ أَحَدِهِمْ فِي بَطْنِهِ ،وَدِيْنُهُ هَوَاهُ (الزھد والرقائق لابن مبارک، باب فی طلب الحلال، رقم الحدیث:٦٠١) لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں آدمی کا اہم مقصد پیٹ پالنا ہوگا اور اپنی خواہش کے تحت چلنا اس کا دین ہوگا۔ ان احادیث پاک کے آئینے میں ہمارا چہرا اتنا واضح ہے کہ جسے ہر کوئی دیکھ اور پہچان سکتا ہے۔

دنیا کی محبت نے ہمیں کس قدر بزدل بنا دیا ہے یہ کسی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ ہم وہ قوم ہیں کہ جس کی بہادری کے کبھی چرچے ہوتے تھے لیکن آج ہم اپنے در و دیوار سے بھی وحشت زدہ ہیں۔ اپنے سائے تک سے ہم ڈر رہے ہیں۔ جن کی ہمارے سامنے کوئی حیثیت نہیں وہ ہمیں آنکھیں دکھاتے پھر رہے ہیں۔ اگر ہم کل بہادر تھے تو آج بزدل کیسے بن گئے؟ ایمان اور بزدلی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ مسلمان حق بات کہنے میں ہمیشہ دلیر ہوتا ہے۔ مسلمان ناانصافی برداشت نہیں کر سکتا۔ خوف و ہراس، بزدلی اور نامرادی کو دل سے نکالنے کے لیے ہمیں عیش وعشرت اور دنیا کی محبت سے دور ہونا ہوگا۔

آج ہم دیکھیں کہ کیا زندگی کا کوئی شعبہ ایسا ہے جو حرص دنیا کی زد سے محفوظ

ہے؟ چاہے وہ علما ہوں یا مشائخ، مدرسہ ہو یا خانقاہ، بندہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی، سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہیں۔ آج دین کے نام پر طلب دنیا، افتراق وانتشار اور فتنہ انگیزی جہاں اہل مدارس کا شیوہ بن چکا ہے۔ وہیں ہوس دنیا نکال کر اللہ ورسول کی محبت ڈالنے کے لیے جو ادارے قائم ہوئے تھے، وہ بھی دولت وشہرت اور مارکیٹنگ کی ہوڑ میں ایک دوسرے پر بازی مارنے میں لگے ہیں۔ جی ہاں میں ''خانقاہ'' ہی کی بات کر رہا ہوں۔ خانقاہیں تزکیہ نفس اور تعمیر انسانیت کی درس گاہیں تھیں مگر افسوس! آج ان خانقاہ نشینوں کی اکثریت کو مقاصد خانقاہ کی ہی خبر نہیں ہے۔ ان خانقاہوں میں اب اللہ ورسول کے تذکرے کم ہو رہے ہیں اور اپنے بزرگوں اور پیروں کی باتیں زیادہ ہو رہی ہیں تا کہ عقیدت میں بہہ کر سیدھی سادھی عوام اور بھولے بھالے لوگ زیادہ سے زیادہ ان کے دام میں آجائیں۔ بزرگوں کا نیاز کیش، ولیوں کی بارگاہوں کا خوشہ چیں، صوفیہ کی نظر عنایت کا متمنی، اہل اللہ کا عقیدت مند، بوریا نشینوں کا والی وشیدا اقبال جیسا شخص بھی ان کے جانشینوں کی حالت زار کو دیکھ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور پکار اٹھا ؎

رمز و ایما اس زمانے کے لیے موزوں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن
قم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

آج علما، حفاظ اور دین کے لیے کام کرنے والے حضرات بھی بے سروسامانی، حالات کی ستم ظریفی اور مالی پریشانیوں کا رونا رونے میں لگے ہیں۔ اور ایک بڑا طبقہ مساجد ومدارس کی خدمت سے دور ہوتا جا رہا ہے کہ یہاں نہ آمدنی ہے اور نہ ہی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں۔ ایسے حضرات کو نہیں بھولنا چاہیے کہ یہ راہ آسائشِ دنیا نہیں رضائے مولا

کی طرف جاتی ہے، یہ پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کی راہ ہے۔اگر آپ کو دنیا کی عیش وعشرت کی ضرورت تھی تو پھر اس طرف آئے ہی کیوں؟ اور جب آ گئے ہیں تو مکمل وقار وسنجیدگی اور تقوی و پرہیز گاری کے ساتھ خدمتِ دین کا فریضہ انجام دیں۔آپ کی قسمت میں جو کچھ ہوگا وہ چل کر آپ تک آئے گا۔اپنے رب کے فرمان پر دین کے خادموں کی نظر نہ ہوگی تو کس کی ہوگی! ہمارا رب فرماتا ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے بے شک اللہ اپنا پورا کام کرنے والا ہے، بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے)(الطلاق:۲۔۳)

ابھی گذشتہ دنوں جھارکھنڈ کے علاقے میں ایک امام مسجد نے قرض سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔اناللہ وانا الیہ راجعون

علما وائمہ کے ساتھ عام لوگوں نے بھی زور وشور کے ساتھ مسجد انتظامیہ کمیٹی کی مذمت کی، انھیں ذمہ دار ٹھہرایا اور علما وائمہ کی تنخواہوں کے حوالے سے قوم کی بے حسی کا شکوہ کیا۔مگر اس حرام موت کی بات نہ کے برابر ہوئی، آخر کیوں! زندگی کے جھمیلے سے گھبرا کر تو موت کی تمنا بھی جائز نہیں ہے: لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا، فَلْيَقُلِ: اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں کا کوئی (بھی) ہرگز مصیبت کی وجہ سے جو اسے دنیا میں پہنچتی ہے موت کی تمنا نہ کرے، بلکہ یہ کہے: ”اے اللہ! اس وقت تک مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے

بہتر ہو، اور اس وقت موت دیدے جب موت میرے لیے بہتر ہو"۔ (سنن نسائی:۱۸۲۱)

پھر خودکشی کی سزا تو بڑی سخت ہے، حدیث پاک میں ہے کہ "ایسے شخص کو اسی طرح سزا دی جائے گی جس طرح اس نے اپنے آپ کو قتل کیا ہوگا"۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر قتل کیا تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ گرتا رہے گا، اور جس نے زہر پی کر اپنے آپ کو قتل کیا تو جہنم کی آگ میں زہر ہاتھ میں پکڑ کر اسے ہمیشہ پیتا رہے گا، اور جس نے کسی لوہے کے ہتھیار کے ساتھ اپنے آپ کو قتل کیا تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور ہمیشہ وہ اسے جہنم کی آگ میں اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح:۳۴۵۳)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شخص جس چیز اور جس طرح سے خودکشی کرے گا آخرت میں اس کو ہمیشہ کے لیے اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ یہاں "ہمیشہ" سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ خودکشی کو حلال جان کر ارتکاب کریں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے، کیوں کہ یہ کفر کے زمرے میں ہوگا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو "ہمیشہ ہمیشہ" سے مراد یہ ہے کہ خودکشی کرنے والے مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جب چاہے معاف کر کے جنت میں داخل کر دے۔

اللہ کریم ایسے تمام حرام موت مرنے والے مسلمانوں کی مغفرت فرمائے اور جملہ مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے، آمین

بلاشبہ! ذمہ داران مساجد و مدارس کو اپنی قلیل تنخواہوں پر نظر ثانی کرنا چاہیے۔ جن کے پاس آمدنی کے ذرائع کم ہیں تو ان کی مجبوری سمجھ میں آتی ہے مگر بہت ساری جگہوں پر آمدنی کی کوئی کمی نہیں، وہ بلاوجہ ایک طرف توڑنے اور ایک طرف جوڑنے کا سلسلہ رکھتے ہیں مگر امام و مؤذن اور مدرسین کو اچھی تنخواہیں دینے یا ضرورت کے

وقت ان کا تعاون کرنے میں کمیٹی کے ذمہ داران کی جان جاتی ہے۔

مگر باوجود اس کے ''خودکشی'' جیسا جرم کسی بھی وجہ کر ہلکا نہیں ہوتا اور اس کا کسی بھی طرح دفاع نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ عام لوگوں کے اعتبار سے ایک عالم، حافظ اور امام کا جرم زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ سزا اور پکڑ بھی ان کی سخت ہے، آپ قوم کے مقتدا ہیں، مقتدا کا عمل جب ایسا ہوگا تو مقتدی کا حال کیا ہوگا!!۔ اس طرح کا عمل اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ کی ذات پر یقین میں کمی ہے، صحیح تربیت کا فقدان ہے، قرآن وحدیث پڑھا تو گیا ہے مگر اسے سمجھا نہیں گیا، جن کا کام دوسروں کو فعل حرام سے بچانا ہو، نصیحت کرنا ہو، وظیفہ بتانا ہو، دعائیں سکھانی ہوں اور اللہ جل شانہ سے جوڑنا ہو اگر وہ ہمت چھوڑ دے، گھبرا کے مرجائے یا مرنے کی تمنا کرے تو پھر حضرت ابراہیم ذوق دہلویؔ کی زبان میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

اس لیے رزق کی تنگی کا خوف دنیاداروں کو ہوتو ہو، دین دار کہلانے والے طبقے کو اس کا غم زیب نہیں دیتا۔

تا کجا بے غیرتِ دیں زیستن
اے مسلمان! مُردن است ایں زیستن

(یعنی غیرتِ دین کے بغیر زندگی کہاں تک ممکن ہے اے مسلمان یہ زندگی نہیں بلکہ موت ہے۔)

جیسی عوام ویسے حکمران

اللہ و رسول کی کھلم کھلا نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی بنیاد پر ظالم و جابر حکمران کا قوم پر مسلط ہونا غضب الٰہی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ وہ کون سی برائی ہے جو ہم میں نہیں!! جھوٹ و فریب، مکر و دجل، حرص و بخل، ریا و دکھاوا، نشہ و زنا، سود و رشوت، ظلم و زیادتی، قتل و غارت گری، غداری و مفاد پرستی، علاقائی تعصب، ذات پات کی لعنت، مسلکی و مشربی فرقہ بندی، دین کے نام پر فتنہ و فساد اور وہ کون سا خلافِ انسانیت کام ہے جس میں آج کا مسلمان ملوث نہیں بلکہ تمام لغویات و فضولیات میں مسلمان دوسری قوموں کے مقابلے میں سرفہرست نظر آتا ہے۔ جناب اقبالؔ نے سچ کہا تھا ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

دنیا بھر کے غیر مسلم مفکرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ دنیا کا سب سے بہترین نظام، نظام اسلام ہے اور بدترین قوم، قومِ مسلم۔ مسلمانوں کے گھر میں صاف و شفاف میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے مگر افسوس! یہ غیروں سے گدلے اور کھارے پانی کی بھیک مانگ رہی ہے۔ جس فحاشی و عریانیت سے اہل مغرب تنگ آچکے ہیں اور اس سے جان چھڑانا چاہتے ہیں وہیں دوسری جانب ان ہی حیا سوز حرکتوں کو مسلمان بہت شوق سے اپنا رہے ہیں۔ ایسی قوم کے لیے ہی یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي

النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (الروم:۴۱) یعنی: خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں سے کی ہوئی بداعمالیوں کے سبب فساد پھیل گیا، تا کہ اللہ انھیں ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھائے، شاید وہ باز آجائیں“۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا: وَمَآ أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (الشوریٰ:۳۰) ”اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ مصیبت اور فساد کا سبب خود انسان کے اپنے کیے ہوئے بُرے اعمال ہیں، اور یہ بات بھی واضح طور پر سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر بُرے اعمال نہ ہوں تو یہ مصائب، آفات اور فسادات وغیرہ بھی نہ ہوں گے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ” نافرمانی سببِ پریشانی اور فرماں برداری سببِ سکون ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (یعنی میرے قبضہ قدرت میں ہیں) لہٰذا جب میرے بندے میری اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (ظالم) بادشاہوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (عادل و نرم خو) بادشاہوں کے دلوں کو غضب ناکی اور سخت گیری کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ (بادشاہ) ان کو سخت عقوبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لیے (ایسی صورت میں) تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لیے بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو، بلکہ (میری بارگاہ میں تضرع وزاری کر کے اپنے آپ کو (میرے) ذکر میں مشغول کرو، تا کہ میں تمہارے ان

بادشاہوں کے شر سے تمہیں بچاؤں۔ (رواہ ابونعیم فی ''الحلیۃ'' مشکاۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو اچھوں کو ان پر مقرر کرتا ہے اور کسی سے برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو بروں کو ان پر مقرر فرماتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جو قوم ظالم ہوتی ہے اس پر ظالم بادشاہ مقرر کیا جاتا ہے تو جو اس ظالم کے پنجۂ ظلم سے رہائی چاہیں انہیں چاہئے کہ ظلم چھوڑ دیں۔ (خازن، الانعام، تحت الآیۃ: ۱۲۹، ۲/۵۶)

امام بیہقی نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کا بادشاہ اس زمانہ والوں کے دلوں کے حالات کے مطابق بھیجتا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۱۰ھ) کا یہ مشہور قول ہے: ''عُمَّالُکُمْ اَعْمَالُکُمْ، کَمَا تَکُونُوْنَ یُوَلّٰی عَلَیْکُمْ'' (رواہ الدیلمی) یعنی تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا عکس ہیں۔ اگر تمہارے اعمال درست ہوں گے تو تمہارے حکمران بھی درست ہوں گے، اگر تمہارے اعمال خراب ہوں گے تو تمہارے حکام بھی خراب ہوں گے۔ یعنی جیسی عوام ہوگی ویسے ہی حکمران ہوں گے۔

حضرت منصور ابن الاسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۴۸ھ) سے اس آیت '' وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (انعام: ۱۲۹) اور یوں ہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں۔ کے بارے میں پوچھا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے اس بارے میں سنا ہے کہ: جب لوگ خراب ہوجائیں گے تو ان پر بدترین حکمران مسلط ہوجائیں گے''۔

اس آیتِ مبارکہ میں ظلم کرنے والوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔ چنانچہ معروف مفسر قرآن سیدنا اسماعیل حقی رحمہ اللہ (م: ۱۱۲۷ھ) اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے

ہیں: یعنی جس طرح ہم نے جنوں اور انسانوں کو رسوا کیا یہاں تک کہ انھوں نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا اسی طرح ہم ظالموں میں سے ایک کو دوسرے پر ان کے اعمال کی وجہ سے مسلط کر دیتے ہیں اور ظالم کی ظالم کے ذریعے پکڑ فرماتے ہیں۔

(روح البیان، الانعام، تحت الآیۃ:۱۲۹، ۳/ ۱۰۴)

اس آیت کریمہ میں ظلم کرنے والوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر وہ اپنے ظلم سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان پر دوسرا ظالم مسلط کر دے گا جو انہیں ذلیل وخوار اور تباہ و برباد کر دے گا۔ علمائے تفاسیر کے مطابق اس آیت میں ہر قسم کے ظالم داخل ہیں، وہ شخص جو گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، جو حاکم یا افسر عوام یا اپنے ماتحتوں پر ظلم کرتا ہے، جو تاجر جعلی اشیا اور ملاوٹ والی چیزیں فروخت کر کے خریداروں پر ظلم کرتا ہے، جو امرا اور اہل ثروت زکات وخیرات کی صحیح ادائیگی نہ کر کے فقرا ومساکین پر ظلم کرتے ہیں، جو لڑکے والے جہیز کے بوجھ تلے داب کر لڑکی والوں پر ظلم کرتے ہیں، جو باپ اور بھائی اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو وراثت سے محروم کر کے ظلم کرتے ہیں، جو علما امت میں افتراق وانتشار پھیلا کر عام مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، جو سماج ومعاشرے میں اپنے کردار وعمل سے دہشت ووحشت پھیلا کر ظلم کرتے ہیں، اسی طرح جو چور اور ڈاکو مسافروں اور شہریوں سے لوٹ مار کر کے ان پر ظلم کرتے ہیں یہ سب ظالم کی صف میں شامل ہیں، ان تمام پر اللہ تعالیٰ کوئی ان سے بڑا ظالم مسلط کر دیتا ہے۔

یہ سمجھانے کے لیے چند مثالیں دی گئیں ورنہ ظلم کی تعریف یہ کی گئی ہے ”الظلم ھو وضع الشئی فی غیر موضعہ“ یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ کے علاوہ کہیں اور رکھنا۔ (التعریفات للجرجانی، باب الظاء، ص:۱۰۲) اس تعریف کی روشنی میں ہر شخص کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ اس نے کس پر، کہاں اور کس طرح ظلم کیا ہے اور کر رہا ہے۔

مسلمانوں نے اس ملک پر صدیوں حکومت کی مگر پھر نظام خداوندی کی خلاف ورزی نے ان کے اقبال کا سورج غروب کر دیا۔ جہاں ایک طرف صوفیائے کرام غربا، مساکین، مسافرین اور ضرورت مندوں کے لیے بلاتفریق دین و مذہب دسترخوان بچھا رہے تھے اور انھیں گلے لگا رہے تھے وہیں دوسری طرف ہمارے امرا، رؤسا، حکام، نوابین اور زمین داروں نے بھی دلتوں، آدی واسیوں، ہریجنوں جیسی قوموں کے ساتھ جنھیں برہمن وادیوں اور اونچی ذات کے کہے جانے والے ہندوؤں نے شودر اور اچھوت بنا رکھا تھا، انھیں کی طرح کا غیر انسانی اور غیر اسلامی طرز عمل اپنا لیا تھا۔ اس جرم اور ظلم کی سزا تو مسلمانوں کو ملنی تھی۔ قلعے مکینوں کی نہیں بلکہ مکین قلعے کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفرؔ نے اگر اونچی دیواروں کو اپنا محافظ اور شاہی قلعے کو پناہ گاہ تصور نہ کر لیا ہوتا تو رنگون کے قید خانے میں انھیں اپنی بے بسی کا یوں ماتم نہ کرنا پڑتا؎

یا زیب گلستاں تھے یا ننگ قفس ہیں ہم
اک وہ بھی زمانہ تھا اک یہ بھی زمانہ ہے

خلاصہ کلام یہ کہ عوام الناس کے ساتھ حکمرانوں کے رویے کا تعلق باطنی طور پر لوگوں کے اعمال و کردار سے ہوتا ہے۔ اگر عوام اللہ و رسول کی اطاعت و فرماں بردار رہتی ہے تو ان کا ظالم حکمران بھی ان کے حق میں عادل نرم خو اور شفیق بن جاتا ہے اور اگر رعایا کے لوگ اللہ کی سرکشی و طغیانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات عام طور پر بدکرداری کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو پھر ان کا عادل و نرم خو حکمران بھی ان کے حق میں غضب ناک اور سخت گیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حکمران کے ظلم و ستم اور اس کی سخت گیری و انصافی پر اس کو برا بھلا کہنے اور اس کے لیے بدعا کرنے کی بجائے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ایسے حالات میں اپنی بداعمالیوں پر ندامت کے ساتھ توبہ استغفار کیا جائے،

اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی وزاری کے ساتھ التجاو فریاد کی جائے اور اپنے اعمال و اپنے معاملات کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع کر دیا جائے۔ ورنہ دنیا کی کوئی حکومت آجائے مسلمانوں کے حالات نہیں بدلنے ہیں۔

آج جب کہ تباہی وہلاکت ہمارے دروازے پر دستک دے رہی ہے مگر افسوس اب بھی ہم راز حیات نہ پاسکے۔ ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آرہی ہے۔ ہم یہ کب سمجھیں گے کہ ہمارے درد کا علاج یوروپ وامریکہ کے پاس نہیں بلکہ اس مرض کی دوا تو مدینہ ونجف کے شفاخانوں میں ہے۔ علامہ اقبالؔ نے ارض یوروپ کی سیاحی کے بعد بڑے فخر سے کہا تھا ؎

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ ونجف

علامہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں میں مدینہ طیبہ اور نجف اشرف کی خاک کا سرمہ لگایا ہے۔ اس لیے فرنگیوں (انگریزوں) کے فلسفہ اور سائنس کے جلوہ سے میری نظر میں چکا چوند (خیرگی) پیدا نہیں کرسکتی یعنی میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاص فیض یافتہ حضرت مولیٰ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کی تعلیمات کا پیرو ہوں اس لیے مغربی افکار ونظریات اور علوم وفنون مجھے متاثر نہیں کر سکتے۔

اگر آج ہم محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اپنا سرِ نیاز خم کر دیں تو ہماری ذلت عزت میں، پستی بلندی میں، مرض شفا میں، غمی خوشی میں اور زوال کمال میں بدل سکتا ہے۔ کارکنانِ قضاوقدر پکار پکار کہہ رہے ہیں ؎

حسن تدبیر سے جاگ اٹھتا ہے قوموں کا نصیب
کبھی تقدیر بدلتی نہیں ارمانوں سے

زوال اندلس اور سرزمین ہند

زوال ''اندلس'' تاریخ اسلام کا ایک انتہائی المناک باب ہے۔اسے ماضی میں ہسپانیہ اور آج اسپین کہا جاتا ہے اور مسلم دور حکومت میں ''اندلس'' کے نام سے وہ چہار دانگ عالم میں مشہور تھا۔اس عظیم خطہ ارضی کو مسلمانوں نے اپنی نا اہلی، باہمی نا اتفاقی اور اغیار کی بھر پور کوششوں اور سازشوں کی وجہ سے عرصہ دراز حکومت کے بعد اپنے ہاتھوں سے کھویا۔یہ کوئی ایسا سانحہ نہ تھا جسے آسانی سے بھلایا جاسکے،اور اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانان اندلس پر صلیبیوں کی جانب سے ڈھائے جانے والے غیر انسانی اور وحشیانہ مظالم، جبری تبدیلی مذہب، اور جلاوطن وہلاک کردیئے جانے کے واقعات نے مزید اندوہناک بنادیا،عرب شاعری میں اس سانحہ پر بہت سے مرثیے کہے گئے۔شاعر مشرق علامہ اقبال بھی دورۂ اسپین میں ''اسلامی اندلس'' کے آثار دیکھ کر درد سے کراہ اٹھے ؎

ہسپانیہ تُو خُونِ مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرم پاک ہے تُو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے ولیکن
تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضَر میں

مسلمانوں نے ۷۱۲ء سے ۱۴۹۲ء تک یعنی ۷۸۰ ربرس اس ملک پر حکمرانی کی ہے۔آج بھی اسپینی زندگی کے ہر پہلو پر اسلام کی چھاپ صاف دکھائی دیتی ہے۔

مگر وہاں مسلمانوں کا وجود نہ کے برابر ہے۔ ۷۱۱ء میں مسلم افواج نے مجاہد اسلام ''طارق بن زیاد'' کی قیادت میں بحری جہازوں پر سوار ہو کر اسپین پر اپنے فتح کے جھنڈے لہرائے تھے۔ جس ساحل پر مسلمان فوجیں اتریں اسے ''جبل الطارق'' کے نام سے موسوم کیا گیا ،تاہم بعد میں انگریزوں کے تعصب نے اس کو بدل کر ''جبرالٹر'' کر دیا۔ اسپین پر حملے کے وقت ''طارق بن زیاد'' نے اپنی فوج کو جو حکم دیا اسے تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھا گیا۔ ساحل پر اترنے کے بعد اس نے تمام جہازوں کو نذر آتش کروا دیا اور اپنے خطاب میں کہا: ''اب واپسی کے راستے مسدود ہو چکے ہیں، لڑو اور فتح یا شہادت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرو''۔ اس کے بعد مسلمانوں کے لشکر نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہسپانوی افواج کو شکستِ فاش ہوئی۔ ان مہمات میں ''طارق بن زیاد'' مقدمۃُ الجیش کے طور پر آگے آگے اور ''موسیٰ بن نُصَیر'' فوج کو ساتھ لیے ان کے پیچھے پیچھے ہوتے تھے۔ اس طرح جنوب سے شمال کی طرف پیش قدمی جاری رہی اور تقریباً شمال مشرقی اندلس کا یہ سارا علاقہ فتح ہوتا چلا گیا ؎

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی

عروج کی ایک جھلک

ان علاقوں میں افریقی مسلمان آباد کیے گئے اور اس طرح اسلامی تاریخ ہی نہیں بلکہ پورے یورپ کی ترقی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ اسپین پر مسلمانوں کی فتح کے بعد اس خطے کی قسمت جاگ اُٹھی۔ یہاں تعلیم کی روشنی پھیلی اور ایک وقت ایسا آیا کہ اسپین خوبصورتی، تعلیم اور فن وثقافت کا مرکز بن گیا۔ یہاں کے عظیم الشان جامعات نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ غیر مسلموں کے لیے بھی علم وہنر کے دروازے کھول دیئے۔ ساری

دنیا سے مختلف مذاہب کے طلبہ نے یہاں آکر اپنی علمی تشنگی بجھائی اور علوم وفنون کا انمول خزانہ لے کر اپنے وطن میں جاکر تقسیم کیا۔اسپین کی دھرتی سے نامور مسلم موجدین، سائنسدان اور اطبانے بھی جنم لیا جو جدید ترقی یافتہ دور کی بنیاد بنے۔ابوالقاسم زہراوی (سرجری کا بانی)، ابن رشد، ابن حزم، ابن زہر ابن طفیل، امام قرطبی اور دیگر سیکڑوں علما،فضلا اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

اسلامی ''اندلس'' کے بارے میں امریکہ کا صف اول کا مصنف واشنگٹن ارونگ کہتا ہے: Irving Washington Spain was a region light amid Christian Europe، externally a warrior power fighting for existence; internally a realm devoted to literature، science and the arts

(Alhamara، 1983 edition، page 255، Boston)

ذرا غور فرمائیں: سرزمین اندلس میں سب سے پہلی بار کسی انسان نے گلائیڈر سے ہوا میں اڑنے کی کوشش کی، اندلس سے ہی عربی ہندسوں کا تعارف یورپ میں ہوا، کاغذ کا تعارف بھی یورپ میں یہاں سے ہوا، دنیا کی سب سے بڑی لائبریری یہاں پر تھی، تقابلی مطالعہ ادیان عالم پر سب سے پہلی کتاب یہاں پر لکھی گئی، سرجیکل انسٹرو مینٹس یہاں پر سب سے پہلی بار بنائے گئے، ٹوتھ برش اور ٹوتھ پیسٹ یہاں پر ایجاد ہوئی، وہ طبیب جس نے سب سے پہلی بار آنکھ کے retina (دیکھنے والا پردہ) کا صحیح سائنسی فنکشن بیان کیا وہ قرطبہ کا قاضی اور طبیب ابن رشد تھا، اور وہ اندلس کا طبیب ابن الخطیب ہی تھا جس نے سب سے پہلی بار طاعون کے contagious (متعدی) ہونے کا ذکر اپنی کتاب میں کیا تھا۔آٹھویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک اسلامی

تہذیب دنیا کی سب سے روشن اور ایڈوانس تہذیب تھی جس کے مقابلہ میں یوروپ جہالت کے دور سے گزر رہا تھا۔قرطبہ پانچ سوسال تک یوروپ کا علمی اور ثقافتی اور سیاسی مرکز رہا۔شہر کے اندر ۷۳ر کتب خانے تھے،لاتعداد کتب فروش،آٹھ سو پبلک حمام،اور چھ سو مسجدیں تھیں۔نیز یہاں ۱۵۰ر ہسپتال۔۶۰۰ر سرائے،اسی ہزار دکانیں،ایک لاکھ تیس ہزار مکان اور دس ہزار عالی شان عمارتیں تھیں۔

سرمایہ دار طبقہ اپنے گھروں کے نام کچھ یوں رکھا کرتے تھے

"Garden of Wonder، Vale of Paradise." شہر کی آبادی دس لاکھ کے قریب تھی۔شہر کے قریب جو دریا وادی الکبیر بہتا تھا اس پر مکئی کو پیسنے کے لیے پانچ ہزار ملیں تھیں۔شہر میں ہر طرف ہرے بھرے دلفریب باغات ہی باغات تھے جن کی لمبائی بیس میل تھی شہر کے پاس ایک پہاڑی پر اتنے پھول لگائے گئے تھے کہ اس کا نام پھولوں والی پہاڑی تھا۔

یورپ میں قرطبہ سب سے پہلا شہر تھا جہاں سڑکوں پر روشنی کا انتظام اتنا اچھا تھا کہ رات کے وقت انسان دس میل تک بڑے آرام سے چہل قدمی کر سکتا تھا۔یہ دسویں صدی کی بات ہے جبکہ لندن میں سات سو سال بعد سڑکوں پر روشنی کے لیمپ لگائے گئے تھے اور پیرس میں لوگ کیچڑ میں چلا کرتے تھے۔

تاریخ اندلس میں ہے کہ:عبدالرحمن سوم کے دور میں عموماً دسمبر اور جنوری کی سرد شاموں میں دارالحکومت طلیطلہ (ٹولیڈو:Toledo) میں علما کی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ایک مجلس میں تیس یا چالیس علما جن میں مختلف علوم پر دسترس رکھنے والے علما ہوتے تھے جن میں فقہ،حدیث طب شامل تھے۔ان میں بڑی تعداد ان علما کی ہوتی تھی جو مفسر اور شیخ الحدیث ہوتے تھے۔ایک کمرے میں جمع ہوتے جہاں قد آدم کے برابر انگیٹھی درمیان میں رکھی جاتی۔دیواروں کو

پھولدار پودوں سے مزین کیا جاتا سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات، احادیث اور بعض جدید و دلچسپ قصائد پڑھے جاتے اور ان پر خوب بحث ہوتی تھی اسی دوران عطریات تقسیم ہوتے اور عرق گلاب بھی مہمانوں پر چھڑکا جاتا تھا۔علم وادب کی مجلس سے فراغت کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا تھامختلف طعام بھیڑ مچھلی کا گوشت بریان روغن اس دسترخوان پر سجے ہوتے تھے بعد کھانے کے دودھ سے بنی مشروبات اور مٹھائیاں تقسیم ہوتی تھیں۔

اسپین میں مسلمانوں کی بے شمار تعمیرات میں سے دو قابل ذکر تعمیرات ''قصر الحمرا'' اور ''مسجد قرطبہ'' تھیں۔قصر الحمرا مسلمان خلفا کی رہائش گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، جسے عیسائیوں نے فتح کے بعد عیسائی شاہی خاندان کی جائے رہائش بنا دیا۔عظیم اور خوبصورتی کا شاہکار مسجد قرطبہ اُس وقت اسلامی دنیا کی سب سے عالیشان مسجد تھی، بعد ازاں اسے بھی گرجا گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔

مسلمانوں کی علم دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسپین میں مسلمانوں کے زوال کے بعد ۳۰۰ر سال تک جرمنی، اٹلی اور فرانس کے شاہی درباروں میں مسلمانوں کی تدوین کردہ کتب کے یورپی زبانوں میں ترجمے ہوتے رہے۔اس کے باوجود اندلس میں کتب خانوں کے تہہ خانے مزید کتابوں سے بھرے پڑے تھے جنہیں ہاتھ تک نہ لگایا جا سکا۔جناب اقبال نے دو یوروپین لائبریری میں ان ہی کتابوں کو دیکھ کر کہا تھا ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سپارہ

سانحۂ زوال

بتایا جاتا ہے کہ اندلس کی فتح کے وقت مسلمان صرف ۱۲ر ہزار تھے اور صلیبیوں

نے جب مسلمانوں کو اندلس سے نکالا تب صرف غرناطہ میں ۱۰ ر لاکھ مسلمان تھے۔ ایک خاص قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اسپین سے اسلام کی زوال پذیری کے وقت ساری مہذب دنیا پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی، عثمانی ترکوں نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کرلیا تھا اور سارے جزیرہ نما بلقان پر حکمرانی کررہے تھے، مصر پر طاقت ور خاندان غلامان کی حکمرانی تھی، ایران، عباسی حکمرانوں کے تحت اپنے سیاسی عروج پر تھا اور بھارت میں مغلوں کی بادشاہت تھی۔ اس کے باوجود اسپین سے اسلام کا صفایا کردیا گیا اور ان عظیم مسلم افواج میں سے کسی نے بھی اسپین کے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔

بھارت ہی کی طرح اسپینی مسلمان بھی تین شناختیں رکھا کرتے تھے ایک اصل عربوں کی نسل، دوسری عرب باپوں اور اسپینی ماؤں کی نسل اور تیسرے عیسائیت ترک کرکے اسلام قبول کرنے والے۔ جب اسپین میں مسلمانوں کا زوال شروع ہوگیا تب تک ان میں اس نسلی تفریق کو بہت نمایاں کردیا گیا تھا۔ اصل عربوں کی نسل نے جب یہ دیکھا کہ اسپین میں اب ان کا وجود محال ہوگیا ہے تو وہ اپنی جانوں کو بچانے کے لیے مال و دولت چھوڑ کر تیونس اور مراکش کا رخ کرنے لگے مگر ان کی اکثریت عیسائی لشکروں کے حملوں میں دوران سفر ہی ہلاک کردی گئی اور جن عربوں نے اسپین میں ہی رہنے کو ترجیح دی تھی وہ بعدازاں اسپین کے غارت گر قرار دے دیئے گئے اور ان پر مظالم ڈھائے گئے۔ اسپینی ماؤں اور عیسائیت ترک کے اسلام قبول کرنے والوں نے شاہ فرڈینڈ کے اس اعلامیہ پر کہ کامل مذہبی آزادی کی ضمانت دی جاتی ہے، اعتبار کرتے ہوئے اسپین میں ہی بسے رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ عیسائیت ترک کرکے اسلام قبول کرنے والوں کی نسلوں کو یہ باور کراتے ہوئے کہ ان کے اجداد کو جبراً مسلمان بنایا گیا تھا دوبارہ عیسائیت قبول کرلینے کی ترغیب دی گئی اور قائل کروایا گیا کہ اب کوئی جبر نہیں ہے اس لیے انھیں عیسائیت میں

دوبارہ واپس آجانا چاہیے۔ مسلم، عیسائی نسب کے حامل مسلمانوں کو حرامی قرار دیا گیا اور استہزا کا شکار بناتے ہوئے انھیں بھی عیسائیت قبول کر لینے کی ترغیب دی گئی۔ اسلامی طریقہ کے مطابق انجام پانے والے نکاحوں کو عدالتی حکام کے پاس اندراج کروانے کا پابند بنایا گیا۔ مسلمانوں کی معیشت کو تباہ کرنے ان کے گھروں اور دوکانوں کو ندر آتش کیے جانے کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے عیسائیت قبول کر لینے کی جھوٹی تقریبات منعقد کی گئیں اور ان کی خوب تشہیر کی گئی تا کہ مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے کے لیے آمادہ کیا جائے۔ کئی مساجد کو یا تو مسمار کر دیا گیا یا پھر انہیں گرجا گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ منصوبہ بند انداز میں مساجد سے منسلک مدارس کو نصابی اور عمومی مضامین کی تدریس سے باز رکھا گیا۔ تاریخ کے مضامین بناوٹی تھے جن کے ذریعہ مسلم حکمرانی کو جارحیت پر محمول کیا گیا۔ اسپین کے ترقی میں مسلمانوں کی حصہ داری کو تسلیم کرنے سے احتراز کیا گیا۔ ہتھیار چھپائے رکھنے اور خفیہ اجلاس کرنے کے الزامات کی آڑ میں پولیس کی جانب سے مسلمانوں کے گھروں کو مستقل تلاشی کا نشانہ بنایا گیا۔ ان مسلمانوں کی بعد کی نسلیں ان کے ساتھ روا امتیازات اور جبر سے عاجز آ کر بالآخر اسلام سے متنفر ہونا شروع ہوگئیں اور رفتہ رفتہ مروجہ طور طریقوں میں ڈھل کر اسلام سے دور ہوگئی۔ پھر وہ زمانہ بھی آیا جب اسپین میں باعمل مسلمان یا یوں کہہ لیں کہ حقیقی مسلمان ناپید ہوگئے۔ آج اسپین کی سرزمین پر اسلامی نام والے مسلمان تو مل جائیں گے مگر انھیں اس کی کچھ خبر نہیں کہ اس نام کا معنی کیا اور ان کی اپنی تاریخ کیا ہے!!

عہد حاضر کے مسلمان، اسپین میں اسلام کے زوال کی تاریخ اور سازش سے بالکل ناواقف ہیں۔ یہ لکھتے اور بولتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ آج اپنے وطن ''ہند'' میں اسی ''اندلس'' کی تاریخ دوہرائی جارہی ہے۔ اسی طرح کے سازشی جال

بچھائے جارہے ہیں۔اسی نہج پر مکمل کام ہورہا ہے۔اسی طرح سے ہمارے دشمن قدم بقدم کام کرتے ہوئے تقریباً آخری اسٹیج پر پہنچ گئے ہیں۔مسلمانوں کی پیٹھ بالکل دیوار سے لگادی گئی ہے۔مسلم قوم کے ذمہ داران نے دشمنوں سے ہاتھ ملا لیے ہیں۔اپنے حق کی آواز بلند کرنے والوں مسلم جیالوں کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا ہے۔ذمہ داران قوم کی اکثریت نے قید و بند کی صعوبتوں سے ڈر کر اپنے منہ سل لیے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان جاسوس، غدار، اور آپسی منافرت کی بیج بونے والوں کو پھیلا دیا گیا ہے۔یوں تو یہ سب اسلام کی بات کرتے نظر آرہے ہیں مگر حقیقتاً وہ اسلام اور اہل اسلام کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔بظاہر ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا معلوم ہوتا ہے ۔

اب خدا ہی میری کشتی کو بچائے تو بچے
ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے ویرانوں کی

مگر ایمان والوں کی یہ شان نہیں کہ وہ مایوسی و نامرادی کے شکار ہوں۔مومنین شر میں خیر کے پہلو تلاش کرتے ہیں۔وہ آخری دم تک جدو جہد کر کے اپنے معاملات اللہ جل شانہ کے سپرد کر دیتے ہیں۔نواسۂ رسول سیدنا امام عالی مقام حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کے پر پوتے حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م:۱۴۸ھ) کا یہ قول کہیں یہ نظروں سے گزرا تھا، کہتے ہیں کہ: ’’مجھے اس شخص پر تعجب ہے جس کے خلاف لوگ چالیں چلتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو یاد نہیں کرتا: وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ (المومن:۴۴)

میں اپنا سارا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

رات کے بعد نئے دن کی سحر آئے گی
دن نہیں بدلے گا تاریخ بدل جائے گی

اس لیے پوری ہمت اور جواں مردی کے ساتھ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے میدان عمل میں اترنے کی ضرورت ہے۔ اسپینی مسلمانوں نے جو غلطیاں کی تھیں ان کے اعادے سے بچنا بہت ضروری ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو چند ملی قیادتوں کے فریب کا شکار ہوئے بغیر ایسی حکمت عملی اختیار کرنی ہوگی کہ ہمارا اسلامی تشخص بھی برقرار رہے اور وطن عزیز کی تعمیر میں ہم نمایاں کردار بھی ادا کر سکیں۔ ہمیں ایسی قومی، ملی تنظیموں اور افراد کے جھانسے سے بچنا بہت ضروری ہے جو اپنی آسائش کے لیے حکمت اور مصلحت کے نام پر دین اور ملت کا سودا کر رہے ہیں۔ زوال اندلس میں یہ پیغام نوشتہ دیوار ہے کہ جب تک مسلمان متحد رہیں گے، کوئی طاقت ان کا بال بیکا نہیں کر سکتی، لیکن جب ان کی صفوں میں دراڑ پڑ جائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت انھیں عروج واستحکام نہیں بخش سکتی۔

اس خوش فہمی میں کسی کو نہیں رہنا چاہیے کہ یہ مسلم دشمن حکومت کی غلامی کر کے وہ محفوظ رہے گا اور اس کو پھلنے پھولنے کے مواقع حاصل ہو جائیں گے؟ ہرگز نہیں! اندلس کی تاریخ یاد دلاتی ہے کہ وہ سب سے پہلے مارا جائے گا کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو اپنی قوم کا نہیں ہوا وہ ہمارا کیا ہوگا۔ خود اس حکومت میں اس کی نہ جانے کتنی مثالیں موجود ہیں، جو کل تک بہت کچھ تھے آج بے وقعت بنے پھر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر وہ بندہ جو ایمان کا دعوے دار ہے خود کا محاسبہ کرے اور اپنے اسلاف کی تاریخ سے سبق حاصل کرے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

آج ملتِ اسلامیہ اپنی تاریخ کے انتہائی نازک ترین دَور سے گزر رہی ہے۔ طاغوتی طاقتیں اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت اسے صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے صف آرا ہو چکی ہیں۔ آج قومِ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزندوں میں مسلکی، نسلی اور لسانی تعصّبات کو ہوا دے کر ان کی ملّی وحدت کے عظیم الشان قصر میں نقب لگانے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ فرقہ واریت، علاقائیت، نظام ذاتیات اور دیگر عصبیتوں کو اچھال اچھال کر انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنایا جا رہا ہے۔

تاریخ کے اس نازک موڑ پر ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہمارے اوجِ ثریا سے قعرِ مذلت تک پہنچنے کے کیا اسباب ہیں؟ ہم جو کبھی رہروانِ قافلۂ حجاز تھے اب بھٹکے ہوئے آہو کی طرح مارے مارے کیوں پھر رہے ہیں؟ ان سوالات کے جوابات کے لیے تاریخ عالم پر ایک سرسری نگاہ ڈالیے۔ ہمیں یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں نظر آئے گی کہ جو قومیں تشکک و افتراق کا شکار ہو گئیں، ان کی عظمت کا سورج کو گہن لگ گیا، محکومی ان کی قسمت میں لکھ دی گئی اور زوال ان کا مقدر ٹھہرا۔ خلافتِ عباسیہ کا شیرازہ منتشر ہونے کی دیر تھی کہ ہلاکو خان نے اس کی بنیادوں کو اکھاڑ کر رکھ دیا۔ مغلیہ سلطنت میں انتشار کی ہوا کیا چلی، برطانوی سامراج نے اسے اپنے آہنی شکنجے میں جکڑ لیا اور تیموری جاہ وجلال کی ٹمٹماتی شمع ہی گُل کر دی۔

لیکن مقامِ افسوس ہے کہ آج مسلمانانِ عالم تاریخ کے ان عبرت ناک سانحات سے کوئی سبق نہیں لے رہے ہیں۔ ان کی موجودہ پستی اور بے بسی کا سبب یہی ہے کہ وہ اس سرمدی پیغام کو بھول رہے ہیں جس نے انہیں محبت واخوت کے ابدی رشتوں میں جکڑ دیا تھا

اور انہیں ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیوں کی صورت میں پرو دیا تھا۔ چشمِ فلک گواہ ہے کہ چودہ سو برس قبل صحرائے عرب کی تپتی ہوئی ریت سے ایک قوم ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' کا سرمدی پیغام لے کر بگولے کی طرح اُٹھی اور طوفان بن کر پوری دنیا پر چھا گئی۔ وہ جہالت کی اتھاہ تاریکیوں سے نکل کر تہذیب وتمدن کے جگمگاتے ایوانوں میں جا پہنچی اور دنیا میں علم وادب کی شمع بردار بن گئی۔ اس کے ہاں بندہ وآقا کی تمیز بے معنی ہوگئی۔ رنگ ونسل اور حسب ونسب کا امتیاز مٹ گیا۔ عزت ووقار کا معیار تقویٰ اور صرف تقویٰ قرار پایا ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم!
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

(ہم نہ افغان ہیں نہ ترک اور تاتاری، ہم تو چمن کی آل ہیں اور ایک ہی شاخ سے ہیں۔ رنگ اور بو کی تفریق ہم پر حرام ہے کیونکہ ہم ایک ہی بہار (اسلام) کے پالے ہوئے ہیں)

لیکن آج جب ہم عالم اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ احساس کی لہریں مجسم بن کر سوال پوچھتی ہیں کہ کیا ہم اسی قوم کے فرزند ہیں جسے ''خیر الامت'' کے لقب سے سرفراز کیا گیا تھا؟ آج ہماری غیرت وحمیت کو کیا ہوا کہ دوسروں کی دریوزہ گری کو اپنا شعار بنا چکے ہیں؟ دوسروں کی ذہنی غلامی کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں۔ اور پھر جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو اقبالؔ کی روح متاعِ کارواں کے لُٹ جانے پر ماتم کناں نظر آتی ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

درس اتحاد امت: قرآن کی روشنی میں

وہ دین اسلام جس نے افتراق وانتشار کا خاتمہ کیا، نفرت وتعصب کو ملیامیٹ کیا اور قدم قدم پر الفت ومحبت کے چراغ جلائے، آج اس کے دعویداروں نے اپنے کردار وعمل سے اسی اسلام کو رسوا کردیا ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اللہ ورسول نے امت کو جس اخوت واتحاد کا درس دیا ہے اس تصور کے بغیر دین کا تصور بھی مکمل نہیں ہوتا۔ عرب جو ہمیشہ لڑتے تھے، جیسے ہی نور ایمان کی شعائیں ان کے دلوں پر پڑیں، کفر کی ساری سیاہیاں ختم ہوگئیں اور آپس میں ایسے شیر وشکر ہوئے کہ ضرب المثل بن گئے۔

(۱) قرآن مجید نے ان کے اتحاد کی تعریف کی اور فرمایا: هُوَ الَّذِيٓ أَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ. وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً مَّآ أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ (انفال:۶۳) ''اللہ ہی نے اپنی اور مسلمانوں سے آپ کو طاقت دی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کردی، اگر آپ دنیا وجہاں کی تمام دولت بھی لٹا دیتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ ہوتی مگر اللہ نے الفت پیدا کردی''۔

(۲) قبل اسلام مدینے کے دو قبائل ''اوس اور خزرج'' کی دشمنیاں مشہور تھیں۔ دخول اسلام کے بعد ایمان کی حرارت نے ان کے دلوں کو نرم بنا کر ایک کردیا۔ ایک دن دونوں قبیلوں کے لوگ ایک جگہ بیٹھے تھے کہ ''خزرج'' کے ایک آدمی نے ایک شعر پڑھا جس میں ''اوس'' کی ہجو تھی، پلٹ کر اس نے بھی ''خزرج'' کی ہجو میں شعر پڑھا، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں نکل آئیں۔ رحمت عالم ﷺ کو جیسے ہی خبر ہوئی فوراً وہاں پہنچے اور یہ آیتیں تلاوت فرمائیں: يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ. وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوا

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَّ كُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران: ۱۰۲۔۱۰۳) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں۔ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو اور تفرقہ نہ ڈالو، اور یاد کرو اللہ کے انعام کو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ومحبت پیدا کردی اور تم اس کے کرم سے بھائی بھائی ہوگئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے، تو اس نے تمھیں بچا لیا، اللہ اسی طرح تم کو اپنی نشانیاں بتاتا ہے تاکہ تم ہدایت پر رہو''۔

زبان مبارک سے ان آیات کو سنتے ہی انھوں نے تلواریں زمین پر پھینک دیں اور باہم گلے مل کر خوب روئے۔ (المعجم الاوسط، طبرانی ۱ر۲۱۶)

(۳) پھر اس قرآنی حکم کو بھی چشم دل سے پڑھنے کی ضرورت ہے: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران: ۱۰۶) ''اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور جب ان کے پاس واضح نشانیاں آچکیں اس کے بعد بھی اختلاف کرنے لگے، اور ان ہی لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے''۔

(۴) قرآن کا یہ پیغام بھی وحدت امت اور اتحاد بین المسلمین کے حوالے سے بڑا قیمتی اور حرز جاں بنانے والا ہے: اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (الانبیا: ۹۲) ''بیشک یہ تمہارا (اسلام) دین، ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری عبادت کرو''۔ اللہ رب العزت اور رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح کے

انقلابی فرامین نے صدیوں سے گتھم گتھا رہنے والی اور ایک دوسرے کے خون کی پیاسی قوموں کو نا قابل تسخیر وحدت میں ضم کر دیا اور وہ لازوال ہو گئے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ لفظ ''اُمت''، جس طرح کسی قوم اور جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح ایک طریقہ وروش کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے گویا جب بہت سے افراد مل کر ایک قوم ہو جائیں تو ان سب کے مفادات اور روش بھی ایک ہونی چاہئے۔ مگر امت کی بد قسمتی ہے کہ اپنے ان فانوسوں کو ریزہ ریزہ کر کے اور اپنی روشن قندیلوں کو بجھا کر اپنی تباہی کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔

(۵) اللہ جل شانہ انسانی گروہ کو ان کی شامت اعمال کی بنیاد پر مختلف طریقوں سے عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ عذاب کی بدترین شکل کی طرف اشارہ سورۂ انعام کی آیت نمبر ۶۵ رمیں کچھ یوں کیا گیا ہے: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّ یُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ، یعنی: تم فرماؤ وہی اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا مختلف گروہ بنا کر آپس میں لڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔

اس فرمان الٰہی کی تفسیر میں ضیاء الامت علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۱۹۹۸ء) تحریر فرماتے ہیں: اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں انتشار اور بے اتفاقی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند، ایک ملت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہ تفرقہ بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعث انتشار، اپنوں کی عزت اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجیے اپنے گھر کا حال دیکھیے۔ جب سے ہم نے صراط مستقیم سے

انحراف کیا ہے ہم پستیوں میں دھکیل دیے گئے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والی قوم کس طرح نفاق اور انتشار کا شکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے۔ (تفسیر ضیاء القرآن، جلد اوّل، ص:۵۶۶)

ایک شاعر نے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے کہ ؎

ہر دل میں کدورتیں بھری ہیں
محسنؔ یہ عذاب کی گھڑی ہے

قسمت کی ستم ظریفی سے ہمارے وطن عزیز میں عذاب کی یہ گھڑی آچکی ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے چشم بینا عطا فرمایا ہے وہ اس لمحہ بہ لمحہ شدید تر ہوتے ہوئے عذاب کی ہولنا کیوں کو دیکھ رہے ہیں اور اس کے جہنمی شعلوں کی لو کو اپنے دل دردمند میں محسوس کر رہے ہیں۔

(۶) قرآن مجید اختلاف و انتشار کو زہر قاتل سمجھتا ہے اور اس کو مسلمانوں کے زوال کی اہم وجہ بتاتا ہے، قرآن مجید واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ باہمی اختلاف و انتشار اجتماعی قوتوں کو اس حد تک کمزور کر دیتا ہے کہ یہ جماعت دھیرے دھیرے اس حیثیت تک پہنچ جاتی ہے جیسے کسی غبارہ سے ہوا نکل گئی ہو، نہ دم نہ خم، نہ عملی کردار نہ اس میں دشمنوں کے مقابل کھڑے ہونے کی ہمت نہ اپنے بقا و تحفظ کے لیے سعی کا جذبہ اور نہ ہی اس میں اپنی دفاعی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی جرأت ہو سکتی ہے۔ اس پر ایسی بزدلی اور کم ہمتی چھا جاتی ہے کہ اس کا وجود نہ خود کے لیے نفع بخش ہوتا ہے نہ دوسروں کے لیے۔ نہایت مشکل حالات میں اہم رہنمائی کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا، إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال:۴۵-۴۶)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم

رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

ایمان کی شان یہی ہے کہ اللہ کے بندے اس کی رسی سے وابستہ ہو جائیں اور اسلام و قرآن کی لڑی میں پرو جائیں وہ ایک جسم و جاں بن جائیں، ان میں سے کسی کی تکلیف، دوسرے کو مضطرب و بے چین کر دے، ان کی صفوں میں کوئی انتشار اور فساد نہ ہو، سب ایک ہی خاندان، خاندانِ اسلام سے وابستہ ہوں۔ اسلام میں اختلاف رائے کی تو گنجائش ہے اور یہ فطرت انسانی کے مطابق ہے مگر اس کی بنا پر مخالفت کی گرم بازاری، ہنگامہ آرائی، طوفان بدتمیزی اور اخلاق باختگی کے ذریعہ صرف امت نہیں بلکہ اسلام کا مذاق بنانا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زوال امت کی سب سے بڑی وجہ "قرآن" کو پس پشت ڈال دینا ہے۔ اس بات کی شکایت خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز محشر اپنے رب کے حضور کریں گے: وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا (الفرقان:۳۰) یعنی کہیں گے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو مہجور و متروک بنا لیا تھا۔

اللہ و رسول سے محبت کے دعوے داروں اور قرآن کو اپنا نصاب زندگی کہنے والوں کو چاہیے کہ وہ صدق دل سے قرآن کی طرف رجوع کریں، اسی کو فیصل بنائیں اور اسی کی روشنی میں امت کی رہنمائی فرمائیں۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

ترجمہ: اگر تم مسلمان کی زندگی گزارنا چاہتے ہو، تو قرآن کریم کو زندگی کا حصہ بنائے بغیر ایسا ممکن نہیں۔

درس اتحاد امت: احادیث کی روشنی میں

اسلام نے ہمیں اتحاد و اجتماعیت کا ایسا درس دیا ہے کہ کہیں سے شیطان کے درآنے کی گنجائش نہ ہو، اس لیے نماز تک میں حکم ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایسے کھڑے ہوں کہ صفوں کے اندر جگہ خالی نہ رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ایک دوسرے سے اختلاف نہ کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے تمہارے دل ایک دوسرے سے مختلف ہوجائیں: ''لا تختلفوا فتختلف قلوبکم'' (ابوداؤد، کتاب الصلوۃ فی تسویۃ الصوف۔ ٦٧٥)

نمازوں میں صفیں ایک عندیہ ہیں ربط باہم کا
یہ مسجد ہے یہاں شانے کو شانے کی ضرورت ہے

مساجد میں نمازوں کی صف بندی میں یہ اشارہ اور سبق ہے کہ یہاں سے باہر نکل کر بھی مسلمان آپس میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے رہیں۔ صحابیٔ رسول، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''خون کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، احسانات فراموش کردیئے جاتے ہیں، لیکن ایمان سے زیادہ دلوں کو قریب کرنے والی چیز دیکھنے میں نہیں آئی''۔ (ابن کثیر ۲/ ۴۲۶)

ایمان ہی کی طاقت تھی کہ اوس وخزرج کی پشتہا پشت کی دشمنیاں اخوت ومحبت میں تبدیل ہوگئیں جبکہ قرآن پاک کی شہادت یہ ہے کہ زمین وآسمان کے تمام خزانے لٹا کر بھی ان کی نفرتیں ختم نہ ہوپاتیں۔ اس کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ امت حقیقی ایمان کی لذت سے نا آشنا ہے۔

ایمان ایک مقناطیسی طاقت ہے، اگر انسان کے دل میں ایمان ہے تو وہ لازماً دوسرے کی طرف کھینچتا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صریح ہدایت ہے کہ بھائی بھائی بن کر

رہو۔ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ، ایک دوسرے سے بغض وکینہ نہ رکھا کرو، آپس میں بے تعلق اور منھ پھیر کر نہ رہو، سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہو بھائی بھائی بن کر رہو اور مسلمان اپنے بھائی پر ظلم نہیں کرتا، نہ اسے ذلیل وحقیر سمجھتا ہے اور نہ اسے بے سہارا چھوڑتا ہے، دیکھو! تقویٰ کی جگہ یہ ہے، آپ نے اپنے سینۂ اطہر کی طرف اشارہ کر کے تین بار یہ بات فرمائی۔ پھر فرمایا: ''آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے، مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (ترمذی ۱۹۲۷، مسلم ۶۵۴۱)

بخاری ومسلم کی متفقہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ۔ یعنی: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔ (صحیح بخاری: ۴۸۱)

اگر ایک مومن دوسرے مومن کو اپنی قوت نہ سمجھے اور اسے ضائع ہونے کے لیے چھوڑ دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنی کمزوری کا سامان کر رہا ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں مزید صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے اندر گزشتہ قوموں جیسی بیماری در آئی ہے، حسد اور باہمی عداوت و دشمنی صفایا کر دینے والی چیز ہے، میں بالوں کے صفایا کر دینے کی بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ یہ دین کا صفایا کر دیتی ہے''۔ (ترمذی، قیامہ ۲۵۰۹، مسند احمد بن حنبل ۱/۱۶۵)

اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ہدایات پر اگر ہم عمل کر لیں تو کیا مسلک کی دوریاں باقی رہ سکتی ہیں، ایمانی اخوت میں جغرافیہ رکاوٹ بن سکتا ہے، کیا ذات وبرادری کی تفریق باقی رہ سکتی ہے؟ نہیں! بلکہ سب مسلمان ہوں گے اور ایک ہوں گے۔

صدائے درد، دل

قرآن مجید جہاں ہمیں سبب زوال سے متنبہ کرتا ہے وہیں اس حقیقت کی طرف بھی واضح اشارہ کرتا ہے کہ جو قوم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لے وہ اختلاف وانتشار کا شکار ہو کر تباہ و برباد نہیں ہو سکتی۔ ہاں جو قوم اللہ کی رسی کو چھوڑ کر مسلک و مشرب کے تانے بانے میں الجھ جاتی ہے اور مسلکی تصلب اس کا امتیاز بن جاتا ہے تو پھر وہ غیروں کے پٹے کو اپنی گردنوں میں ڈالنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور اس کو گردن کی طوق نہیں بلکہ حسین زیور سمجھ کر فخر و امتیاز کا اظہار کرنے لگتی ہے۔

ایک زمانے سے پورے عالم اسلام میں امریکہ و اسرائیل کے مقابلے میں پوری جرأت کے ساتھ کھڑا ہونے والا اگر کوئی ملک رہا ہے تو وہ ''ایران'' ہے۔ آج بھی جس طرح اپنا بھاری نقصان کر کے اس نے ''صیہونی طاقتوں'' پر دہشت طاری کر دی ہے، ان کے سینوں پر اپنی فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے ہیں، کم از کم میری اپنی پچاس سالہ زندگی میں پہلی بار اسلام دشمن طاقتوں کو گھٹنے پر آتے ہوئے دیکھا ہے، اس سے جہاں مظلوم و مقہور اہل غزہ کے دل ٹھنڈے ہوئے ہیں، وہیں اہل ایمان کے دلوں میں امید کی ایک کرن روشن ہوئی ہے۔ باوجود اس کے ''اہل سنت'' کا ایک بڑا طبقہ جس میں ''وہابیہ'' بھی خود کو شامل کرتے ہیں، صرف اہل تشیع ہونے کی بنا پر انشراح صدر کے ساتھ اس کی حمایت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مسلکی تعصّبات ان کے آڑے آ رہے ہیں۔ پرانی تاریخ پلٹی جا رہی ہے۔ ان کے عقائد اور مظالم کے ریکارڈ کھنگالے جا رہے ہیں۔ بھائیو! سب سے پہلے تو یہ یاد رکھو! تعصب میں ڈوب کر یک طرفہ بات کرنا بھی جرم عظیم ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ''یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا کُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰی أَلَّا تَعْدِلُوْا اعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'' (اے ایمان والو!

اللہ کے لیے مضبوطی سے کھڑے ہو جاؤ، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں نا انصافی پر آمادہ نہ کرے، انصاف کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے) (المائدہ:۸)

اگر شیعوں نے غداری کی ہے تو اہل سنت نے اہل تشیع کے ساتھ طاقت و اقتدار کے نشے میں کیا کیا ہے، اگر میں اسے نقل کروں تو ایک لمبی داستان ہوگی اور بہتوں کا اسے ہضم کرنا مشکل ہو جائے گا۔

مجھے یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ''ابھی ایران کی حمایت ان کے عقائد ونظریات کی حمایت نہیں بلکہ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی حمایت ہے''۔ جب کہ وہ مظلوم خود سے بڑے مظلوم فلسطینی مسلمانوں کے حق کی آواز بھی اٹھا رہا ہے، جو ملک خیر سے سنی بھی ہے، شیعہ نہیں۔ چلیے مان لیتے ہیں کہ وہ فلسطینی مسلمانوں کے لیے نہیں خود کے لیے جد و جہد کر رہا ہے۔ باوجود اس کے مسلمانوں کے ازلی دشمن ''یہود'' کے لیے کسی طرح کا نرم رویہ رکھنا اور اسے ایران پر ترجیح دینا کیا قرآن وحدیث کی روح کے خلاف نہیں ہے؟۔ بھائیو! ذرا خود احتسابی کرو! کہیں ہمارے دل مسلکی بغض وعداوت میں پتھر کی طرح سخت اور سیاہ تو نہیں ہو چکے! ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ عراق، شام، لبنان، اردن وغیرہ کے بعد ایران وہ دیوار ہے کہ خدانہ کرے اگر یہ گر گئی تو پھر وسط ایشیا پنجۂ یہود میں چلا جائے گا۔ بھارت کے شدت پسند عناصر کا حوصلہ بھی ساتویں آسمان پر ہوگا اور ہندی مسلمانوں کو اور زیادہ طنز وتعریض کا نشانہ بنایا جائے گا۔

ایران واسرائیل کے درمیان چلنے والی جنگ میں دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت دل سے ''ایران'' کے ساتھ ہے بلکہ انسانیت اور مظلومیت کا ساتھ دینے والے غیر مسلم حضرات بھی ''ایران'' کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایسے عالم میں کچھ شیعہ ذاکرین کا مقدس

صحابہ کرام کی توہین کرنا یا خودسنی کہلانے والے کسی فرد کا اپنا مسلکی ایجنڈا چلا کر ایران سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والا کہیں "موساد" کا ایجنٹ تو نہیں ہے!!

اس نہج سے بھی ہمیں سوچنا چاہیے۔ کسی کی ذاتی اور انفرادی بدبختی کا ٹھیکرا ایران کے سر پھوڑنا خلاف انصاف ہے۔ جب کہ ایرانی سپریم لیڈر سید محمد علی آیت اللہ خامنہ ای کی سوشل میڈیا پر متعدد ایسی تقاریر وائرل ہو رہی ہیں جس میں وہ اتحاد امت کی دعوت دے رہے ہیں، امت مسلمہ کو اختلاف و انتشار سے بچنے کی نصیحت کر رہے ہیں اور دشمنان اسلام کے خلاف متحد ہو کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کی تلقین کر رہے ہیں۔ ان کے قول وفعل اور ہمت و جواں مردی نے انھیں دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کا ہیرو بنا دیا ہے۔

کبھی کبھی بندہ اپنی تنگ نظری، کم علمی اور بھولے پن کی وجہ کر بھی غیر شعوری طور پر اپنے دشمنوں کا آلہ کار بن جاتا اور اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ اس لیے مسلکی بے حسی کے خول سے نکل کر بصیرت کی آنکھیں کھولیں اور اپنے دوست و دشمن کو پہچانیں۔

یہ اپنی بے حسی دیکھو کہاں تک لے کے جائے گی
ستم سہتے رہے یوں ہی تو دنیا سر کو آئے گی

آج المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سخت ترین مشترکہ ملی مسائل پر بھی اس قوم کی متحدہ آواز ندارد ہے۔ اپنے اپنے مسلکی تحفظات کے ساتھ ذمہ داران مسالک کو نہ دعوت دی جاتی ہے اور نہ ہی کسی ایسے پروگرام میں انھیں شرکت کی توفیق ملتی ہے۔ علما اور قائدین کی ایک بڑی جماعت ایک اسٹیج، ایک پلیٹ فارم اور ایک بینر تلے جمع ہونے کو تیار نہیں۔ اس اشتراک سے کسی کو اپنا من چاہا مقام و منصب نہ ملنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے تو کچھ کو اپنا نکاح ٹوٹتا اور ایمان کا طوطا اڑتا نظر آتا ہے۔ ہاں! اگر کوئی حساس عالم دین یا ذمہ دار شخصیت وقت وحالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اس اتحاد کا حصہ بنتا ہے تو چھُٹ بھیے قسم

کے کچھ مولوی ان پر فتوے بازی، بھدے کمنٹس اور عام عوام میں بدگمانیاں پھیلانے کی مہم پر لگ جاتے ہیں۔اسے کہتے ہیں چائے سے زیادہ پیالیوں کا گرم ہونا۔ یہ بڑا سنگین معاملہ ہے کہ اس طرح کے غیر اہم، چہرہ چمکانے کی ہوس رکھنے والے مولوی اور مولوی نماؤں نے پوری پوری جماعت کو یرغمال بنا رکھا ہے۔شریف، سنجیدہ اور باوقار علما و خواص خاموش رہ کر ایسے اوباشوں سے عزت بچانے میں ہی اپنی بھلائی سمجھتے ہیں۔

اہل سنت کے ایک معروف محقق و مفسر علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۰۱۶ء) سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ر کے ضمن میں لکھتے ہیں: مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان تفرقہ کا شکار ہوئے عنان حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور یا تو وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے یا غیر قوموں کے محکوم اور غلام بن گئے، اندلس میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی لیکن آپس کی تفرقہ کی وجہ سے عیسائیوں نے پورے اسپین پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے رکھے اندلس سے نکل جاؤ، عیسائی ہو جاؤ یا پھر مرنے کے لیے تیار رہو۔حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ پورے اسپین میں ایک بھی مسلمان نہ رہا۔ بغداد اسی تفرقہ بازی اور شیعہ سنی اختلاف کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو گئے اور ہلاکو کے ہاتھوں مسلمانوں کی ذلت کی ایک اور تاریخ لکھی گئی۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن جب مسلمان طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے اور شراب و موسیقی میں ڈوب گئے تو انگریزوں کی غلامی ان کا مقدر بن گئی۔ (تفسیر تبیان القرآن)

ان تاریخی حقائق سے بڑھ کر ''اتحاد امت اور وحدت ملت'' کے حوالے سے قرآن وحدیث کے صفحات بھرے ہوئے ہیں مگر پتہ نہیں لوگوں کی نظریں ان پر کیوں نہیں جاتیں، یا وہ نظر ڈالنا نہیں چاہتے یا پھر انھیں سامنے لایا جائے تو اس کی گول مول تاویلات

کر کے گذر جاتے ہیں۔ ہاں! قرآن وحدیث کے ذخائر سے افتراق وانتشار، فرقہ بندی اور تفرقہ بازی کے لیے اپنے مطلب کی کچھ چیزیں لے رکھی ہیں، جسے اپنی فکر ومزاج کے مطابق من چاہے حاشیہ آرائی کے ساتھ بار بار پیش کیا جاتا ہے۔ ہائے افسوس!

ع خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

آخر یہ موٹی سی بات انھیں کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارا دشمن ہمارا مسلک ومشرب دیکھ کر ہم پر حملہ آور نہیں ہو رہا ہے بلکہ وہ کلمۂ توحید ورسالت کی بغض وحسد میں ہمارا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ ہم اپنی آنکھوں سے ہر روز اپنی موت کا تماشا دیکھ رہے ہیں مگر کچھ رسمی شور وغوغا اور واویلا کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم اپنے کل پرزوں کو درست کرنے کے لیے تیار نہیں۔ بس دنیا کو دکھانے اور بتانے کے لیے کچھ کرلیا جاتا ہے اور انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسے ہی مفسدین کے لیے جل کر کسی شاعر نے کہا ہے ؎

متحد ہو تو بدل ڈالو زمانے کا نظام
منتشر ہو تو مرو شور مچاتے کیوں ہو

اگر واقعی ہم اللہ ورسول کے احکام وفرامین اور قوم وملت کے معاملات میں مخلص ہیں تو ہر طرح کے بتوں کو توڑیں، ہر خوف دل سے نکالیں اور اتحاد امت کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ اس یقین کو ہمیں اپنے دل میں راسخ کرنا ہوگا کہ ہم صرف اللہ کے حضور جواب دہ ہیں اور اسی کے حضور سے جزا وسزا ملنی ہے، اور بس! فَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرٗا يَرَهُۥ وَمَن يَعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٖ شَرّٗا يَرَهُۥ ''تو جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے وہ اسے دیکھے گا۔ اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے وہ اسے دیکھے گا'' (الزلزال: ۷،۸)

کاش! اب بھی ہم میں احساسِ زیاں پیدا ہو۔ ہم اپنی لٹی ہوئی متاعِ عزیز کو

حاصل کرنے کے لیے سعیٔ پیہم کر سکیں اور اپنی عظمت رفتہ کے دھندلائے نگینوں کو جلا بخشیں۔ مگر یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور اپنے اختلافات کی آگ کو محبت و اخوت کے ٹھنڈے چشموں سے بجھا کر ایک ہو جائیں۔ ہمارے جسم اگر چہ جدا جدا ہوں مگر روح ایک ہو۔ ہمارے دل ہم آہنگ ہو کر دھڑکنے لگیں اور دھڑکنوں کے ساز سے ایک ہی نغمے کی لَے پھوٹے کہ ؎

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی، نہ تورانی، نہ افغانی!

اور ہم اس نغمے کی بازگشت میں شاہراہِ حیات پر آگے ہی بڑھتے چلے جائیں یہاں تک کہ کامیابیاں ہمارے قدم چومنے لگیں۔

اس حقیقت سے کوئی بھی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ اگر کرۂ ارض پر بسنے والے سو کروڑ مسلمانوں کے دلوں میں وحدتِ ملّی کا احساس اجاگر کر دیا جائے تو وہ آج بھی باطل کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو سکتے ہیں اور ان سے ٹکرانے والی قوتیں پاش پاش ہو جائیں۔ اگر آج بھی شمعِ توحید کے پروانے لَآ اِلٰہَ کا عقیدہ پختہ کر لیں اور ''نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر'' اپنے تمام اختلافات کو دفن کر کے بنیادِ اسلام پر ایک ہو جائیں، محبت واخوت کے پھریرے لہراتے ہوئے شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں تو دنیا کی کسی قوم میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ہم پر مسلط ہو جائے۔ دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں ہمارے آستانوں پر جبیں سائی پر مجبور ہوں گی۔ پھر یہودیوں کی مجال نہیں ہوگی کہ وہ آنکھ اُٹھا کر بھی فلسطین کی طرف دیکھے، اور نہ ہی کسی طاغوتی طاقت میں مسلمانوں کو دھمکانے کی جرأت ہوگی۔

آج ''غزہ'' کے مظلوم مسلمانوں کی آہیں اور ''مسجد اقصیٰ'' سے اُٹھنے والے دھوئیں نے عام مسلمانوں کے سینوں میں آگ بھر دی ہے لیکن وہ بے بس و مجبور ہیں۔ عالم اسلام

کے حکمران بے حسی کے شکار ہیں۔ان سب کو اپنے مفادات کے ساتھ ساتھ بزدلی اور کم ہمتی نے جکڑ رکھا ہے۔اس کی سب سے بڑی وجہ ان میں آپسی اتحاد و اتفاق کا مفقود ہونا ہے۔

ان سخت حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیائے اسلام وقت کے چیلنج کو قبول کرے اور سب سے پہلے اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرے۔حرم کے دشمنوں کی گھناؤنی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جانا چاہیے۔علما، مشائخ اور ذمہ داران امت کو بھی سمجھنا چاہیے کہ نفع بخش کام اشتراک و اتحاد کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔عظیم کارنامے متحدہ کوششوں کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے اور فیصلہ کن معرکے کندھے سے کندھا ملا کر اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ہی سر کیے جا سکتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ جل شانہ کو محبت بھی اپنے ان ہی بندوں سے ہے جو متحد و ایک ہوں۔فرمان باری تعالیٰ ہے: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (صف:۴) ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔کاش! یہ بات کہ ''اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت'' صرف لبوں پر نہ ہو بلکہ ہمارے کردار و عمل سے بھی جھلکے۔علامہ اقبالؔ کے ان نصیحت آموز اشعار پر اس موضوع پر قلم بند کرتا ہوں کہ ؎

منفعت ایک ہے اِس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

انقلاب اسلامی اور صوفیہ کا کردار

انبیاے کرام علیہم السلام کا اس دنیا میں تشریف آوری کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ تو ایک جملے میں اس کا صحیح جواب یہی ہوگا کہ ''نفوس انسانی کا تزکیہ''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے لیے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جو دعا فرمائی، اس میں اصل وجہ یہی بیان فرمائی: رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (سورہ البقرہ:۱۲۹) اے ہمارے رب! اور ان کے درمیان انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتوں کی تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور ان کا تزکیہ (یعنی خوب پاکیزہ) فرمادے۔ بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

اسی بات کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۱، اور سورۂ جمعہ کی آیت نمبر ۲، میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ ان آیات کریمہ میں جہاں تزکیہ کا ذکر آیا ہے وہیں تلاوتِ آیات اور تعلیم کتاب وحکمت کا بھی ذکر آیا ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا اصلی مقصد صرف تزکیہ ہی کو کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

تو اس کا جواب خود قرآن کریم کے اسلوب بیان نے ہی دے دیا ہے کہ ''تلاوت آیات اور تعلیم کتاب وحکمت'' جو مذکور ہوئی ہیں تو وہ اصلی مقصد کی حیثیت سے نہیں بلکہ اصلی مقصد کے وسائل وذرائع کی حیثیت سے بیان کی گئی ہیں۔ اس لیے کہ سورۂ بقرہ کی دونوں آیتوں میں (آیت:۱۲۹) میں تزکیہ کا لفظ سب سے آخر میں آیا ہے اور دوسری آیت (آیت:۱۵۱) میں سب کے شروع میں آیا ہے۔ ایک غور وفکر کرنے والا شخص سمجھ سکتا

ہے کہ ایک ہی بات کے بیان کرنے میں اسلوب کا یہ ردو بدل کم از کم قرآن کریم میں بلاوجہ نہیں ہوسکتا۔اب غور کیجیے کہ اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ اس تقدیم وتاخیر سے ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم کی تمام جدو جہد اور ان کی تمام سرگرمیوں کا محور و مقصود دراصل تزکیہ ہی ہے، کیونکہ اصل مقصد ہی کی یہ اہمیت ہوتی ہے کہ وہ شروع میں ایک کام کرنے والے کے پیش نظر ہوتا ہے اور آخر میں بھی۔ وہی اس کی تمام سرگرمیوں کا نقطۂ آغاز بھی ہوتا ہے اور وہی نقطۂ اختتام بھی، وہیں سے وہ اپنا سفر شروع بھی کرتا ہے اور وہیں اس کو ختم بھی کرتا ہے۔

تزکیۂ نفس کی ضرورت کیوں؟

تزکیہ نفس کی ضروت کو سمجھنے کے لیے پہلے فطرت انسان کی حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے۔انسان کا وجود جسم اور روح دونوں کا مرکب ہے جسم اور روح دونوں کے الگ الگ تقاضے ہیں اور یہ تقاضے ان کی فطری اور طبعی صلاحیتوں کے مطابق ہیں۔انسانی جسم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور مٹی میں پستی وگھٹیا پن، ضلالت، گمراہی، حیوانیت و بہیمیت، شیطانیت اور سرکشی جیسی خاصیتیں پائی جاتی ہیں اسی لیے نفسِ انسانی فطری طور پر برائیوں کی طرف رغبت دلاتا رہتا ہے۔ گویا گناہوں کی آلودگیاں اور حق سے انحراف نفسِ انسانی کی فطرت میں شامل ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (سورہ یوسف: ۵۳) بے شک نفس تو برائیوں کا ہی حکم دیتا ہے۔اسی لیے کفار سے جنگ کو ''جہاد اصغر'' اور نفس امارہ سے جنگ کو ''جہاد اکبر'' کہا گیا ہے۔صوفیہ فرماتے ہیں کہ نفس سے جہاد اس لیے جہاد اکبر ہے کہ نفس بڑا کافر اور بڑا سرکش ہے کہ یہ ہمیشہ حربی کافر ہی رہتا ہے، کبھی ذمی نہیں بنتا، ہر جگہ ہر وقت ہمارے ساتھ رہتا ہے۔سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے مگر شیطان کو نفس نے

گمراہ کردیا۔حضرت ابراہیم ذوق دہلوی(م:۱۸۵۴ء)خوب فرماتے ہیں؎

بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا
گیا شیطان مارا اک سجدہ کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے روح کی صورت میں انسان کے اندر ایک لطیف ونورانی ملکہ بھی ودیعت فرمایا،جس کے تقاضے بدی ونیکی کی تمیز،حق پرستی،صداقت و امانت اور نفس کی تہذیب وتطہیر سے پورے ہوتے ہیں۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۔فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰىهَا (سورہ الشمس:۷۔۸)اور نفس کی قسم!اور جس نے اسے درست بنایا۔پھر اس (نفس) کواس کے برے کام اوران سے بچنے کا طریقہ سمجھادیا۔اورایک اور مقام پر یوں ارشادفرمایا:وَ هَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ(البلد:۱۰)اورہم نے (انسان کونیکی اور بدی کے) دونوں راستے دکھادیے ہیں۔

گویا انسان کے اندر برائی اور اچھائی، بدی و نیکی، خیروشر دونوں طرح کے میلانات ازل سے ودیعت کردیئے گئے۔ان دونوں کے درمیان تضاد،تصادم اورٹکراؤ کی کیفیت قائم رہتی ہے اور جب تک یہ کشمکش قائم رہے انسان کی زندگی عجیب قسم کے تضادات اور بگاڑ کا شکار رہتی ہے۔اسی بگاڑ سے بے راہ روی،ظلم واستحصال،فسق وفجور جنم لیتے ہیں انسانی شخصیت اپنے اندرونی انتشار کی وجہ سے بےسکون وبے اطمینان رہتی ہے۔ اس کشمکش سے نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے اوروہ ہے تزکیہ نفس۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى (النازعات:۴۰)اورنفس کو ہربری خواہش سے روکتاہے۔

اس آیت کریمہ سے پتہ چلا کہ روح میں موجود خیر کے تقاضوں کو نفس کے

برے اور شر کے تقاضوں پر غالب کر لینے سے یہ تصادم ختم ہو جاتا ہے۔ نیکی بدی پر غالب آجاتی ہے اور جب حیوانی، شہوانی، نفسانی قوتیں کمزور ہونے لگیں تو نتیجتاً روح اور اس میں پوشیدہ نیکی کی قوتیں نشونما پا کر طاقتور، اور مضبوط ہو جاتی ہیں اور انسان کی ساری قوتیں نیکی کے فروغ پر صرف ہونے لگتی ہیں۔

پس جب کوئی برائی نفس انسانی میں فروغ نہ پا سکے، کوئی شئی صراط مستقیم سے اس کو بہکا نہ سکے اور مادی زندگی کی آلائشیں اس کو اس راہ حق سے ہٹا نہ سکیں تو ایک طرف اسے بارگاہ خداوندی میں ایسا سجدہ عبادت نصیب ہو جاتا ہے جس کی کیفیت ''فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ'' (صحیح بخاری: ۴۳، رقم: ۵۰) کی مصداق ہے۔ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا بصورت دیگر خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔

اور دوسری طرف اس کی شخصیت روحانی و اخلاقی کمال کی بلندیوں کو بھی پالے تو اس عمل کا نام تزکیہ نفس ہے، جس کے حصول کے بغیر عبادت بے معنی و بے لذت ہے۔ نیکی کے فروغ و تقویٰ اور معرفت ربانی کے لیے پہلا زینہ اور سب سے پہلا عمل تزکیہ نفس ہے۔

تزکیہ نفس کے انقلابی اثرات

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تزکیہ نفس اپنے ہر صحابی کا کیا، خدا خوفی کا درس ہر ایک صحابی کو دیا، راستی و سچائی کا سبق ہر ایک کو پڑھایا، شرم و حیا کی شیرنی ہر ایک کو کھلائی، ہمت و حوصلہ کا جذبہ ہر ایک کے اندر پیدا کیا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی خاص وصف میں کامل بن کر ابھرا۔ خود آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے اصحاب میں سے مختلف صفات کے حاملین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ: میری امت میں سب سے رحم دل ابو بکر ہیں۔ اللہ کے معاملے میں سب سے سخت عمر ہیں۔ شرم و حیا میں سب سے

زیادہ عثمان ہیں۔سب سے بڑے قاضی علی ہیں۔حلال وحرام کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے معاذ ابن جبل ہیں ۔علم فرائض میں سب سے بڑے عالم زید ابن ثابت ہیں ۔میری امت میں سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں ۔ ہرایک امت کا امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں ۔زبیر بن العوام کے لیے فرمایا: ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔ بالکل اسی طرح ان پروانوں میں ایک غفاری پروانہ بھی تھا۔جس پر غفاریوں کی خاندانی درندگی ،قومی غیض وغضب اور نسلی خوں ریزی کے پردے پڑے تھے، جو قبیلے کے لحاظ سے ایک لٹیرا تھالیکن اس لٹیرے کے جگر گوشے میں کہیں صالحیت کی ایک شمع بھی تھی جو آفتاب نبوت کے سائے میں آئی تو زہد ورشد کا نمونہ بن گئی اور ان کے قلب ونفس کا ایسا تزکیہ وتصفیہ ہوا کہ زبان نبوت نے خود اعلان کردیا: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی زُھْدِ عِیْسٰی بْنِ مَرْیَمَ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِیْ ذَرٍّ۔یعنی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد وتقویٰ کو دیکھ کر سرشار ہونا چاہتا ہے وہ ابوذر غفاری کو دیکھ لے۔(کتب سیرت صحابہ) غرض کہ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی تزکیہ نفوس سے آدمی کو انسان بنایا، انسان کو مسلمان بنایا، مسلمان کو سلمان بنایا، سلمان کو فخر سلیمان بنایا، حبشی کو رشک انس وجاں بنایا، غلام کو امام بنایا، ذرہ کو آفتاب، قطرہ کو دریا، صدف کو گوہر، بے ذر کو بوذر اور مقتدی کو مقتدا بنا کر اصحابی کالنجوم کا تمغہ عطا فرمایا۔

ہیں آپ کے ہاتھوں ہی سے ترشے ہوئے ہیرے
اسلام کے دامن میں یہ تابندہ نگینے
ہیں مثل ستاروں کے مری بزم کے ساتھی
اصحاب کے بارے میں یہ فرمایا نبی نے

پھر جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض یافتہ یکے

بعد دیگرے رخصت ہوئے، خدا پرستی کی جگہ دنیا طلبی کا زور بڑھا، بیت المال ذاتی ملکیت سمجھا جانے لگا، دروازوں پر دربان مقرر ہو گئے، حب جاہ کے طالبوں نے قوانین اسلامیہ کو بازیچۂ اطفال بنا دیا، مساجد بھی ان کی سیاسی ہتھکنڈوں سے محفوظ نہ رہیں، جسم سنورتے گئے اور روحیں زنگ آلودہ ہونے لگیں تو ایسے پُرآشوب ماحول میں اسی تزکیہ نفوس کے پیغمبرانہ مشن کو آگے بڑھانے کے لیے حقیقی وارثین انبیا نے باضابطہ کمان سنبھالی۔ اللہ کے بندوں کے دل سے دنیا کی محبت نکال کر اللہ جل شانہ کی محبت ڈالنے کا بیڑہ انھوں نے اٹھایا۔ دنیاوی چکاچوند سے کٹ کر ذکر خداوندی کے لیے گوشۂ تنہائی اور عزلت نشینی کو انھوں نے اختیار کیا۔ جسے بعد میں ''خانقاہ'' کا نام دے دیا گیا۔ اس مشن کو تصوف اور صوفی ازم کے نام سے شہرہ حاصل ہوا۔ غرضیکہ تزکیہ و اصلاح کا جو کام نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسجد نبوی میں کیا کرتے تھے، تابعین و اکابرین نے حالات زمانہ کے متغیر ہو جانے کی بنا پر اب وہی کام خانقاہوں میں انجام دینا شروع کر دیا۔

خانقاہ اور اس کے معانی و مقاصد

خانقاہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ غیاث اللغات میں اس کا معنی لکھا ہے ''جائے بودن درویشاں'' یعنی درویشوں کے بیٹھنے کی جگہ، تو بس جہاں چند اللہ والے درویش بیٹھ جائیں وہی خانقاہ ہے۔ خانقاہ کو دائرہ اور زاویہ بھی کہا جاتا ہے۔ سلسلۂ سہروردیہ کے بانی عظیم صوفی بزرگ ابوحفص، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۶۳۲ھ) فرماتے ہیں: خانقاہ نشینوں کے فرائض میں داخل ہے کہ مخلوق سے (مکمل طور پر) قطع تعلق کر لیں اور حق کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ لیں۔ (عوارف المعارف)

خانقاہ درحقیقت درس گاہ صفہ کی طرح وہ تربیت گاہ ہے جہاں شیخ اپنے مرید کی اخلاقی اور روحانی تربیت کرتا ہے اور اس کا تعلق اللہ سے جوڑتا ہے۔خانقاہ میں مرشد کامل کی صحبت میں رہ کر حاصل کردہ تعلیم وتربیت عام انسان کو درویش بنا دیتی ہے۔جس طرح تعلیم کے لیے مدرسہ ضروری ہے،نماز کے لیے مسجد ضروری ہے،اسی طرح باطنی تربیت کے لیے خانقاہ ضروری ہے۔خانقاہی نظام کا مقصد اولین ہی اللہ ورسول کی محبت کو فروغ دینا اور بندگان خدا کو صراط مستقیم پر گامزن کرنا ہے۔صوفیہ کرام کی خانقاہیں ہمیشہ سے اللہ کے بندوں کی دادرسی،تعلیم وتربیت اور ذکر وفکر کا وہ مرکز رہی ہیں جہاں سے کروڑوں تشنگانِ معرفت فیض یاب ہوئے اور لاکھوں گم گشتہ راہوں کو محبت الٰہی کی منزل کا سراغ ملا۔

اللہ کی مشیت پر راضی رہنا،دینی کاموں کو اخلاص سے کرنا،دنیا سے کم رغبتی پیدا کرنا،حرص وہوس سے بچنا،صبر وتوکل اختیار کرنا،خود پسند نہ ہونا،کسی کو حقیر نہ سمجھنا،غصے کو ضبط کرنا،اخلاق نبوی کو پیش نظر رکھنا،ظاہر وباطن کی اصلاح اور تعلیم وتزکیہ کے فرائض نبوت کی انجام دہی ان خانقاہوں کا مقصد عظیم ہے۔کسی نے خوب کہا ہے کہ خانقاہ ''یُزَکِّیْھِمْ'' کا مظہر ہے۔خانقاہ وہ جگہ ہے جہاں ''جاہ'' کا ''جیم'' اور ''باہ'' کی ''با'' نکالی جائے اور خالص ''آہ'' رہ جائے،کیونکہ آہ اور اللہ میں کوئی فاصلہ نہیں ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

اک حرف اک طویل حکایت سے کم نہیں
اک بوند ایک بحر کی وسعت سے کم نہیں
نکلے خلوص دل سے جو وقت نیم شب
اک آہ اک صدی کی عبادت سے کم نہیں

جو صاحبان خانقاہوں کو بدعت اور دورِ نبوت کے بعد کی کوئی چیز سمجھتے ہیں،انھیں

سب سے پہلے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے دور کی مسجد نبوی اور اس کے اغراض و مقاصد کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جو عبادت گاہ بھی تھی اور درس گاہ بھی، نوجوانان امت کے لیے یہ تعلیمی مرکز بھی تھا اور تربیت گاہ بھی، یہاں سلاطین زمانہ کے وفود بھی آتے تھے اور مقدمات کے حل کے لیے یہی عدالت گاہ بھی، یہیں میدان جنگ کے نقشے بھی تیار ہوتے تھے اور یہی تزکیہ نفوس کے لیے عظیم خانقاہ بھی تھی۔

تاریخ گواہ ہے کہ تزکیہ نفوس کے ان مراکز نے ایسی ایسی عظیم ہستیاں پیدا کیں کہ جنھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب برپا کیا۔ زمانۂ تابعین سے ماضی قریب تک شاید چند فیصد بھی ایسے علما، فقہا، محدث، مفسر، مبلغ، مجاہد اور اسلامی دنیا پر اپنے اثرات مرتب کرنے والی شخصیات نہیں پیش کی جاسکتیں، جو کسی نہ کسی صوفی وقت اور اہل خانقاہ کے فیض یافتہ نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے زمانے کے عظیم ترین ہستیوں کی جبین نیاز ان کے حضور عقیدت سے خم رہی۔ حکیم الامت علامہ اقبال رحمہ اللہ جیسی عظیم علمی اور جہاں دیدہ شخصیت ان خانقاہ نشینوں کی شان میں یوں ہی اس طرح رطب اللسان نہ ہوئی ؎

جلاسکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
تمنا درد دل کی ہو، تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر، بادشاہوں کے خزینوں میں

مہر و محبت کے یہ پیکر، امن و آشتی کے یہ چلتے پھرتے مجسمے، صلح و نرمی کے یہ جیتے جاگتے نمونے، صبر و تحمل کے یہ کوہ وقار، زہد و تقویٰ کے یہ عظیم شاہکار اور عدل و انصاف کے یہ پیامبر اس دنیا میں رہے تو اس شجر سایہ دار کی مانند جو اپنوں کو بھی سایہ فراہم کرتا ہے اور بیگانوں کو بھی، جس کی چھاؤں میں دوست بھی بیٹھتے ہیں اور دشمن بھی۔ باد نسیم کے خوش گوار

جھونکوں کی مانند ان خلیق اور شفیق ہستیوں نے مخلوق کے دلوں اور ذہنوں پر حکومت کی۔ یہ عقیدتوں اور محبتوں کے مرکز ومحور ٹھہرے مگر افسوس جب دیکھا گیا کہ دل وجان سے لوگ ان پر فدا ہو رہے ہیں تو کچھ لوگوں نے فی زمانہ طلب دنیا کی خواہش میں روحانیت کا لبادہ اوڑھ کر پیری مریدی کا ایک کاروبار شروع کر دیا۔

خلافت راشدہ کی تکمیل سے پہلے پہلے مسلمانوں کی صفوں میں دراریں پیدا ہونے لگیں۔ آگے چلتے چلتے مال ودولت کی چاہت اور منصب واقتدار کی ہوس نے فتنہ وفساد کا ایک بڑا روپ دھار لیا۔ مادیت کے سیلاب بلاخیز میں روحانیت کی کشتی ڈگمگانے لگی۔ اسلام میں نئے نئے داخل ہونے والے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد صحیح رہنمائی نہ ملنے کی وجہ کر اپنے مقصد حیات سے بھٹکنے لگی۔ ایسے دور میں اہل تصوف، صوفیہ کرام یا اولیاء اللہ کی وہ مقدس جماعت تھی جس نے مسلمانوں کے اندر اسلام کی حقیقی روح پھونکنے اور ایک صالح معاشرے کی تعمیر وتشکیل کے لیے آگے بڑھ کر ذمہ داری قبول کی۔ ان صوفیہ اور اہل اللہ کے دعوت وارشاد کا منہج، منہاج نبوت کے عین مطابق تھا۔ انھوں نے قرآن وسنت کو اپنے پیش نظر رکھا اور حکمت وتدبر کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ اور تبلیغ دین کے نبوی فریضے کو انجام دیا۔

اسی جماعت پر ”اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا“ کی آیت صادق آتی ہے۔

اسی جماعت کے سر پر ”لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ“ کا کلاہِ افتخار سجا ہے۔

اسی جماعت نے ”وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ“ کو حرز جاں بنایا ہے۔

یہی جماعت ”تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا“ کے پیغام پر پیکر ندامت بن گئی ہے۔

اسی جماعت نے ”قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی“ کے چشمے سے اپنے نفوس کو پاکیزہ کیا ہے۔

اسی جماعت نے ”وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی“ کے انوار سے اپنے دل منور کیے ہیں۔

اسی جماعت نے ''وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ'' کی روشنی میں جہاد اکبر کا عظیم فریضہ ادا کیا ہے۔

یہی جماعت ''مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ'' پر خشیت الٰہی اور رجوع الی اللہ کے پیکر بن گئی ہے۔

اور یہی وہ جماعت تھی جس نے دین اسلام کو جب، جس وقت، جہاں اور جیسی ضرورت پڑی حالات کے تقاضے کو سامنے رکھ کر میدان عمل میں جد وجہد کرتی نظر آئی۔ ان صوفیہ کی مقدس ومتحرک جماعت پر رہبانیت کا الزام اور پاپائیت کا طعنہ دینے والوں کو چاہیے کہ وہ صوفیہ کرام کی عملی، روحانی، فکری اور سیاسی واقعات کا مطالعہ کریں۔

جہاں وہ دنیاوی حرص وہوس سے اپنے نفس کی حفاظت کی خاطر گوشہ نشیں ہوئے، وہیں جب ضرورت پڑی تو تاریک بام ودر کو علم ومعرفت سے روشن کر دیا۔ جہاں ایمان ویقین کی تلوار سے انھوں نے کفروشرک کو لرزہ براندام کیا، وہیں ظالم طاقتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کے خلاف آواز حق بلند کر کے دارورسن کو چوما۔ جہاں اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر ''الا اللہ'' کے ضرب لگائے اور اپنے نفس سے جہاد اکبر کیا، وہیں اگر ضرورت پڑی تو اپنی خانقاہوں سے نکل کر یہ جماعت ''رسم شبیری'' بھی ادا کرتی نظر آئی۔ جہاں انھوں نے تخت شاہی اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے بہترین افراد سازی کی، وہیں یہ اسلامی نظریات کی تبلیغ واشاعت کے لیے دشت وکہسار میں گھوڑے دوڑاتے نظر آئے۔ علامہ اقبالؔ نے صحابہ کرام کی پاکیزہ جماعت اور ان ہی نفوس قدسیہ کو نظر میں رکھ کر فرمایا ہے ؎

محفل کون ومکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجھ کو ، کبھی ناکام پھرے
دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

علما وائمہ اور صوفیہ کی صحبتیں

تصوف: اسلام کی روح ہے، اس کے ذریعے انسان پکا مومن اور دین اسلام کا عملی مسلمان بنتا ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس آیت مبارکہ سے لگایا جا سکتا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (سورۃ التوبۃ:۱۱۹) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

یہ حکم اس لیے فرمایا گیا کہ ایمان کی تازگی اور پرہیز گاری تب ہی آتی ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہو جائے اور یہ معرفتِ خداوندی صوفیہ و اولیا کی صحبت کے بغیر بہت مشکل ہے۔اسی اہمیت کے پیش نظر امت مسلمہ کے جلیل القدر علما نے صوفیائے کرام رحمہم اللہ کی صحبتوں میں آ کر اس گوہر نایاب کو حاصل کیا۔ذیل میں چند جلیل القدر علماء کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو سلطنت علم کے بادشاہ ہونے کے باوجود ان گدڑی پوشوں اور بوریہ نشینوں کے غلام بن کر معرفت اور قرب خداوندی حاصل کرتے رہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۵۰ھ) نے باوجود اپنی تبحر علمی کے خانوادۂ اہل بیت کی ایک عظیم شخصیت حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (م:۱۴۸ھ) کی دو سال صحبت اٹھائی۔ (مراۃ الاولیا،ص:۲۴) آپ کا یہ قول مشہور زمانہ ہے کہ ''لولا السنتان لهلك النعمان'' (امام جعفر صادق) اگر ان کی صحبت کے دو سال میسر نہ

ہوتے تو نعمان (ابو حنیفہ) ہلاک ہو جاتا۔واضح رہے سیدنا امام جعفر صادق سلسلہ صدیقیہ نقشبندیہ کے ائمہ کرام میں سے ہیں ان ہی کی وجہ سے سیدنا امام اعظم پر بھی صفات صدیقیت غالب تھی۔(مقدمہ مجموعہ الفقہ الاکبر،ص:۱۶)اس کو تصوف کی اصطلاح میں نسبت شیخ کہتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ(م:۲۰۴ھ)بھی فرماتے ہیں: آدمی کو چاہیے کہ اہل صدق ووفا (صوفیائے کرام) کی صحبت اختیار کرے۔(کتاب الانتقاء لامام ابن عبد البر المالکی ص:۱۵۷)خود امام شافعی رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر فقیہ امام نے بھی حضرت شیخ شیبان راعی رحمہ اللہ(م:۱۸۹ھ) کی صحبت اختیار کر رکھی تھی۔(کشف المحجوب،ص:۱۴۹ الشیخ ہجویری)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ(م:۲۴۱ھ)بھی مسائل تصوف حضرت بشر حافی سے حل کراتے تھے۔(المستطرف،ص:۱۵۶،لامام ابشیہی وکشف المحجوب لشیخ ہجویری،ص:۱۴۹)

امام داؤد طائی(م:۱۶۲ھ)حضرت شیخ ابن حبیب عجمی(۱۵۶ھ) کے مرید تھے۔(کشف المحجوب،ص:۱۴۲)جو مولا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کے فیض یافتہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ(م:۱۱۰ھ) کے مرید وخلیفہ تھے۔

امام ابوبکر احمد بن الحسین بیہقی رحمہ اللہ(م:۴۵۸ھ)امام احمد بن محمد خلیل الصوفی رحمہ اللہ کی صحبت میں بیٹھتے تھے بلکہ ان سے مسئلہ حیاۃ الانبیاء میں روایت بھی لی ہے۔(حیات الانبیاء بعد وفاتہم،ص:۶۷)

امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ(م:۴۶۳ھ)امام یحییٰ بن مجاہد فزاری رحمہ اللہ کی صحبت یافتہ اور مرید تھے،وہ خود بھی فقیہ تھے لیکن ان پر تصوف کا غلبہ تھا۔(تاریخ ابن الفرضی)

امام ابن قدامہ المقدسی حنبلی رحمہ اللہ(م:۶۲۰ھ)حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ(۵۶۱ھ) کے مرید تھے۔حضرت شیخ کی وفات کے بعد امام ابن جوزی رحمہ اللہ

کے صحبت میں آ گئے۔ (مختصر طبقات الحنابلہ، ص:۱۴۵)

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ (م:۵۹۷ھ) نے تصوف کی دو کتابیں بھی تالیف کی ہیں۔ آپ کی خواہش تھی کہ اللہ جل شانہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ (م:۲۲۷ھ) کے جوار رحمت میں تدفین عطا فرمائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (الاحتجاج بالشافعی، ص:۱۰۔ للامام خطیب بغدادی)

علامہ ابن تیمیہ (م:۷۲۸ھ) جن کے اپنے تفردات ہیں، اجماع امت کے خلاف بہت ساری چیزیں ہیں بہت سارے مسائل میں علمائے اہل سنت نے ان کا رد کیا ہے۔ اس وجہ کر اکثر لوگ ان کو تصوف اور صوفی ازم کا مخالف سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ صوفی ازم کو اسلام کا اہم ترین حصہ سمجھتے تھے۔ وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ (م:۲۹۷ھ) سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ (م:۲۳۱ھ) حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ (م:۵۷۸ھ) و دیگر اکابر صوفیہ کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے افکار کو سراہتے تھے، بلکہ بذات خود سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (۵۶۱ھ) سے بہت متاثر تھے۔ (آثار الاحسان از خالد محمود)

علاوہ ازیں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م:۶۰۶ھ) مشہور صوفی بزرگ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۰ ھ) کے مرید صادق تھے۔ امام رازی کے آخری وقت میں پیر و مرشد کی دستگیری کا واقعہ بھی تاریخی اور زبان زد خاص و عام ہے۔

پیر و مرید کا تذکرہ ہو اور مولانا محمد جلال الدین رومی (م:۶۷۲ھ) جیسے مرید کامل اور حضرت شمس الدین تبریزی، پیر تبریز (م:۶۴۵ھ) کا تذکرہ نہ ہو تو بات مکمل نہیں ہو سکتی۔ پیر کامل کی محبت نے مولانا رومی کو مولائے روم بنا دیا۔ خود فرماتے ہیں:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

(کوئی چیز خود بخود چیز نہیں بنتی، کوئی لوہا خود بخود تلوار نہیں بنتا، مولوی ہرگز مولاے روم نہ بنا جب تک شمس تبریز کا غلام نہ بنا) اگر کوئی واقعی اور حقیقی مرید ہونا چاہتا ہے تو اسے مولانا رومیؔ جیسی شخصیات کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہیے، فرماتے ہیں ۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

(سو کتابوں اور سو اوراق کو آگ میں ڈال دو، (جن سے تمہیں محبوب کی محبت اور حقیقت کا سراغ نہ مل سکا اب) اپنے دل کے رخ کو محبوب (مرشد) کی طرف کرلو۔ (تاکہ عین الیقین سے حق الیقین حاصل ہو)

شاعر مشرق علامہ اقبالؔ جیسا جہاں دیدہ، مفکر، مدبر، حضرت مولانا روم کو اپنا پیر مانتے تھے، پیر رومی کی شان میں کئی اشعار کہے، ان کے عاشقانہ اور صوفیانہ افکار اپنے کلام کے ذریعہ عام کیا اور ان ہی کے واقعے کو نظر میں رکھ کر زمانے کو پیغام دیا ۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ ایک ایسا عنوان ہے جو ابھی کافی تشنہ ہے مگر طوالت کے خوف سے اسی پر بس کرتا ہوں۔ ورنہ امام ابن ندیم رحمہ اللہ (م:۹۵۵ء) نے اپنی کتاب "الفھرست" میں ''اسماء العباد والزھاد والمتصوفہ''عنوان کے تحت جلیل القدر علمائے کرام کی ایک طویل فہرست نقل فرمائی ہے۔ دیگر مقامات پر بھی یہ باتیں اور حوالے موجود ہیں۔

سلاطین ومجاہدین اور فیض صوفیہ

صوفیہ کی جماعت پر جمود وتعطل ، جہاد فی الارض سے کنارہ کش اور امت کے مسائل سے بے پرواہی کا بھی سنگین الزام عائد کیا جاتا ہے ۔ یہاں پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ لگے ہاتھوں ان مخالفین صوفیہ کو اس اعتبار سے بھی حقیقت کا آئینہ دکھایا جائے ۔ یہ صوفیہ کے دفاع سے زیادہ دانشور مسلمانوں کو ایسی عظیم اور مقدس ہستیوں کے حوالے سے دور رکھنے والی بدگمانیوں کو دور کرنا ہے ۔ اس کی کچھ جھلکیاں میں اپنے قارئین کے لیے حاصل مطالعہ اور خلاصۂ کلام کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ وہ بھی اپنے قلب وجگر کو روشن کریں :

(۱) سلطان محمود غزنوی (۹۷۱ ۔ ۱۰۳۰ء) اسلامی تاریخ کے ایک مشہور بادشاہ اور سپہ سالار تھے ، جو غزنوی سلطنت کے بانی سبکتگین کے بیٹے تھے ۔ محمود غزنوی کو زیادہ تر ہندوستان پر کیے گئے ۱۷ر مشہور حملوں کی وجہ سے یاد کیا جاتا ہے ، جن کا مقصد صرف سومناتھ مندر (پاٹن، گجرات) سے مال غنیمت حاصل کرنا نہ تھا بلکہ ساحل سمندر پر پہلے سے آباد مسلمانوں کو ہندو راجہ کے ظلم وتشدد سے بچانا اور اسلام کی اشاعت بھی تھی ۔ اسلامی دنیا میں انہیں ایک فاتح ، مبلغ ، اور علم کے سرپرست کے طور پر یاد کیا جاتا ہے ، جبکہ ہندوستان میں انہیں ایک لٹیرا اور مندروں کے توڑنے والے کے طور پر دیکھا جاتا ہے ۔ تاریخ دان انہیں ان کی سیاسی بصیرت ، عسکری حکمت عملی ، اور علمی خدمات کی بنیاد پر یاد کرتے ہیں ۔ بہر حال ! ان کی کامیابی میں مشہور صوفی بزرگ خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م:۴۲۵ھ) کی ذات بابرکات تھی ۔

تاریخی حقائق کے مطابق محمود غزنوی ۱۶ر بار کی ناکامیوں کے بعد ۱۷ر ویں بار بھی جب شکست کھانے لگا تو اضطراب کی حالت میں حضرت خواجہ کا پیراہن مبارک

ہاتھ میں لیکر بارگاہ الٰہی میں یوں ملتجی ہوا: ''الٰہی بآبروئے ایں خرقہ بریں کفار ظفر دہ ہر چہ ازینجا غنیمت بگیرم بدرویشاں بدہم'' یعنی: خدایا اس خرقہ کی آبرو کے صدقے میں مجھے ان کافروں پر فتح عطا کر، مجھے یہاں سے جو مال غنیمت ملے گا درویشوں کو دے دوں گا۔اس ضمن میں روایت بھی بیان کی جاتی ہے کہ ''محمود غزنوی کو اس کے بعد خواب میں خواجہ خرقانی کی زیارت ہوئی تو فرمایا محمود تو نے میرے خرقہ کا بڑا سستا سودا کیا، بخدا !اگر اس کے واسطے سے تو پورے ہند کے داخل اسلام ہوجانے کی دعا کرتا تو اللہ کریم تجھے اس پر بھی مایوس نہ فرماتا۔

(۲) سلطان محمد الفاتح (م:۱۴۸۱ء) نے محض ۲۱ر سال کی عمر میں قسطنطنیہ (جسے آج ترکی کا دارالحکومت ''استنبول'' کہا جاتا ہے) فتح کر کے عیسائیوں کی بازنطینی سلطنت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا تھا۔اس عظیم نوجوان مرد مجاہد نے مسیحیوں کے اس مشہور ومضبوط مرکز اور بازنطینی سلطنت کے اس مستحکم قلعے کو فتح کر کے نبیٔ آخرالزمان ﷺ کی خواہش اور پیشین گوئی کو پورا کر دکھایا۔حضور علیہ السلام نے اپنی زندگی میں فتح قسطنطنیہ کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اس کے فاتحین کو جنت کی بشارت دی تھی۔ قسطنطنیہ فتح کر کے سلطان محمد ثانی نے اسلام کی نامور ہستیوں میں ایک ممتاز شخصیت کی حیثیت اختیار کر لی۔قسطنطنیہ فتح ہوا اور زمانے نے دیکھا کہ بازنطینی سلطنت کے ہزار سالہ غرور اور تکبر کے بت اوندھے پڑے ہوئے ہیں اور قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مقبرے پر ہلالی پرچم کا سایہ ہے۔قسطنطنیہ کی تسخیر عالم اسلام کے لیے مسلمانوں کی جرأت وشجاعت کی یادگار ہے۔

لیکن اس عظیم کامیابی کے پیچھے اصل کردار حضرت آق شمس الدین (م:۱۴۵۹ء) کا نظر آتا ہے۔شیخ شمس الدین کا اصل نام محمد شمس الدین المِلّۃ والدِّین تھا لیکن آق

شمس الدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے۔ شیخ شمس الدین سلطنت عثمانیہ کے صوفی شاعر، حکیم وطبیب، عالم وفقیہ اور سلطان محمد فاتح کے روحانی مرشد اور مشیر خاص بھی تھے۔ سلطنت عثمانیہ میں اُن کی عظمت و جلالت کا دور دورہ تھا کیونکہ انھوں نے سلطان محمد فاتح کے عہد میں صحابیٔ رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی گمشدہ قبر دریافت کی تھی اور فتح قسطنطنیہ (۲۹ رمئی ۱۴۵۳ء) کی پیشگوئی بھی کی تھی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ: جلد ا، صفحہ ۸۸)

(۳) چنگیز خانی طوفان نے جب دنیائے اسلام کو تہ وبالا کر دیا، شہر وقصبے ویران ہو گئے، لوگوں کو قتل کر کے ان کے سروں کے مینار بنا دیئے گئے، بغداد کی آٹھ لاکھ آبادی میں سے چار لاکھ قتل و غارتگری کی بھینٹ چڑھ گئی، علم وحکمت کی کتابوں کا ذخیرہ آگ کی بھٹیوں میں جھونک دیا گیا، علما اور فضلا جب اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے تو اس وقت بھی اس تیز وتند اور سرکش طوفان کا مقابلہ صوفیہ نے کیا۔ انھوں نے اسلام دشمن لوگوں کی اس طرح تربیت کی کہ اسلام کے دشمن، پاسبان اسلام بن گئے۔

اس بات کے تاریخی شواہد موجود ہیں کہ ہلاکو کے بیٹے تگودار خان اور چچازاد بھائی برکہ خان نے اگر اسلام کے دامن میں پناہ لی ہے تو یہ خراسان کے ایک صوفیٔ کامل، اور حضرت صوفی شمس الدین باخوری رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ تاتاریوں کا قبول اسلام تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز، تعجب خیز اور عجیب وغریب انقلاب ہے۔ دنیا آج بھی اس پر ششدر ہے کہ آخر یہ انقلاب آیا تو کیسے؟ مایوسی وناکامی اور غم واندوہ کی تاریکیوں میں ڈوبے مسلمانوں کے اندر صبح یقین کا اجالا پیدا ہو گیا۔ مسلمان ایک نئے حوصلے اور ولولے کے ساتھ تاریخ عالم میں ایک نیا باب رقم کرنے کھڑے ہو گئے۔ ملت اسلامیہ کے عظیم حُدی خواں جناب اقبالؔ کہتے ہیں ؎

تُو نہ مِٹ جائے گا ایران کے مِٹ جانے سے
نشّۂ مے کو تعلّق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مِل گئے کعبے کو صَنَم خانے سے

(۴) برصغیر میں صوفیہ اور مشائخ نے تبلیغ اسلام کے لیے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، وہ مسلم تاریخ کا ایک نہایت روشن باب ہیں۔ مسلم سلاطین ومجاہدین نے اگر علاقے فتح کیے تو صوفیہ اور مشائخ نے تسخیرِ قلوب کا عظیم فریضہ ادا کیا۔ ہندوستان میں عہد سلاطین میں چشتیہ، سہروردیہ اور دورِ مغلیہ میں قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں نے اسلامی تاریخ وتمدن کی تبلیغ کا کام سرانجام دیا۔ پنجاب سے آسام، دہلی سے دکن اور کشمیر سے کابل تک، دور دراز علاقوں میں بھی مشائخ کی اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیوں کے نقوش وآثار بڑی کثرت سے ملتے ہیں۔ تاجدار علم ومعرفت، آفتاب رشدوہدایت، خواجہ خواجگان، ہندالولی، عطائے رسول، حضرت سیدنا ومولانا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (م: ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء) کی انقلاب آفرین شخصیت ہندوستان کی تاریخ میں ایک نہایت ہی زریں باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک طرف آپ کی توجہ اور تبلیغی مساعی سے ظلمت کدۂ ہند میں شمع اسلام کی روشنی پھیل رہی تھی، دلوں کی تاریکیاں دور ہورہی تھیں، ایمان ویقین سے دل منور ہورہے تھے، تو وہیں دوسری طرف یہاں مسلمانوں کا سیاسی غلبہ بھی بڑھ رہا تھا۔ سرکار غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں اور مریدوں میں شامل سلطان شہاب الدین غوری اور اُن کے بعد سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش ایسے بالغ نظر، بلند ہمت اور عادل حکمران سیاسی اقتدار کو مستحکم کررہے تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ اسلام، احیائے دین وملت، نفاذِ

شریعت اور تزکیۂ قلوب واذہان کا اہم ترین فریضہ جس مؤثر اور دل نشین انداز میں انجام دیا وہ اسلامی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد تو اس ملک کی کایا ہی پلٹ گئی۔

سرکار غریب نواز کے اشارے، دعا اور عطا پر شہاب الدین غوری کو ہندوستان میں اپنی سب سے بڑی کامیابی ۱۱۹۲ء میں حاصل ہوئی جب اس نے پرتھوی راج چوہان کو دوسری جنگِ ترائن میں شکست دی۔ اس فتح کے بعد شمالی ہند میں مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد پڑی۔ پھر ۱۲۰۱ء میں باضابطہ ہند کی راجدھانی پر متمکن ہونے والا پہلا خوش نصیب حکمران قطب الدین ایبک بنا، جو غوری کا ایک ترک غلام تھا مگر آہستہ آہستہ اپنی عقل ودانائی، حکمت وبہادری اور ایمان داری وفاداری کی بنیاد پر کمانڈر ان چیف کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا۔ یہ بھی حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی نگاہِ کیمیا سے فیض یاب تھا اور اسی سے برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا جو ۱۸۵۷ء میں جا کر اپنے اختتام کو پہنچا۔

(۵) شمس الدین التمش (م:۱۲۳۶ء) سلطنت دہلی کا تیسرا حکمران اور خاندان غلاماں کا تیسرا بادشاہ، جو قطب الدین ایبک کا غلام تھا اور اس نے ہونہار دیکھ کر اسے اپنا داماد بنالیا تھا۔ ۱۲۱۱ء میں قطب الدین ایبک کے نااہل بیٹے آرام شاہ کو تخت سے اتار کر خود حکمران بن گیا۔ اس نے جس عدل وانصاف، رعایا پروری اور اپنی خاص اسلامی شناخت کے ساتھ جو حکومت کی ہے وہ شہرۂ آفاق اور مثالی ہے۔ یہ بھی خواجہ معین الدین چشتی کے محبوب مرید وخلیفہ اور ان کے جانشین حضرت قطب الاقطاب سیدنا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۲۳۵ء) کا مرید خاص تھا، پیر ومرید کے کئی واقعات زبان زد خاص وعام ہیں، بالخصوص حضرت قطب صاحب کا سخت شرائط کے ساتھ اپنی نمازِ جنازہ پڑھانے کا اعلان، بڑے علما، فضلا اور مشائخ کی موجودگی میں سناٹا چھا جانا اور

روتے ہوئے بادشاہ التمش کا آگے آکر نماز جنازہ پڑھانے کے واقعہ کو کون نہیں جانتا!!۔ یہ سب ایک پیر کامل اور صوفی طریقت کی فیض صحبت کے سوا اور کیا تھا۔

(۶) سلطان غیاث الدین بلبن (م:۱۲۸۷ء) ایک ترک امیر زادہ تھا جو چنگیز خان کے حملے میں گرفتار ہونے کے بعد بغداد میں بطور غلام فروخت ہوا مگر اس کی قسمت کا ستارہ اس طرح جگمگایا کہ ایک بزرگ حضرت جمال الدین بصری نے اسے خرید کر اس کی تربیت کی۔ وہ ہمیشہ باوضو رہتا، علما و مشائخ کو کھانے پر مدعو کرتا۔ اس نے اپنے چالیس سالہ دورِ اقتدار میں ہندوستان میں مسلم حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

(۷) محمد بختیار خلجی (م:۱۲۰۶ء) قطب الدین ایبک کی فوج میں ایک جرنیل تھا، جس نے بہار اور بنگال کے وسیع علاقے مسلم سلطنت میں شامل کیے۔ بنگال کی راجدھانی میں اس نے صرف اٹھارہ سواروں کی مدد سے فتح حاصل کی۔ وہ بنگال کے معروف صوفی بزرگ حضرت عطاء اللہ کے دامنِ کرم سے وابستہ تھا۔ خلجی خاندان کے دور میں مسلم حکومت سارے ہندوستان میں قائم ہوگئی تھی، اس کے علاوہ مبلغین اور مشائخ کرام خطۂ برصغیر کے کونے کونے میں پہنچ چکے تھے۔

(۸) ۱۲۴۵ء میں ناصر الدین محمود، جو ایک درویش طبع انسان تھا، حضرت خواجہ بختیار کاکی اور خواجہ فرید گنج شکر رحمہم اللہ جیسے اکابر صوفیہ کے فیض محبت اور ان کی نسبت سے دہلی کے تخت شاہی کے ساتھ ساتھ بلند روحانی مقام کا بھی حقدار ٹھہرا۔

(۹) علاء الدین خلجی (م:۱۳۱۶ء) قطب الدین خلجی (م:۱۳۲۰ء) غیاث الدین تغلق (م:۱۳۲۵ء) محمد تغلق (م:۱۳۵۱ء) جیسے کروفر کے حکمران، شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (م:۶۶۱ھ) کے جلیل القدر پوتے حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۳۳۵ء) کے معتقد تھے۔

(۱۰) جلال الدین محمد اکبر (م:۱۶۰۵ء) سے لے کر نور الدین جہانگیر (م:۱۶۲۷ء) تک کے عہد میں الحادی قوتوں سے جو شخص نبرد آزما ہوا وہ کوئی اور نہیں بلکہ حضرت خواجہ باقی باللہ (م:۱۰۱۲ھ) کی خانقاہ کا ایک تربیت یافتہ صوفی اور مرد مومن تھا، جسے دنیا نے شیخ احمد سرہندی اور مجدد الف ثانی (م:۱۰۳۴ھ) کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ جن کی جد و جہد کو نظر انداز کر کے اسلامیان ہند کی تاریخ نہیں لکھی جاسکتی۔ علامہ اقبال جیسی عبقری شخصیت نے ان کی مزار پُرانوار پر حاضری دے کر جو خراج عقیدت پیش کیا، وہ پڑھنے، سننے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے، فرماتے ہیں۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفَسِ گرم سے ہے گرمئ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نِگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

ہماری عظمت رفتہ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ دور صحابہ کے بعد جب بھی معاشرے میں علمی، فکری، سیاسی اور اصلاحی انقلاب آیا، اس کے محرک صوفیہ کی جماعت بنی، یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جنھوں نے سوویت روس میں کمیونزم کے لال الحادی طوفان سے اپنی ملت کی حفاظت فرمائی اور سخت پابندیوں کے بعد اسلام پھر اسی آن بان شان کے ساتھ وہاں سے ابھرا۔ صحرائے افریقہ کے ظلمت کدوں میں توحید کی شمع روشن کرنے

والی ذات ان ہی صوفیہ کی ہے۔ مغربی استعمار ونوآبادیات کے خلاف اکثر وبیشتر جہاد کی مہمات چلانے اور قیادت کرنے والے بھی صوفیہ ہی تھے۔ اس ہند کی دھرتی پر ہر چہار جانب بتوں کو پیوند خاک اور خلق خدا کی جبینوں میں خدائے وحدہ لاشریک کے سجدوں کا نور پیدا کرنے والے صوفیہ کے سوا کون ہیں!!۔ ان صوفیہ اور اہل اللہ کی کامیابی وکامرانی کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے حالات ووقت کے مطابق لائحۂ عمل بنایا اور پھر پیش قدمی کی، ان کے طریقۂ کار نے ہر دور میں انھیں مقبول بنایا اور سماج میں ان کے بے پناہ اثرات کل بھی تھے، آج بھی ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔

انگریزوں نے ۳؍ مارچ ۱۹۲۴ء کو ترکی میں خلافت عثمانیہ کو مکمل ختم کر کے اپنے پروردہ اور زرخرید غلام ''مصطفی کمال پاشا'' کو مسلمانوں کے اوپر مسلط کر دیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا جسے ''کمال اتاترک'' بھی کہا جاتا ہے اس نے اپنے آقاؤں کی سپرد کی گئی خدمات کو بجالاتے ہوئے ترکی کو ایک سیکولر اسٹیٹ قرار دیا، جمہوری نظام حکومت کا اعلان کیا اور اسلام کے ایک ایک شعار کو مٹانے کے مہم پر لگ گیا، قرآن کریم پڑھنے اور پڑھانے پر پابندی، عربی میں اذان پر پابندی، نماز کی ادائیگی پر پابندی، حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس عربی تحریر کا ایک لفظ بھی ملتا تو اس پر بھی اُسے سزا ملتی۔ ترکی قوم پر یہ ظلم وجبر تقریباً ستر سال تک مسلط رہا، یہاں تک کہ ۱۹۹۵ء میں نجم الدین اربکان کے دور حکومت میں عوام کو کچھ سکون واطمینان ملنا شروع ہوا تو ۱۹۹۶ء میں اس کی حکومت کو فوج کے ذریعہ چلتا کیا گیا اور اس کی پارٹی پر پابندی لگادی گئی۔ اسی کی جماعت کے ایک فرد ترکی کے موجودہ صدر رجب طیب اردوغان ہیں، جنھوں نے بڑی ذہانت، فطانت، صبر وتحمل، بردباری، حوصلہ مندی، جرأت وبہادری، بڑی حکمت ودانائی اور خاموشی سے اپنی عوام کی اسلامی اصولوں پر ذہن سازی اور جماعت سازی کر کے خدمت خلق اور قومی ترقی کے ذریعہ اپنے ملک کو اس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ دلا دیا۔

اس کامیابی کے پیچھے اصل کارنامہ حضرت صوفی شیخ محمود آفندی رحمۃ اللہ علیہ(۱۹۲۹ء-۲۰۲۲ء) کا ہے۔جوایک عالم ربانی،صوفی شیخ ،نقشبندی سلسلے کے بااثر رہنمااور جامع اسماعیل آغا کے امام تھے۔ان جیسی شخصیات کے خدمات دین اور قربانیوں کوجاننے اور دیدۂ دل سے پڑھنے کی ضرورت ہے۔ترکی میں جب اسلام کومٹانے کی مہم چل رہی تھی ،اس وقت آپ کی کوششوں سے ہزاروں کی تعداد میں حفاظ قرآن کریم تیار ہوئے ،دسیوں ہزار طلبہ و طالبات کو اسلامی نہج پر تربیت دی گئی ،بڑی حکمت ، تدبر اور پوشیدگی کے ساتھ اپنے مریدومعتقدین کے اندراسلام کی روح کو برقرار رکھا۔آپ نے کئی کتب بھی تالیف فرمائیں۔مصطفیٰ کمال پاشا کے ذریعہ لائے ہوئے اسلام مخالف طوفانوں کا رخ موڑ دینے والی اس آہنی شخصیت کاصرف ایک کارنامہ لاکھوں پر بھاری ہے کہ انھوں نے اپنے دست گرفتہ حافظ طیب اردوغان کو منصب صدارت تک پہنچاکرترکی کواس کاسنہرا ماضی واپس کردیا۔جناب اقبالؔ نے کیاخوب کہاہے ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اسی طرح گذشتہ سال ۳۱رجولائی ۲۰۲۴ءکواسرائیلی دہشت گردوں نے خدمت اسلام کے پاداش میں اسلام کے ایک اور عظیم سپوت کوشہید کردیا۔جنھیں دنیا مجاہد جلیل،بطل حریت، مسجداقصیٰ کے تحفظ کاعظیم سپاہی ،شیخ اسماعیل عبدالسلام احمد ہانیہ کے نام سے جانتی اور پہچانتی تھی۔الشیخ اسماعیل ہانیہ ایک حافظ و عالم، فلسطینی سیاست داں اورحماس کے مرکزی سیاسی رہنما تھے۔وہیں سلسلۂ عالیہ شاذلیہ سے ان کاتعلق تھا، فقہ میں امام شافعی کے مقلد تھے۔مشہورٹی وی چینل ''الجزیزہ'' پردیئے گئے اپنے انٹرویو میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کے قریب روحانی درس گاہ یعنی خانقاہ تھی،ہم بچپن میں ان

محافل ذکر میں شرکت کرتے تھے، تعزیت یعنی قل خوانی کی محافل میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا، اسی طرح محافل میلاد ہوتی تھی۔ والد گرامی گھر کے پاس والی مسجد میں اذان بھی دیتے تھے سب کو نماز فجر سے پہلے اٹھاتے، ہم سب ان کے ساتھ نماز فجر ادا کرتے تھے۔ پتہ چلا کہ انھیں جذبہ ایمانی اور شوق شہادت اتفاقیہ نہیں مل گیا بلکہ گھر اور خانقاہ، باپ اور شیخ کے ذریعہ ان کی خاص تربیت ہوئی تھی۔ اسی تربیت نے انہیں نکھار کر دنیا و آخرت میں سرخرو کر دیا۔ انہیں سمجھنے کے لیے ان کا صرف ایک قول کافی ہے۔ کہتے ہیں: ''ہم وہ لوگ ہیں جو موت اسی طرح پسند کرتے ہیں جیسے ہمارے دشمن زندگی سے پیار کرتے ہیں''۔

اسماعیل ہانیہ کے اس قول کو پڑھ کر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ وعلیہ السلام کا جملہ یاد آگیا: میں (راہ حق میں) مرنے کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو ننگ و عار شمار کرتا ہوں۔

جہاں اس امت میں ضمیر بیچنے والوں اور ایمان فروشوں کی کمی نہیں، وہیں اسی امت میں اسماعیل ہانیہ جیسے نڈر، بے باک، راہِ حق میں سب کچھ لٹا دینے والے سرفروش بھی موجود ہیں۔ یہی رجال دین اس امت کا سرمایہ ہیں۔ جو اپنی قوم، ملت، اصول اور دین کے لیے شہادت کو ایک اعزاز سمجھ کر گلے لگاتے ہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

تاریخ کے صفحات پر ایسے ہزارہا واقعات جابجا بکھرے ہوئے مل جائیں گے کہ جب سخت ترین ماحول میں صوفیہ یا ان کے تربیت یافتہ افراد نے ذمہ داری کی کمان سنبھالی اور مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کے کھیون ہار بن گئے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی (م:۱۹۹۷ء) نے اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں ایک مشہور مستشرق پروفیسر ایچ،

اے، آر، گِب (H.A.R.GIBB) کی تقریر کا ایک اقتباس نقل کیا ہے، جسے میں یہاں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں:

تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا، اور اس کو اتنی قوت وتوانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔ (تاریخ مشائخ چشت: جلد اول، ص:۴۶)

سید محمد فاروق القادری لکھتے ہیں: یہی وجہ ہے کہ مسلمان حکومتوں کے عروج وزوال کی حیرت ناک داستانیں اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں۔ ایک صوفی خدا سے لو لگائے، من کی دنیا آباد کیے، اپنے کام سے کام رکھتا ہے اگر صوفیہ کا حسن عمل اور اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی کا نصب العین مسلمانوں کی تاریخ کا حصہ نہ ہوتا تو مسلمان برصغیر ایسے دور دراز ممالک میں سے اقتدار کے خاتمے کے بعد اسپین کی طرح کب کا بوریا بستر لپیٹ چکے ہوتے۔ (پیش لفظ: روح تصوف، ص:۱۳)

اگر اب بھی کوئی صوفیہ پر زبان طعن دراز کرتا ہے، اپنی خشک ظاہری دین داری پر غرہ ہے اور نمائشی تبلیغ دین پر نازاں ہے تو ایسوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

کل بروز محشر فیصلہ ہوجائے گا کہ کس نے فلاح پائی اور کون ناکام ونامراد ہوا۔ یہ چند مثالیں تو صرف اتمام حجت کے لیے پیش کی گئیں ہیں ورنہ اس موضوع کی تفصیلات کے لیے ایک دفتر درکار ہوگا۔

تعلیمات صوفیہ: سکون و کامیابی کی ضمانت

اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی میں محبت و الفت کی چاشنی اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی، جب تک بندے کو اپنے خالق و مالک کی حقیقی معرفت حاصل نہ ہو۔ اس کی رحمت و قربت سے آگہی نہ ہو۔ اس کی شان بندہ نوازی کا اسے ادراک نہ ہو۔ قرآن مجید میں اسی لیے مختلف مقامات پر ایسے ارشادات موجود ہیں جس سے بندے کو اللہ جل شانہ کی کرم نوازی کا پتہ چلتا ہے، مثلاً

۱۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ:۱۱۵) تو تم جدھر منہ کرو ادھر ہی اللہ کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے۔

۲۔ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ (النسا:۱۰۸) اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ اللہ اُس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔

۳۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (البقرہ:۱۸۶) اور اے حبیب! جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو بیشک میں نزدیک ہوں۔

۴۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ (الحدید:۵) اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔

۵۔ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ق:۱۶) اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

یہ چند آیات بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن میں غور و فکر سے پتہ چلتا ہے کہ تصوف کا اصل موضوع بندے کا خدا سے قرب، تعلق اور رابطے کا مضبوط سے مضبوط تر کرنا ہے۔ یہ بات

جب بندے کو سمجھ میں آجاتی ہے تو اپنے خالق و مالک کی خوشنودی اور رضامندی کا سودا اس کے سر میں سما جاتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا اور مرنا جینا سب اسی ایک ذات کے لیے مختص ہوتا ہے۔ بندہ اسی وحدہ لاشریک کی یاد اور اس کے ذکر وفکر میں ڈوب جاتا ہے۔

تعلیمات صوفیہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ حب الٰہی، رضائے مولیٰ، اتباع رسول، اخلاص نیت، احتساب خودی، اخلاق حسنہ اور خدمت خلق تصوف کے بنیادی شرائط ہیں۔ ساتھ ہی توبہ واستغفار، زہد وورع، تقوی وطہارت، صبر وتوکل، رشد وہدایت اور فکر آخرت ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ آنے والی سطروں میں ان صوفیہ اور بزرگوں کے اقوال وافعال کے حوالے سے چند باتیں بطور سبق پیش کی جائیں گی۔

ایک صوفی صافی بندۂ مومن کے دل میں چوں کہ نور ہوتا ہے اس لیے وہ بخشش پر اعتماد کر کے نہیں بیٹھتا بلکہ چھوٹے گناہ پر یقین کرتا ہے اور چھوٹے سے گناہ کو پہاڑ سمجھ کر اس کی ہلاکت انگیزی سے ڈرتا ہے، اور فاجر شخص کو چونکہ اللہ کی بابت بہت معمولی معرفت ہوتی ہے اس لیے وہ اللہ سے بہت کم ڈرتا ہے اور گناہ کو معمولی اور حقیر سمجھتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَأَنَّهُ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ، وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرَى ذُنُوبَهُ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلَى أَنْفِهِ فَقَالَ بِهِ هَكَذَا ''ایک مومن اپنے گناہوں کو یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ کسی پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ یہ ابھی مجھ پر گر پڑے گا (اور میں ہلاک ہو جاؤں گا) جبکہ ایک فاجر اپنے گناہوں کو یوں محسوس کرتا ہے جیسے ایک مکھی اڑتے اڑتے اس کی ناک پر آکر بیٹھی اور اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ اڑ کر چلی گئی''۔ (صحیح البخاری: ۶۳۰۸)

چنانچہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت جنھیں ''رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ'' کی سند عطا فرمادی گئی، پھر ان میں دس وہ خاص جنھیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی زبان

اقدس سے جنت کا مژدہ عطا فرمایا، عشرۂ مبشرہ کا منصب جن کا طرۂ امتیاز ہے، تقوی وطہارت جن کے رگ وریشے میں رچی بسی تھی، مگر حال یہ ہے کہ رات کی تنہائی میں جب زمانہ محو خواب ہوتا یہ اپنے رب کے حضور آہ وفغاں اور گریہ وزاری میں مشغول رہتے، روز قیامت اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے ان پر کپکپی طاری رہتی اور ہر دم ان کی زندگی خود کے محاسبے میں گذرا کرتی تھی۔

اپنے رب کا قرب اور مولیٰ کی رضا جوئی کے لیے صحابہ کرام کے اسی طریق پر صوفیہ کرام نے اپنی زندگی گذاری۔ اپنے مریدین، متوسلین اور محبین کی بھی اسی نہج پر تربیت فرمائی۔ صوفیہ کے نزدیک کسی بھی حال میں خدا سے بے خوفی کی اجازت نہیں، وہ ہمہ وقت خود احتسابی کا درس میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ (م:۸۵۱ء) فرماتے ہیں، تو کسی نیک جگہ پر دھوکہ نہ کھا کیوں کہ جنت سے بڑھ کر کوئی نیک جگہ نہیں ہوسکتی، پھر بھی اس میں حضرت آدم علیہ السلام پر جو گذری سو گذری، نہ کثرت عبادت پر غرور کر، کیونکہ ابلیس کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی اس قدر طویل عبادت کے بعد ہوا، صالحین کی صحبت و دیدار پر بھی بھروسہ نہ کر کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کس کی شان ہوسکتی ہے؟ مگر آپ کے رشتہ دار آپ کے دیدار سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ (روح تصوف:۱۸۲)

اللہ اکبر! غور کریں کہ کس درجے کی نصیحت اور سبق ہے، اس طرح کی محفلوں اور صحبتوں کا فیض پانے والا کیا خود کو چھوڑ کر کسی اور کا محاسبہ کرسکتا ہے۔ اسی طرح مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ (م:۷۸۲ھ) اپنے ایک مرید کو خط لکھتے ہیں: اے بھائی! اس جماعت صوفیہ کی یہ روش ہے کہ اپنے بارے میں بدگماں اور دوسروں کے حق میں خوش گماں رہتے ہیں، خود کو دنیا آخرت میں کسی چیز کے لائق نہیں سمجھتے۔ جب قرآن وحدیث میں وعدے یعنی خوش خبریاں سنتے ہیں یہاں کے لیے ہو یا

قیامت کے لیے تو ان تمام خوش خبریوں کا مستحق دوسروں کو سمجھتے ہیں اور جب وعید یعنی عذاب کی دھمکیاں سنتے ہیں تو ان سب کو اپنے حق میں جانتے ہیں۔ ایسا کہ جو بھی انہیں دیکھے وہ یہ گمان کرنے لگے کہ یہ بالکل ناامید ہو گئے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: ایک مرید نے اپنے پیر سے پوچھا کل قیامت کے دن آپ کو کہاں ڈھونڈھوں؟ کہا، پل صراط پر، پھر پوچھا اگر وہاں نہ پاؤں؟ کہا اگر وہاں نہ ہوں تو دوزخ میں پتہ لگانا۔ پوچھا، اگر وہاں بھی نہ ملے تو؟ انہوں نے فرمایا دوزخ میں نہ ہوں گا تو پھر بہشت ہی میں رہوں گا۔ حضرت خواجہ سفیان ثوری رحمہ اللہ علیہ سے عرفہ کے روز لوگوں نے پوچھا اے بزرگ محترم! آج عرفات کے میدان میں جو لوگ ہیں ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ان تمام اہل عرفات میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا ہو کہ جو بخشا نہ گیا ہو، تو یہ میرے ادبار کی وجہ سے ہوگا، کیونکہ ان کے درمیان میں ہوں۔ بزرگوں کا قول ہے حقیقتاً بندہ کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے کہ اگر مخلوق پر آسمان سے بلا کا نزول ہو تو وہ یہ یقین کرے کہ یہ سب میری ہی بدبختی کے سبب سے ہے۔ اور اگر دینی یا دنیاوی نیکیاں اور بھلائیاں اس پر پہنچیں تو یہ گمان کرے کہ یہ سب خیر و برکت اور لوگوں کے طفیل سے ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا۔ آدمی برا کب بن جاتا ہے؟ فرمایا جب خود کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ (مکتوبات دوصدی: مکتوب نمبر: ۹)

سید الطائفہ حضرت شیخ جنید بغدادی (م: ۲۹۷ھ) کے حقیقی ماموں اور مرشد طریقت حضرت شیخ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۲۵۱ھ) فرماتے ہیں کہ میں روزانہ اپنے چہرے کو دیکھتا ہوں کہ کہیں روسیاہ تو نہیں ہو گیا ہوں۔ متعدد بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں بغداد کے علاوہ کسی اور شہر میں مرنا چاہتا ہوں، پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری قبر مجھے قبول نہ کرے تو رسوا نہ ہو جاؤں۔ (روح تصوف، ص: ۱۸۴)

یہ تھے ہمارے صوفیہ اور بزرگان دین جو ہمہ وقت خود احتسابی اور خوف خداوندی سے لرزا کرتے تھے۔ مگر آج ہم میں کا ہر شخص خود ستائی اور خودنمائی کے مرض میں مبتلا ہے۔ خود کو چھوڑ کر دوسروں کے احتساب میں مشغول ہیں۔

قرآن وحدیث اور تعلیمات صوفیہ کی روشنی میں ہم ذرا اپنا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ: ہمیں آسانیوں کا حکم دیا گیا مگر ہم سخت مزاج بن گئے۔ ہمیں نرم مزاجی کا درس دیا گیا مگر ہم متشدد بن گئے۔ ہمیں خوش گمان بننے کی تعلیم دی گئی مگر ہم بدگمان ہو گئے۔ ہمیں اپنی زبانوں کی حفاظت کی اہمیت بتائی گئی مگر ہماری زبانیں بے لگام ہو گئیں۔ ہمیں عیب پوشی کا سبق پڑھایا گیا مگر ہم عیب جویاں بن گئے۔ ہمیں لوگوں کا نام بگاڑنے سے منع کیا گیا مگر ہم نام بگاڑو بن گئے۔ ہمیں صلح مزاجی سکھائی گئی مگر ہم جھگڑالو ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ہمیں داعی کا منصب دیا مگر قسمت کی ستم ظریفی یہ کہ ہم نے خود کو داروغہ بنا لیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کا یہ بڑا ناصحانہ شعر ہے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

ہمارے گرتے اقدار و اخلاقیات سماج کے لیے ناسور بنتے جا رہے ہیں۔ گالی گلوج، تمسخر و طنز، برے القابات، سخت دلی، بدمزاجی، کینہ و تعصب، خود پسندی، بدنیتی، سستی و مایوسی، لاپرواہی و خود غرضی، نفسانیت و انانیت، بدگمانی و تجسس، گروہ بندی، نفرت انگیزی، احساس کمتری اور برتری، لعن وطعن، فتنہ و فساد، لاف زنی، فحش گوئی، خوشامد و چاپلوسی، شہوت و غصہ، کفران نعمت، بدنگاہی اور بداندیشی، لغویات و عجلت اور ان جیسے

حرام، مضر اور غیر مفید کاموں میں ہمارے شب و روز گذر رہے ہیں۔

آج ارباب علم و دانش کی بھر مار ہے مگر بے عملی کا گراف بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جلسے، تقریریں، تحریر و لٹریچر، درس و تدریس، تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف کا آج ایک ذخیرہ ہے مگر عمل سے اتنی ہی دوری ہے۔ دینی مسائل کی اشاعت کثرت سے ہے، لیکن باوجود اس کے ہم دین کی روح سے کوسوں دور ہیں۔ ارباب حل و عقد اور قائدین ملت اسلامیہ کو اس پر زیادہ غور کرنا چاہیے کہ ہماری خود کی ذات میں کس قدر دین ہے!!۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ دین نہ کسی لباس کا نام ہے، نہ وضع قطع اور حلیہ کا نام ہے، نہ ڈگریوں اور اسناد کا نام ہے، نہ تقریر و تحریر کا نام ہے، نہ منصب افتا و قضا کا نام ہے، بلکہ اللہ و رسول کے فرامین پر مکمل عمل کا نام دین ہے۔ قیامت کے دن تو ہم سے یہی پوچھا جائے گا تو نے کیا علم سیکھا اور اس پر کتنا عمل کیا؟ ''وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ'' (سنن ترمذی:۲۴۱۷) ورنہ بقول شاعر کیفیت یہ ہوگی:

شیخ آئے جو محشر میں اعمال ندارد
جس مال کے تاجر تھے وہ مال ندارد

صوفیہ اور بزرگان دین ہر کام میں مقصد کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک علم بغیر عمل کے صرف الفاظ کا گورکھ دھندہ ہے، وہ ''عمل'' کے لیے جتنا ''علم'' کو ضروری سمجھتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ''علم'' کے لیے ''عمل'' ان کے نزدیک اہم ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے ''مکارم اخلاق'' پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''شیخ ابو سعید ابو الخیر اور بو علی سینا کی ملاقات ہوئی، رخصت ہونے سے قبل بو علی سینا نے ایک صوفی سے جو حضرت شیخ کے کے ملازموں میں سے تھا یہ فرمائش کی، کہ جب میں حضرت شیخ کے یہاں سے رخصت ہو جاؤں تو پھر وہ جو کچھ میرے بارے میں کہیں تم مجھے لکھ بھیجنا۔ بو علی سینا چلے گئے مگر حضرت شیخ نے ان کا

کوئی ذکر نہ کیا، ان کے بارے میں اچھی یا بری کسی قسم کی رائے کا اظہار نہ فرمایا، چنانچہ ایک روز اس صوفی نے پوچھ ہی لیا کہ بوعلی سینا کیسا آدمی ہے؟ حضرت شیخ نے جواب دیا: وہ ایک فیلسوف شخص ہے، طبیب ہے، بڑا عالم بھی ہے البتہ مکارم اخلاق کا مالک نہیں، (اما مکارم اخلاق ندارد) اس صوفی نے یہ بات بوعلی سینا کو لکھ بھیجی، بوعلی سینا نے حضرت شیخ کی خدمت میں کچھ تحریر کیا، جس میں یہ بھی مذکور تھا کہ میں نے اتنی کتابیں ''مکارم اخلاق'' کے موضوع پر لکھی ہیں، پھر حضرت شیخ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں ''مکارم اخلاق'' کا مالک نہیں، حضرت شیخ نے تبسم فرمایا اور گویا ہوئے، میں نے تو یہ نہیں کہا کہ ''بوعلی سینا مکارم اخلاق جانتا نہیں'' (من نگفتہ ام کہ بوعلی مکارم اخلاق نداند) میں نے تو یہ کہا ہے کہ (مکارم اخلاق ندارد) ''وہ مکارم اخلاق کا مالک نہیں''۔ (فوائد الفواد، ترجمہ پروفیسر محمد سرور، ص:۳۶۱)

''مکتوبات امام ربانی'' میں ہے کہ امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۰۳۴ھ) کے ایک خلیفہ نے آپ کو خط لکھتے ہوئے اپنے اصلاحی اور ملی کارنامے شمار کرائے کہ: آج کل میں وعظ بھی کہہ رہا ہوں، درس وتدریس بھی کر رہا ہوں، تصنیف وتالیف بھی جاری ہے..... وغیرہ وغیرہ۔ حضرت مجدد صاحب نے جواب میں عجیب بات فرمائی، جو ہم سب کے لیے حد درجہ قابلِ توجہ ہے، فرمایا کہ: میاں! یہ سب تو تم دوسروں کا کام کر رہے ہو؟ اور اس طرح کی خدمات تو اللہ تعالیٰ ''رجلِ فاجر'' سے بھی لے لیتا ہے۔ تم تو یہ بتاؤ کہ تمھارے ذاتی اعمال اور احوال کیسے چل رہے ہیں، تزکیۂ قلب اور اصلاحِ نفس کا معاملہ کیسا ہے، ذکر وفکر کی کیفیت کیا ہے؟۔ اسی طرح حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب کا یہ جملہ بڑا مشہور، قیمتی اور سبق آموز ہے کہ ''میرے بھائی! آخرت میں جو چیز کام نہ آئے وہ سب دنیا ہے۔

ان صوفیہ اور بزرگوں کے اقوال، افعال اور احوال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر آج

ہم اپنے حالات کا جائزہ لیتے ہیں، تو معاملہ نہایت نازک نظر آتا ہے۔ کیوں کہ جس علم کا مقصد ومحور اپنی فکر اور اصلاح ہونا چاہیے، وہ صرف دوسروں کے لیے وقف ہو چکا ہے۔

بندے کو اپنی فکر کرنی چاہیے

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م:۵۰۵ھ) ایمان وکفر اور حق وضلالت پر بحث ومباحثہ اور فیصلے سنانے والوں کی حقیقت اور مذمت بیان کرتے ہوئے اخیر میں یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ”عزیز من! تم اپنے کام سے کام رکھو اور ان لوگوں کے چکر میں اپنی عمر کا باقی حصہ ضائع مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰى عَنۡ ذِكۡرِنَا وَلَمۡ يُرِدۡ اِلَّا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا ؕ ذٰلِكَ مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اهۡتَدٰى (النجم:۲۹) اس شخص سے اعراض کرو جو ہمارے ذکر سے روگرداں ہے اور جس کا مطلوب فقط دنیوی زندگی ہے، یہی اس کا مبلغ علم ہے۔ یقیناً تمہارا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور اسے بھی بخوبی جانتا ہے جس نے راہ پالی۔ (التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ، اردو ترجمہ، مولانا دلشاد قادری، خانقاہ قادریہ بدایوں: ص:۲۰/۲۱)

آج ہمارا علم نفع بخش ہونے کے بجائے امت میں افتراق وانتشار اور فتنہ گری کا سامان بن چکا ہے۔ عام عوام اس سے فساد کا شکار ہو رہی ہے۔ پڑھے لکھے سنجیدہ لوگ علما بیزار ہو رہے ہیں۔ خدانخواستہ اگر کوئی علما کے کردار وعمل کی وجہ کر دین سے دور ہو گیا تو پھر اس عالم دین کا کیا بنے گا!! ایسے تمام لوگ جو اپنے علم کا غلط استعمال کر رہے ہیں، انھیں گوشۂ تنہائی میں اپنے کردار وعمل کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ان کی ذات سے کتنوں کو فائدہ پہنچا اور کتنوں کو نقصان!! اللہ کے رسول کے اس فرمان کو ہمیں حرز جاں بنانے کی ضرورت ہے کہ ”خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس“ یعنی لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع

پہنچائے۔ (کنزالعمال، حدیث: ۷۱۴۴۴)

ماضی میں علمائے دین حصول علم کے بعد کسی خانقاہ نشین صوفی بزرگ سے منسلک ہو جایا کرتے تھے۔ اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کے ذریعہ اپنے پندار علم کو ختم کرتے تو ان کا علم نافع ہوتا اور ایک زمانہ ان سے فیض پاتا تھا۔ اس کی متعدد مثالیں پیش کی جا چکیں۔

ہم سب کو روحانی ترقی کے لیے تھوڑا سا وقت نکال کر روزانہ اپنی کارکردگی کا جائزہ لینا چاہیے۔ قول و فعل کا تضاد پریشانی اور بے اطمینانی کو جنم دیتا ہے، اس سے پرہیز لازمی ہے۔ حقیقی سکون اللہ کو ہر وقت یاد رکھنے اور اس کے ساتھ تعلق استوار کرنے میں ہے۔ بدگمانی سے پرہیز اور نیکوں کی صحبت کے متلاشی رہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک نیک دل انسان جو بظاہر کوئی شان نہیں رکھتا، اس کی صحبت ہی اثر کر جائے۔ اس لیے ایسے لوگوں کی بھی قدر اور ان سے دعا کی درخواست کریں۔ صوفیہ کے مکتوبات وملفوظات کے مطالعے سے بھی ان کی صحبت کا فیض ملتا ہے۔ رضائے الٰہی کا جذبہ اور حسن عمل کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔ کبر وغرور نکلتا ہے اور عاجزی وانکساری آتی ہے۔

ہم اس نبی پاک ﷺ کے امتی ہیں کہ جنھوں نے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی فرمائی اور آپ کی کتاب زندگی کا ہر ہر ورق ہمارے لیے نمونہ ہے۔ حضور علیہ السلام کے عجز وانکسار کا عالم یہ تھا کہ حضرت بلال جو مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے ان کو دیکھتے تو آگے بڑھتے اور فرماتے اے بلال! محمد کے لیے دعا کرو اور جب بلال رضی اللہ عنہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو نبی اکرم ﷺ آمین کہتے۔ (مکتوبات دوصدی: مکتوب نمبر: ۹)

اللہ اکبر! زمانہ جس کے در کا بھکاری اور نظر کرم کا محتاج ہو، اللہ جل شانہ کی رضا جس کی رضا میں شامل ہو، اس کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے معمولی غلام کو بھی حقیر نہیں سمجھتا اور ان سے دعائیں کرا کے امت کے لیے نمونہ پیش کرتا ہے۔

صوفیہ عاجزی، فروتنی اور خودی کو مٹانے کے لیے اسی انکسار کا پیکر نظر آتے ہیں، تا کہ انھیں اللہ سے قربت حاصل ہو سکے۔ یہ تصوف کا ایک بنیادی پہلو ہے، جس میں انسان اپنے نفس کو مٹا کر، دنیاوی خواہشات سے کنارہ کش ہو کر، خاکساری کے ذریعہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عجز و انکسار صوفیہ کے نزدیک وہ راستہ ہے جس سے انسان اللہ کے قریب ہوتا ہے۔ عجز و انکسار سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور یہ ایسا عمل ہے کہ جس سے غرور و تکبر کا خمار دل و دماغ سے نکل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاے کرام اپنے مریدین و معتقدین کے ساتھ منکسر المزاج ہوتے اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان سے خود کے لیے دعائیں کرواتے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام کے عکس جمیل، مقام محبوبیت پر فائز، عظیم صوفی بزرگ، محبوب الٰہی سیدنا خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ علیہ (م:۷۲۵ھ) اکثر اپنے چہیتے مرید کے بارے فرمایا کرتے تھے کہ ''خدا پوچھے گا نظام الدین میرے لیے کیا لائے تو کہہ دوں گا یا اللہ! "خسرو کے دل کا سوز" لایا ہوں۔ حضرت محبوب الٰہی جب دعا مانگتے تھے تو حضرت امیر خسرو کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے: الٰہی بہ سوز سینہ این ترک مرا ببخش (اے اللہ اس ترک کے دل کی آگ کے صدقہ میں مجھے بخش دے) جو اپنی حقیت و ماہیت کو جان لیتا ہے وہ اپنے رب کے حضور جھکتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ'' جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ خدا کو پہچاننے کے لیے، خودی کی معرفت سب سے پہلے ضروری ہے۔ جناب اقبالؔ نے اسی کو اپنے انداز میں کہتے ہیں ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

تصوف اور مدارس اسلامیہ

آج جب کہ عملی طور پر تصوف اور صوفیانہ روش سے ہم بہت دور ہو چکے ہیں۔ مادیت پرستی نے سکون وقرار ہماری زندگی سے چھین لیا ہے۔ ہماری زندگی کا ہر شعبہ دنیاوی چکا چوندھ سے متأثر ہے۔ ان حالات میں وقت کا جبری تقاضا ہے کہ تصوف کو مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے۔ ماضی میں صدیوں تک یہ سلسلہ کسی نہ کسی طرح چل بھی رہا تھا مگر ملا نظام الدین سہالوی (م:۱۷۴۸ء) نے اپنے نصاب میں تصوف کو بطور مضمون شامل نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ اس دور کے مدارس اسلامیہ کا ماحول خود عملی تصوف کا تھا اور علما کسی نہ کسی مرشد کامل سے وابستہ ہو کر از خود اپنی تربیت پر خاص توجہ دیتے تھے۔ لیکن اب حالات بالکل بدل چکے ہیں، نہ مدارس میں وہ ماحول ہے اور نہ ہی خانقاہوں میں اب وہ شیوخ نظر آتے ہیں:

ع وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

ان حالات میں تصوف اور تعلیمات صوفیہ کو نصاب کا حصہ بنایا جانا لازمی ہو چکا ہے تاکہ نور علم سے کور باطنی کا خاتمہ ہو سکے۔ یہ آواز برسوں سے بڑی شخصیات کی جانب سے بھی اٹھ رہی ہیں، مگر نہ جانے کیوں ذمہ داران مدارس کی اس طرف بالکل توجہ نہیں ہوتی۔ ماضی قریب میں جماعت اہل سنت کے ایک ممتاز عالم دین علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ (م:۲۰۰۷ء) اس حوالے سے لکھتے ہیں: "لمبے چوڑے نصاب پڑھنے، کئی کئی گھنٹوں پر پھیلی ہوئی تقریریں سننے کا کیا فائدہ؟ اگر خداوند قدوس کے کارساز اور رزاق مطلق ہونے کا ہمیں یقین نہیں ہے، اگر ہمارے دل خشیت الٰہی سے معمور نہیں ہیں، اگر ہمیں ایک ایک عمل پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہونے کا احساس نہیں ہے۔ اگر ہمارے اندر قوت عمل بیدار نہیں ہوتی اور اگر مؤذن کی آواز ہمیں عملاً لبیک کہنے پر مجبور نہیں کرتی۔"

تصوف کے خارج از نصاب ہونے کے نقصان پر آپ مزید لکھتے ہیں: "ایک وقت تھا جب مشائخ تصوف کی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھایا کرتے تھے، آج ہمارے نصاب سے تصوف کو خارج کر دیا گیا، ایسے میں ذوق عبادت اور جذبۂ اطاعت کہاں سے پیدا ہوگا؟ ہمیں احیاء العلوم، کشف المحجوب، الفتح الربانی، رسالہ قشیریہ، ارشاد المسترشدین اور مکتوبات امام ربانی، ایسی کتابوں کو شامل درس کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہم خشک ملّا تو تیار کرسکیں گے، ایسے افراد ہرگز تیار نہ کرسکیں گے جن کی گفتگو میں اپیل کرنے والی صلاحیت، جو تقوی وطہارت کے پیکر ہوں اور جن کی نجی محفلیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر اور تعلیمات کے بیان سے آراستہ ہوں۔ (مقالات شرف قادری، ص:۳۵۷)

ہوسکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ تصوف ''قال'' نہیں ''حال'' کا نام ہے تو تصوف کی صرف کتابیں پڑھنے سے کیا فائدہ ہوگا!!۔ اس حوالے سے سلطان المحققین حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحریر چشم دل سے پڑھنے کے لائق ہے:

اے بھائی! اپنے اوراد وظائف کی پابندی کا خاص خیال رکھو، کسی حال میں ناغہ نہ ہونے دو، اور نہ کسی طرح کی کمی ہونے پائے، مشائخ کی تصنیفات ومکتوبات کے مطالعے کا معمول بھی ہرگز ہرگز ترک نہ ہونے پائے۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ جب ہمارے معاملات مشائخ کے جیسے نہیں تو پھر ان کے کلمات کو پڑھنے اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے کیا فائدہ پہنچے گا؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ مشائخ کے کلمات روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں۔ اگر اس کا مطالعہ کرنے والا مرد ہوگا تو شیر مرد بن جائے گا، اور نامرد ہوگا تو مرد ہو جائے گا۔ لوگوں نے کسی بزرگ سے پوچھا اگر ایسا زمانہ آجائے کہ بزرگان دین نایاب ہو جائیں اور ان کی صحبت میسر نہ ہو تو اس وقت ہم لوگ کیا کریں؟۔ انھوں نے فرمایا کہ ایسے وقت میں ان کی کتابوں کا ایک جز وروزانہ پڑھ لیا کرو۔ (فوائد رکنی، ص:۷۵)

نہ جانے کتنی ایسی مثالیں ہیں کہ کتابوں کے مطالعے نے انسان کو اچھا یا برا بنا دیا ہے۔ کیوں کہ بندہ جب کتاب پڑھتا ہے تو اس کے مصنف اور مؤلف سے ذہنی طور پر

قریب ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن وحدیث اور بزرگوں کی سیرت وتعلیمات پر مبنی کتابوں نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کی دل کی دنیا بدلی ہے، وہیں مخرب اخلاق کتابوں نے بھی سینکڑوں ہزاروں کو گمراہی کے قعر مذلت میں دھکیل دیا ہے۔

جلب زر اور حصول دنیا کے اس مقابلہ آرائی بھرے دور میں جب علما ومشائخ بھی اس کے زد میں ہیں، تصوف اور صوفیہ کی سیرت ہمارے لیے ایک روشنی کا مینار ہے ان کے صبر وتوکل اور اللہ کی ذات پر یقین کی داستان پڑھ کر دل ودماغ روشن ہوجاتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی امام کے پیچھے نماز پڑھی، بعد از فراغت امام نے پوچھا یا حضرت! آپ مانگتے بھی کسی سے نہیں اور کرتے بھی کچھ نہیں تو گذر بسر کیسے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو میں نماز کا اعادہ کرلوں کیوں کہ جو اپنے رازق کو نہیں پہچانتا اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ (روح تصوف، ص: ۱۶۳)

اسی طرح سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ تصوف کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا: ''توکل'' ہی تصوف ہے۔ یعنی جو اللہ پر توکل یا بھروسہ کرلیتا ہے تو پھر وہ دنیا کی ہر طاقت وقوت سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔ اقبالؔ نے کہا تھا ؎

ہر کہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

یعنی جس نے سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمز پہچان لی۔ اس کے نزدیک دنیا کے کسی معمولی سے حاکم سے ڈرنا یا اس کا خوف رکھنا بھی شرک محسوس ہوتا ہے۔ وہ ان سے توقع رکھنے کو بھی شرک تصور کرتا ہے اور یہی چودہ سو سال سے ہمارے صوفیہ کی روش رہی ہے۔

اس لیے دنیا پرستی کے اس دور میں نوجوان علما کی تربیت کے لیے مدارس اسلامیہ میں تصوف کی کتابوں کو باضابطہ نصاب میں شامل کرنا نہایت ضروری ہے۔ مگر معاملہ تو یہ کہ نقار خانے میں کسی طوطی کی صدا کون سنتا ہے۔

مسلک صوفیہ کی تجدید، وقت کا اہم تقاضا

موجودہ ہندوستان کے اس نفرت بھرے ماحول میں اگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو حرز جاں بنانے والے ان صوفیہ کرام اور بزرگان دین کی تعلیمات، نقش قدم اور مسلک کو اختیار کیا جائے اور اسی کے مطابق زندگی گزاری جائے تو اسی میں سکون بھی ہے اور کامیابی بھی۔ آج اس بات کی بے حد ضرورت ہے کہ پھر سے وہی اصل خانقاہی نظام کو زندہ کیا جائے۔ خانقاہوں سے وابستہ بڑے بزرگ، ذمہ دار علمی شخصیات، حساس مزاج وطبیعت رکھنے والے پیران وسجادگان آگے آئیں، سب سے پہلے خانقاہوں کو منظوم ومربوط کریں اور پھر اہل خانقاہ کو حکیمانہ ومخلصانہ انداز میں دعوت احتساب دیں۔ میدان عمل میں آکر انسانوں کے دکھ درد سمیٹیں، محبت والفت کا پیغام عام کریں، حکمت کے ساتھ اسلام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں اور مریدین ومتوسلین کی اپنے اسلاف کے طریقہ کار اور حالات زمانہ کے مطابق دینی تربیت کریں تو انقلاب اسلامی کا آنا کوئی غیر ممکن نہیں۔ یقیناً اس کے لیے ہم خانقاہیوں کو نہ کسی کی محتاجی ہے اور نہ کسی دریوزہ گری کی ضرورت ہے۔ ہمارے بزرگوں اور اسلاف نے تعلیم وتربیت کا ایک پورا نظام اور سسٹم ہمیں دے دیا ہے۔

ہمارے مورث اعلیٰ قطب عالم حضور سیدنا ومولانا خواجہ شاہ قیام اصدق چشتی رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۳۰۱ھ) صوفیہ متاخرین میں سے ہیں۔ آپ کے مکتوبات وملفوظات اور تربیت مریدین میں متقدمین صوفیہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک مرید جناب ملک علی حسین اصدقی زمین دار پیٹھانہ (نالندہ) کو ان کی دنیادارانہ روش پر نصیحت اور تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میرے عزیز! پیر و مرشد کی اپنے مرید پر شفقت باپ سے زیادہ رہتی ہے، اس لیے کہ بیٹے پر باپ کی شفقت قبر تک محدود ہے اور اپنے مرید پر پیر کی شفقت روز قیامت تک قبر سے اٹھنے کے بعد بھی ہوگی۔ (دوسرے یہ کہ) باپ میں اکثروں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں میرا بیٹا مال و مرتبہ کو پہنچے اور پیر یہ چاہتا ہے کہ میرا مرید دنیا میں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہ کر قیامت کے دن بلند مرتبے کو پائے اور اس سے کم تو چاہتا ہی نہیں کہ دوزخ سے چھٹکارا پائے اور سلامتی کے گھر (جنت) میں پہنچے۔

لہٰذا اے عزیز! خیال رکھو کہ کل قیامت کے دن مجھ کو شرمندہ نہ کرنا۔ میں تم کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور نیکی کے سوا کوئی حکم نہیں کرتا ہوں۔ اگر تم اس کی طرف توجہ نہ دو گے تو تم جانو۔ رب تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

اے میرے بندو! اگر تم بچو گے کبیرہ گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو میں تمھارے صغیرہ گناہوں کو بخش دوں گا اور بہشت میں تم کو جگہ دوں گا۔ ''اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآٮِٕرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا'' (النسا:۳۱)

میں بھی کہتا ہوں کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے باز رہو گے اور جو کچھ میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو گے تو میں تمہارے لیے حق تعالیٰ سے درخواست کروں گا اور اگر میں نہیں کرسکوں گا تو اپنے پیران سلسلہ سے گزارش کروں گا تاکہ تیرے لیے حق تعالیٰ سے سفارش کریں اور معافی دلائیں۔

خبردار! آوارہ نہ پھرو، حق تعالیٰ کو فراموش نہ کرو اور نافرمان بن کر نہ رہو۔ انبیاے کرام، اولیاے عظام اللہ بزرگ و برتر کے خوف سے زندگی بھر روتے رہے ہیں۔ لرزتے اور ڈرتے ہوئے زندگی گزاری ہے۔ ہم اور تم کون ہوتے ہیں اور کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

اپنی ابتدا کو دیکھو کہ گندہ پانی کا قطرہ تھے۔ پروردگار نے اپنے فضل و کرم سے جو صورت کہ تم رکھتے ہو پروان چڑھایا۔ اس احسان کو نہ بھولو اور اس نعمت کے شکریہ میں جو کچھ کہ اس نے فرمایا ہے، نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ اسے دل سے بجا لاؤ۔ اور اپنی

سانسوں پر بھی نگاہ رکھو کہ اس کی یاد سے خالی نہ رہے۔ اور خود پر بھی کہ اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: ''وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ'' یعنی میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے: ''ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۹۴'' یعنی پھر غیب اور حاضر کو جاننے والے کی طرف تم سب ہانکے جاؤ گے، تو وہ تمہیں خبر دے گا ان حرکات وسکنات کی جو تم پہلے کر چکے ہو گے۔

اللہ اللہ! کس قدر غفلت، بے فکری اور بے خوفی ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے سامنے بلائے گا اور ایک ایک کر کے تمام اعمال اور کاموں کے متعلق پوچھے گا، کیا کہتے ہو؟ دنیاوی حاکم جو خود کو آلودگیوں سے پاک نہیں کر سکا ہے، تجھے اپنے سامنے بلائے اور ایسے کاموں اور حرکتوں کے متعلق پوچھے جو تم دوسروں کے ساتھ کر چکے ہو تو بید کی طرح کانپنے لگو گے اور ہوش وحواس بھول بیٹھو گے اور بے کار عذر پیش کرو گے۔

اگر وہ تمہارا عذر قبول کر لے، تعجب نہیں ہے، کیوں کہ وہ غیب کے احوال کی خبر رکھتا ہے اور اگر وہ عذر قبول نہ کرے تو کیا کرو گے؟ جب کہ یہ حال ہے، کیوں قیاس نہیں کرتے ہو کہ جو سارے عالم کا حاکم ہے، سب دیکھنے اور سننے والا ہے، تجھ کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، گندے پانی کے ایک قطرہ سے لے کر اب تک پرورش کرنے والا ہے۔ لوگوں کا تمام حال، اس کے سامنے ظاہر اور بے پردہ ہے۔ پھر جواب میں کیا کہو گے اور کون سا عذر سامنے لاؤ گے۔ قرآن کریم کا یہ فرمان تم نے نہیں سنا ہے کہ جب تم عذر کرو گے تو تمہارے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا وحصے (آنکھ، ناک، کان) تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور زمین بولنے پر آجائے گی اور تمہارے کیے ہوئے گناہوں کو بیان کر دے گی۔ اگر چہ رب تبارک وتعالیٰ خود جاننے والا ہے۔

ع حاکم کہ خود گواہ بود قصہ مشکل است

(حاکم جب خود ہی گواہ بن جائے تو معاملہ بہت مشکل ہے)

لیکن یہ گواہی دینا اولاد آدم سے اتمام حجت کے لیے ہے۔ (جس کے بعد کسی عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی) آخر اس وقت کیا کرو گے اور تمھارا کیا حال ہوگا؟ ہوش رکھو اور خبردار ہوشیار رہو۔ اور اپنے کاموں کا روزانہ حساب کرو کہ رب تعالیٰ کے پسندیدہ کام کتنے کیے ہیں اور نفس وشیطان کی خواہش کے مطابق تم نے کس قدر کام کیا ہے؟ اگر ایک روز یہ حساب لگاؤ گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کس لائق ہو؟

اس زمانے کے لوگ موت کے وقت کو بھول بیٹھے ہیں، اسی لیے غفلت کی گہرائی میں پڑے ہوئے ہیں۔ چاہیے کہ موت کو ہر وقت سامنے رکھیں اور خیال کریں کہ کل زندہ نہیں رہیں گے۔ آخرت کے واسطے کچھ کر لیا جائے تاکہ وہ وہاں کام آئے۔ جب اس طرح کرو گے تو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے توفیق مددگار ہو جائے اور نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف کھینچ لے جائے۔

''علی حسین'' نام رکھتے ہو اور یہ نہیں جانتے ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کس طرح زندگی گزاری ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کس لیے شہید ہوئے؟ مسلمانان، مسلمانان، مسلمانان اور مسلمانی کی صرف رٹ ہے۔ مسلمان قبر میں ہیں اور مسلمانی کتاب کے ورقوں میں ہے۔ میں فرصت کا وقت کم رکھتا ہوں، کتنا لکھوں۔ اگر تیرے دل میں اسلام اور ایمان کا نور ہے تو اسے باقی رکھ اور اسی پر قائم رہ اور ان تمام نصیحتوں کو اپنے لیے غنیمت شمار کر اور اسی پر عمل کر، جہاں تک ہو سکے نگاہ کو بند رکھ اور اپنے کو رنجیدہ رکھ۔ اللہ بس، باقی ہوس۔ (مکتوبات اصدقی: مترجم، مکتوب نمبر: ۱۳)

یہ مکتوب زیادہ نہیں تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانا ہے۔ جسے لکھا جا رہا ہے وہ کوئی عام سا انسان نہیں بلکہ کئی سو ایکڑ کا کاشتکار اور زمین دار ہے۔ کروفر کی زندگی گزارنے والا ایک سرمایہ دار ہے مگر جب پیرو مرشد کو ان کی بے راہ روی خبر ملی تو اصلاح کی کوشش میں ذرا دیر نہ کی۔ ان کے مال و دولت سے بالکل مرعوب نہ ہوئے اور اپنی مرشدانہ ذمہ داری پوری فرمائی۔ پتہ چلا کہ ماضی قریب کے ہمارے صوفیہ اور اہل خانقاہ کی اپنے مریدین ومتوسلین پر نظر ہوتی

تھی،ان کی خامیوں کی اصلاح اور تربیت کیا کرتے تھے۔جس کے مثبت نتائج بھی نکل کر سامنے آتے تھے۔آج ہماری کس خانقاہ میں اپنے بے روش مریدوں کی اس طرح تربیت کی جاتی ہے۔جب مریدوں کی غلطیوں کے بجائے نظریں اس کے جیب پر ہوں گی تو کیا خیر کی امید کی جاسکتی ہے۔آج یہی وجہ ہے کہ عوام میں مشہور ہے کہ آج سرمایہ دار مریدوں نے پیروں کو یرغمال بنالیا ہے،اب مرید پیر کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ پیر مرید کی مرضی کے مطابق کام کیا کرتے ہیں۔اس کا خاص خیال رکھا جاتا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو کہ مرید ناراض ہوجائے۔بہت مشہور فارسی کا ایک قول ہے کہ ''پیراں نمی پرند،مریداں می پرانند''یعنی: پیر خود نہیں اڑتے، ان کے مرید انھیں اڑاتے ہیں!۔لیکن آج کچھ پیر ایسے بھی ہیں جو اپنے مریدوں کو ہی اڑاتے ہیں۔ان کی اصلاح ،تربیت اور تزکیہ نفس کے بجائے ،ان کی تعریف کرکر کے ان کے نفس کو جری اور گناہوں پر زیادہ دلیر بنا دیتے ہیں۔

بہر حال!ماضی میں ہونے والی اس طرح کی غلطیوں سے سبق لے کر نئے سرے سے خود کی اصلاح کے ساتھ مریدین ومتوسلین کی تربیت واصلاح کا عزم کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔اگر اہل خانقاہ اپنے اسلاف ومورثین کی زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نصاب زندگی بنائیں تو ان شاء اللہ اہل خانقاہ کے پاس صرف ''پدرم سلطان بود'' کے نعرے نہیں ہوں گے اور قوم کی جانب سے یہ طعنے نہ سننے پڑیں گے کہ ؎

باپ کا علم بیٹے کو اگر نہ ازبر ہو
تو پھر پسر لائق میراث پدر کیوں کر ہو

ہمارے صوفیہ،اسلاف اور بزرگان دین نے قرآن وسنت کو اپنا حرز جاں بنایا تو ان کی نگاہِ کیمیا گر نے لاکھوں کی تقدیریں بدل ڈالیں ،شاہانِ زمانہ ان کی چوکھٹ پر گدائی کرتے نظر آئے اور پوری امت نے ان کی روحانیت سے فیض پایا۔ہم اہل خانقاہ اپنے اکابرین کے نقش کفِ پا کو نمونہ بنالیں تو ہماری عظمتِ رفتہ کے نقوش اور کھوئے ہوئے سنہرے دن واپس مل سکتے ہیں۔اللہ جل شانہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔آمین

اٹھو و گرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی

حالات اور زمانہ ہم سے اس بات کا تقاضہ کر رہا ہے کہ ہم اپنے فروعی اور اختلافی مسائل سے اوپر اٹھ کر دین وسنت اور حب رسول ﷺ کی بنیاد پر اپنا رشتہ مضبوط کریں۔اپنی صفوں میں اتحاد اور دوسروں کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا کریں۔ملت واحدہ کے روپ میں یک جُٹ ہوکر دنیا اور بالخصوص وطن عزیز کے مظلوم مسلمانوں کے لیے کچھ کرنے کے لیے لائحہ عمل بنائیں۔ورنہ تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔آج ہندوستان کے حالات چیخ چیخ کر ہم سے سوال کر رہے ہیں کہ آخر اس ملک کے مسلمانوں کا مستقبل کیا ہوگا؟ ہمارے دین، ہماری تہذیب اور ہماری آنے والی نسلوں کے تحفظ کی صورت کیا ہے؟ اس طرح کے متعدد سوالات ایک عفریت کی طرح منھ پھاڑے ہمارے سامنے ہیں مگر ان کے لیے جن کے پاس احساس وشعور کی دولت ہے۔وہ وسائل وذرائع سے محروم ہیں اور جن کے پاس مواقع ہیں لذت کام دہن میں مشغول ہیں۔

ہمیں تاریخ کے جھروکے سے سقوط بغداد اور زوال اسپین پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ہلاکو خان جب بغداد پر حملہ آور ہوا تو جہاں امرا، رؤسا اور وزرائے سلطنت عیش وعشرت میں مبتلا تھے، وہیں علما کے درمیان فروعی مسائل پر گرما گرم بحث ومناظرے ہو رہے تھے اور عام لوگ اسے دین کا اہم کام سمجھ کر خوب محظوظ اور لطف اندوز ہو رہے تھے۔۱۲۵۸ء میں پیش آنے والے اس المناک سانحۂ سقوط بغداد کے بعد علما اور عوام کا نہ کوئی گروہ بچا اور نہ ہی کسی کا مکتبۂ فکر۔تاتاری افواج نے بغداد کی گلیاں خون سے بھر دیں، مسلمانوں کے سروں سے مینار بنا کر مئے نوشی کے دور چلے، عظیم ترین کتب خانوں کو راکھ

کا ڈھیر بنا دیا گیا، تہذیب وتمدن، فن وثقافت اور علم وفضل کے سارے چراغ گل کر دیئے گئے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ عالم اسلام آج تک اس سانحے کے بعد سنبھل نہ سکا۔ اس میں ہمارے لیے یہ درس عبرت ہے کہ قوم چاہے کتنی ہی طاقت ور، پر جوش اور بڑی کیوں نہ ہو، اگر دشمن کے سامنے بروقت متحد ومنضبط اور حالات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے تباہ و برباد ہی ہونا ہے۔ آج مسلمانوں کے سامنے کسی ایک تاتاری فوج کا چیلنج نہیں بلکہ ہزارہا چیلنجز سے مقابلہ ہے۔ آج ہمارے یہاں بھی علما ایک دوسرے کو زیر کرنے میں لگے ہیں، دین پر مسلک ومشرب کا جن حاوی ہے، دعوت وتبلیغ کا تصور برائے نام ہے، فرائض و واجبات پر مستحبات کو فوقیت دی جا رہی ہے، بدعت حسنہ کے نام پر بدعت سئیہ کا بازار گرم ہے، فروعی مسائل میں الجھے ہیں۔ ایسے میں خود کی اصلاح وتربیت، خود احتسابی، حکمت وبصیرت، مکمل بیداری اور داعیانہ کردار کے ساتھ ہم میدان عمل میں نہیں آتے تو یقین کیجیے۔ ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں ؎

اٹھو و گرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی

دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ہم اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس خطرناک ترین بحران اور بڑی نسل کشی سے دنیا کی کوئی طاقت بچا سکتی ہے تو یہ ہماری خام خیالی اور نہایت احمقانہ سوچ ہے۔ یاد رکھیں! یہ سب کچھ منظم سازش ہے جو صیہونی اور عالمی طاقتوں کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ اس لیے ان سے کسی مداخلت کی امید انتہائی فضول ہے۔ رہی مسلم ممالک کی بات تو ان میں چند ایک کے سوا سب مغربی طاقتوں کے ہی پٹھو ہیں اور ان کے ہی اشارۂ ابرو پر تھرکتے ہیں۔ جب اسپین میں مسلمانوں کی نسل کشی اور انخلا ہو رہا تھا اس وقت ہند میں مغلوں کی حکومت اور ترکی میں خلافت عثمانیہ قائم تھی، جس کی حیثیت اس دور میں تقریبا

سپر پاور کی تھی مگر مسلمانوں کی امداد کے لیے کوئی نہ آیا۔ اس لیے یہ بات ہمیں اپنے دل ودماغ میں بیٹھا لینا چاہیے کہ یہ جنگ ہمیں خود لڑنی ہے۔ اپنا راستہ ہمیں خود بنانا ہے۔ اپنی نسلوں اور مقدس مقامات کی حفاظت ہمیں از خود کرنی ہے۔

آسماں جلتی زمیں پر نہیں آنے والا
اب یہاں کوئی پیمبر نہیں آنے والا
اپنے کعبے کی حفاظت ہمیں خود کرنی ہے
اب ابابیلوں کا لشکر نہیں آنے والا

اس دور پر فتن میں ہماری کچھ ذمہ داریاں ہیں جس کی انجام دہی وقت کا جبری تقاضا ہے۔ جس کی نشاندہی اس کتاب کے پچھلے صفحات پر کئی طرح کے فتنوں کے ذکر کی صورت میں آپ نے پڑھا، یقیناً اس کے تصور سے جہاں روح کانپ جاتی ہے۔ اس لیے علما ومشائخ اور تمام خواص کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے اپنے طریقے سے اپنے متعلقین کی علمی وعملی تربیت کرتے رہیں۔ علمائے ذوی الاحترام مساجد، مدارس، جلسہ، جلوس اور محافل وغیرہ میں ان موضوعات پر سنجیدہ گفتگو کے ساتھ اپنے حلقۂ اثر میں انفرادی طریقے سے بھی نوجوانوں کو اپنے رابطے میں رکھیں۔

پیران عظام اپنے مریدین ومعتقدین اور حلقۂ ارادت کی کم از کم خبر رکھیں اور مریدین اور ان کے بچوں کے لیے نصیحتوں کا وقت نکالیں۔ اخیر میں اسی حوالے سے چند تجاویز اور مشورے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں، کاش! یہ مفید ثابت ہو سکے۔

(۱) اس حوصلہ شکن، پُرفتن اور نازک ماحول میں ہماری ذمہ داری ہے کہ نوجوانوں کے اندر ہمت وحوصلہ پیدا کریں۔ ان کے دل ودماغ میں یہ بات راسخ کریں کہ موت وحیات، عروج وزوال، بلندی وپستی، عزت وذلت، رزق وتنگ دستی سب اللہ

جل شانہ کے دست قدرت میں ہے، بغیر اس کے حکم کے ایک پتہ نہیں ہل سکتا۔ یہ ملک ہمارا ہے، ہمارے بزرگوں نے اسے اپنے خون جگر سے سینچا ہے اور اپنے دین وایمان کے ساتھ اس کے لیے ہم ہر طرح کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے ہر خوف وڈر کو دل ودماغ سے نکال کر بس اسی وحدہ لاشرک سے لو لگانا ہے۔

(۲) توحید ورسالت اور ایمان وعقیدے پر ہونے والے اس طرح کے حملوں سے چند باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں جس سے جماعت اہل سنت کی حقانیت اور اہمیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس لیے مخلص ''علمائے حق اور اہل سنت وجماعت'' ''مشائخ خانقاہ'' اور ''پیران عظام'' سے محبت وتعلق اور سچی وابستگی بہت ضروری ہے۔ ان کی رہنمائی ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے بچنے میں مدد دے گی۔

(۳) یہ جماعت اہل سنت ہی ہے جو اللہ کی توحید وکبریائی کے ساتھ، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وشان بیان کرتی ہے اور امت کا رشتہ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے ذریعہ ''حقیقی دین'' سے جوڑ کر رکھتی ہے۔ یہ جماعت اپنے متعلقین کو مکمل بنیادی عقائد ومسائل بھی بتاتی ہے اور قرآن کریم نے اپنے جن انعام یافتہ بندوں کی راہ کو ''صراط مستقیم'' کہا ہے وقتاً فوقتاً ان کے دن مناکر ان کی محبت دلوں میں ڈالتی رہتی ہے۔ یعنی انبیا وصدیقین، شہدا وصالحین اور اولیا وبزرگان دین، اس لیے ان سے ہی وابستہ رہنے میں نجات اور کامیابی ہے۔

(۴) مشہور تابعی حضرت امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۱۰ھ) فرماتے ہیں: إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِينٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِينَكُمْ (مقدمہ صحیح مسلم۔حدیث: ۲۶۳) یعنی یہ علم، دین ہے، پس تم دیکھو کہ کس شخص سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو۔ امام ابن سیرین عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیزش عقیدہ کے پابند تھے اس میں عقلی موشگافیوں اور جدتوں کو سخت ناپسند کرتے، قدر کا مسئلہ ان کے زمانہ میں چھڑ چکا تھا، حضرت ابن سیرین کو

اس سے سخت نفرت تھی، اس کو وہ سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور ان سے قدر کے متعلق کچھ باتیں کیں، انھوں نے اس کے جواب میں یہ آیت تلاوت کی: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (النحل:۹۰) اللہ تعالی عدل، احسان اور قرابت مندوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور ناشائستہ باتوں اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اس کو یاد رکھو۔

یہ آیت سنا کر انھوں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور باتیں کرنے والے شخص سے کہا تم میرے پاس سے چلے جاؤ، یا میں خود اٹھ جاتا ہوں، یہ نفرت دیکھ کر وہ شخص چلا گیا اس کے جانے کے بعد ابن سیرین نے کہا کہ میرا دل میرے اختیار میں نہیں ہے، مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے دل میں ایسا خیال نہ پھونک دے جس کے دور کرنے پر مجھے کو قدرت نہ ہو، اس لیے میرے لیے یہی مناسب تھا کہ میں اس کی باتیں ہی نہ سنوں۔

(ابن سعد، ج:۷، ق اول، ص:۱۴۳)

اس میں ہمارے لیے بہت بڑا پیغام ہے کہ ”جب اتنی بڑی علمی شخصیت اس بات کا خوف کھا رہی کہ کہیں اس بدمذہب کی بات سے میرا عقیدہ و مسلک اور حقیقی دین متاثر نہ ہو جائے تو بھلا عام لوگوں کی کیا حیثیت ہے“۔ اس لیے نوجوانوں کو محبت اور حکمت کے ساتھ یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ ”کسی بھی جماعت اور تنظیم کو آپ یوں ہی جوائن نہ کرلیں، سوشل میڈیا کے ذریعہ کسی کی بھی تحریر و تقریر بغیر تحقیق کے ہرگز نہ پڑھیں نہ سنیں“ جب تک کہ اس بات کا علم نہ ہو جائے کہ ہاں! اس کا مسلک و عقیدہ انبیا، اولیا اور بزرگان دین سے محبت و قربت والا ہے۔ آج اس سوشل میڈیا کی لعنت نے نہ جانے کتنوں کا ایمان و عقیدہ غارت کر دیا ہے، اور وہ مادر پدر آزاد ہو گئے ہیں۔

(۵) دین پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے، نہ کہ صرف نماز وروزہ اور حج وزکوٰۃ کی ادائیگی اور اس چند مسائل کے جاننے کا نام دین ہے۔اس لیے اگر کوئی تنظیم ،تحریک یا شخصیت دین کے دائرے کومحدود کرتی ہےتو اس سے دامن بچالینے میں ہی بھلائی ہے۔یا کسی کی صحبت اللہ ورسول اور صوفیہ کی تعلیمات کے برخلاف ہے ،دل پراگندہ ہورہے ہیں اور حقیقی دین سے دوری ہورہی ہےتو اس سے کنارہ کشی اختیار لینے میں ہی نجات ہے۔

(۶) ہر مسلمان کے لیے دین کے بنیادی عقائد ومسائل کی تعلیم انتہائی ضروری ہے، انگلش میڈیم کے ہوڑ میں جس کی جانب کم سے کم توجہ ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے اعلیٰ دنیاوی تعلیم یافتہ حضرات مدرسوں کی تعلیم پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور وہاں ماڈرن ایجوکیشن کے نافذ کرنے پر بہت زور دیتے ہیں، ان سے گذارش ہے کہ وہ اسکول اور کالجز کے بچوں کو بھی دینی تعلیم دلانے کی بات کریں۔اس لیے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والے ہوسکتا ہے کہ دنیاوی مال کمانے میں پیچھے رہ جائیں مگر اسکول وکالج میں پڑھنے والے بچوں کا دینی تعلیم نہ ہونے کی بنیاد پر اگر ایمان چلا گیا تو بتائیں ذمہ دار کون ہوگا اور گھاٹے میں کون رہے گا۔اس لیے ہر مسلمان کو اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دینا ان کی دینی، ایمانی، اخلاقی اور معاشرتی ذمہ داری ہے۔

(۷) اس دورِ فتن میں انتہائی ضروری ہے کہ آپ طالب علم ہوں، نوکری پیشہ ہوں یا تجارت سے منسلک ہوں لیکن بحیثیت مسلمان یہ سب سے بڑی ذمہ داری بنتی ہے کہ دین سیکھیں اور اپنے گھر، سماج اور سوسائٹی کا اچھا ماحول بنائیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق توحید ورسالت ،عبادات ومعاملات ،جائز وناجائز ،حلال وحرام اور ایک اچھے اور سچے مسلمان بن کر زندگی گذارنے کا شعور حاصل کرنا ہر ایک کے لیے لازمی ہے، تاکہ آپ کے گھر میں کفر وشرک اور بدعقیدگی کی آندھی داخل نہ ہوسکے۔

(۸) ہر بندہ اپنے فیملی ڈاکٹرس کی طرح ایک اچھے، دین دار اور مخلص عالم دین کے رابطے میں رہے، اگر مرید ہے تو اپنے شیخ سے وابستہ رہے اور اپنے دینی ودنیاوی معاملات میں ان سے رہنمائی اور مشورہ لیتا رہے۔ پھر ان کے مشورے سے کم از کم مہینے میں ایک بار گھر کے سارے لوگ ذکر وفکر، پند ونصائح اور درود ودعا کے لیے یکجا ہوں تو ان شاء اللہ ایک روحانی سکون کا احساس ہوگا۔

اس کتاب میں جو باتیں لکھی گئیں وہ بس ایک احساس ہے، درد دل ہے، حالات زمانہ کی عکاسی ہے۔ اس کے زبان وبیان سے اگر کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو میں صدق دل سے معافی کا طلب گار ہوں۔ کوئی خامی نظر آئی ہو تو اہل علم اصلاح فرمائیں، انشراح صدر کے ساتھ قبول ورجوع کیا جائے گا، اگر کوئی بات اچھی، درست اور حق لگی ہو تو خاتمہ بالخیر کے لیے دعا فرمادیں۔ یہ فقیر خود گناہوں کا پتلا ہے، خود پر تنقید بھی اس میں شامل ہے، بس! کچھ کر گذرنے، بخشش ونجات کے لیے راہیں ڈھونڈھنے اور تاریکی میں اپنے حصے کی شمع جلانے کی سعی جمیل کرتا رہتا ہوں۔ اللہ کریم قبول فرمالے۔ آمین بجاہ حبیبک سید المرسلین

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

تمت بالخیر

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خواب غفلت

از: محبوب الاولیا حضرت سید شاہ بشیر الدین اصدق چشتی رحمۃ اللہ علیہ

خواب غفلت سے اٹھو، اب چھوڑ دو آرام کو
اپنے خون دل سے سینچو، مذہب اسلام کو
چھوڑ بیٹھے ہو عزیزو دین کے احکام کو
آہ کیا کرتے ہو سونچو بھی ذرا انجام کو
یہ سنہرا وقت ہے جانے نہ دو، تم ہاتھ سے
لو سنبھالو مثل حیدر رایتِ اسلام کو
متفق ہو جاؤ سب نا اتفاقی چھوڑ دو
کیوں ڈبوتے ہو بزرگوں کے مقدس نام کو
دین کی رسّی کو سب اچھی طرح سے تھام لو
سامنے ہر دم رکھو، قرآن کے احکام کو
اٹھتی موجوں کے بھنور ہیں، اور ساحل دور ہے
یا رسول اللہ سنبھالو، کشتی اسلام کو
یا الٰہی اپنے بندوں کی دعا مقبول کر
پھر وہی پہلی سی آب و تاب دے اسلام کو

مناجات

از: محبوب الاولیا حضرت سید شاہ بشیر الدین اصدق چشتی رحمۃ اللہ علیہ

اپنے بندوں کو مسلمان بنادے یارب!
خواب غفلت میں جو سوئے ہیں جگا دے یارب!
کہیں طوفان حوادث نہ ڈوبادے اس کو
کشتی دین نبی پار لگادے یارب!
آج صیاد کے پنجے میں گرفتار ہیں ہم
اپنی رحمت کے تصدق میں چھڑادے یا رب!
پھر وہی جوش، وہی ہمت و طاقت دے دے
پھر وہی اگلا ہمیں دور دکھا دے یارب!
تیرے محبوب کی امت کی بری حالت ہے
میری سوئی ہوئی تقدیر جگا دے یارب!
پھر مسلمانوں کا ہو بول جہاں میں بالا
دشمن دین کو پھر نیچا دکھادے یارب!
رو کے کرتا ہے دعا ، تجھ سے یہ شہودیؔ بیکس
بات جو بگڑی ہوئی ہے ، وہ بنادے یارب!

ہماری دیگر مطبوعات

تحائف اصدقیہ	مکتوبات اصدقی
تاریخ ہجرت	آئینہ حافظ ملت
حیات اصدق	درس رسول
آئینہ مخدوم جہاں	بارہ روشن کرامتیں
خطرات کے بادل	سعودی عرب جانے والوں کے نام **ایک پیغام**
خواجہ دو عالم	جمال صورت جمیل سیرت
تجلیات بشیری	صحیح بخاری اور رفع یدین
بے نقاب چہرے	نعت گوئی کی تاریخی روایت اور مروجہ بے اعتدالیاں

الاصدق اکیڈمی

مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، بہار شریف، نالندہ (بہار) رابطہ نمبر، 9835228582

AL-ASDAQUE ACADEMY MADRASA ASDAQUIA MAKHDOOM SHARF
PAKKI TALAB, BIHAR SHARIF NALANDA (BIHAR) 803101

سید سیف الدین اصدق چشتی کی کتاب

عہد حاضر اور مسلمان.........میری نظر میں

سید سیف الدین اصدق چشتی صاحب ایک بہترین مقرر اور ایک اچھے مصنف ہیں۔ وہ ایک حساس اور ہمدرد دل کے مالک ہیں۔ ان کی ہمدردی اپنی قوم سے بھی ہے اور مکمل انسانیت سے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک مفکر قوم نظر آتے ہیں اور مصلح قوم کی ذمہ داریاں بھی ادا کر رہے ہیں۔ ان کی نظر عہد حاضر پر بھی ہے اور مستقبل کے امکانات پر بھی۔

آج اصدق صاحب کی تصنیف عہد حاضر اور مسلمان کو پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ کتاب واقعی اہم کتاب ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوا کہ اس میں انھوں نے موجودہ دور کے مسلمانوں کے حالات کا ذکر واضح طور پر کیا ہے۔ ان کا مشاہدہ ہے کہ قوم مسلم کی موجودہ نسل اپنی مخصوص شناخت سے بے فکر ہو کر اوروں کی طرح ہی وقت کے دھاروں میں بہہ نکلی ہے۔ مسلمان آج بھی مغربی تہذیب سے متاثر ہیں جس کی وجہ سے وہ حصول دنیا کو فکر آخرت پر فوقیت دیئے چلے جا رہے ہیں۔ اصدق صاحب نے اپنی کتاب میں اس صورت حال کے اسباب ہی نہیں بلکہ ان کے حل بھی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ موصوف نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں عہد حاضر کے مسلمانوں کو عمل پیرا ہونے کا مشورہ نہایت خوش اسلوبی سے دیا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ ہمارے لئے تنزلی کے دائرے سے باہر نکلنے اور سرخرو ہونے کا واحد راستہ ہمارا مخصوص طرز عمل اور اسلاف کا طریقہ ہے۔

یہ کتاب 96 مضامین پر مشتمل ہے۔ ہر مضمون اپنی جگہ اہم اور قابل توجہ ہے۔ ہمیں ایسا لگتا ہے کہ قوم کی بہبود و فلاح سے متعلق شاید ہی کوئی ٹاپک باقی رہ گیا ہو۔ کتاب میں شامل ہر ایک مضمون کو انھوں نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں تحریر کیا ہے۔ مسلمانوں کو ان کے زوال کا احساس دلانے کے ساتھ انھیں دعوت غور و فکر بھی دی ہے تا کہ ان کے اندر شعور پیدا ہو اور وہ مستقبل کے لئے راہ عمل تیار کر سکیں۔

علماء اور قائدین کی ذمہ داریوں کے موضوع پر بھی موصوف نے اپنے واضح خیالات پیش کیے ہیں۔ آپ نے دل کی بات حق گوئی کے ساتھ بیان کی ہے۔ ایک مسلمان سچا مسلمان بن کر دنیا اور آخرت میں کس طرح کامیاب ہو جائے اس کے لیے کتاب بہت ہی مفید ہے۔ میں ذاتی طور پر سید سیف الدین اصدق صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ انھیں اس کا بہترین بدل دے اور ان کی کوششوں کو با اثر کرے۔ میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ وہ اس طرح کی کتابیں لکھتے رہیں اور قوم کی رہنمائی کرتے رہیں۔ اس کے علاوہ میں تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ آپ ضرور اس کتاب کو پڑھیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ذہن کو ایک نئی روشنی ملے گی۔ ہمارے ذہنوں پر اسلام، قرآن اور حدیث کے تقاضے واضح ہوں گے اور ہم اس بات کو طے کرنے میں یقینا کامیاب ہو جائیں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ بہت بہت شکریہ۔

فقط محمد ریاض:

پرنسپل کریم سٹی کالج جمشید پور

عہد حاضر اور مسلمان

سید سیف الدین اصدق چشتی

AHD-E-HAZIR AUR MUSALMAN

دعوتی، اصلاحی، رفاہی اور تعلیمی

تحریک پیغام اسلام کے اغراض و مقاصد



☆ اسلام کی صحیح تعلیمات کو بلا تفریق مذہب و مسلک لوگوں تک پہنچانا

☆ امت مسلمہ کے اندر حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی روح پھونکنا

☆ اہل بیت اطہار، صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین اور بزرگان دین کی عظمت دلوں میں پیدا کرنا

☆ نئی نسل کی غلو، تشدد اور تعصب سے پاک حقیقی دین کی طرف رہنمائی کرنا

☆ ایمان و اعمال کی درستگی کے ساتھ نوجوانوں کے اندر جذبہ دینی پیدا کرنا

☆ معاشرے میں پھیلی بدعات و خرافات کے لیے اصلاحی کوشش کرنا

☆ طلبائے اسلام کو اسلام مخالف پروپگنڈوں کے خلاف مثبت جواب کے لیے تیار کرنا

☆ نونہالان اسلام کو دینی و عصری تعلیم سے آراستہ کر، اسلام کا داعی و مبلغ بنانا

☆ خدمت خلق، فلاح انسانیت اور صوفیانہ مشن کو فروغ دینا

RS/-300